

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222294

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۵۱۳۳۳ Accession No. ۶۵۴۱

Author ج

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

(بیشک اللہ نے اپنے رسول کو (واقعی) سچا ہی خواب دکھایا تھا)

کتاب لا جواب سوئمہ

رُؤْيَا كُتُبِ صَادِقِ

جس میں
ذہب اسلام کی سچائی ثابت کی گئی ہے
مصنفہ

مولوی نذیر احمد صاحب حوم

شمس العلماء مولانا نذیر احمد مرحوم کا ترجمۃ القرآن

کلام مجید کا بہترین اردو ترجمہ تسلیم کیا گیا ہے

نمازت خوش خط عمدہ چھپائی۔ چکنا چور کاغذ، خاشاک، متن سلیس، با محاورہ زبان میں، بین السطور ترجمہ حاشیہ پر جملہ مسائل و احکام اور قصیدہ طلب آیتوں کی کامل تفسیر۔ مضامین قرآن، آیات درکوعات کی مکمل فہرست، نثر ہنگ الفاظ و محاورات وغیرہ۔ اب تک ایک لاکھ سے زیادہ کلام مجید ہدیہ ہو چکے ہیں۔

تین مختلف سائز میں کلاں غنہ جلد ۲۲ × ۲۹ متوسط جلد ۳۳ × ۲۹ حامل جلد ۱۶ × ۲۲
غرائب القرآن۔ یعنی ایک صفحہ پر کلام پاک اور صفحہ مقابل پر ترجمہ مع حاشیہ مل لغات عربی وغیرہ ہر سہ جلد ہیرہ صرف اردو ترجمہ غیر عربی۔ دو جلدوں میں۔ ہدیہ غیر مجلد شے ۴۔

الحقوق و الفرائض۔ جس کے مطالعہ سے مارانہدب اسلام سامنے آجاتا ہے جسے اہل میں تمام سلامی مسائل کی پوری تشریح کی ہے اور بتلایا ہے کہ آپ پر آپ کے خدا کا کیا حق ہے۔ قیمت ۴۔ ہر حصہ میں ہندو کے حقوق پر بحث کی ہے قیمت ۱۲۔ ہر حصہ میں آداب اخلاق کا ذکر ہے قیمت ۴۔ سکون اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لیے یہ بہترین سہارا ہے قیمت ہر حصہ ۴۔
اجتہاد و کافر توائف شہادۃ۔ دلائل عقلیہ و شرعیہ کے اسلام میں فطرت اور اس کے مستقالات اور اصل کی فطری ثابت کیا گیا ہے۔ انگریزی و فرانسیسی زبانوں میں جو سہاواں رہنا چاہیں۔ اس کتاب کو ایک مرتبہ ضرور پڑھیں۔ قیمت ۴۔

مجموعہ کچھ۔ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد مرحوم کے ۴۴ کچھ جن کا نام مجموعہ ہے۔ قیمت ۴۔
نظم بے نظیر۔ مولانا مرحوم اکثر کچھ کے ساتھ نظم بھی کہتے تھے، ان تمام متفرق نظمیں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے قیمت ۴۔
حیات النذیر حضرت شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد مرحوم کی مکمل سوانح عمری مع فوٹو ایکسی خطوط قیمت ۴۔
واقعات و آثار حکومت علی۔ شہر علی کی لا جواب تاریخ و آثار قدیمہ مع نقشہ جات تصاویر سنی و ہائی ٹون ٹو وغیرہ

جلد اول ۱۵۰ برس قبل مسیح سے ۱۹۱۷ء تک کی مکمل تاریخ
جلد دوم اندرون و مہاترات شہر کی عمارات کے حالات
جلد سوم بیرون شہر و مضافات کی عمارات کے حالات

واقعات مملکت پچاپور سلطنت عادل شاہیہ درگاہ کن کی مکمل تاریخ تین جلدوں میں قیمت ہر حصہ غیر مجلد ۴۔
فراہین سلاطین۔ شاہان ہند کے ۸۸ افراہین کا نام در مجموعہ مع (۸) عکسی فوٹو۔ قیمت غیر مجلد ۴۔
مجلد ہیرہ ۴۔

ان تینوں کتابوں پر گورنمنٹ سے اعزاز فی الامام مرحمت ہوا ہے
(مولانا نذیر احمد مولوی بشیر الدین احمد (مرحوم) کی تصانیف کی مکمل فہرست مفت مرکا ہے)

ملنے کا پتہ: بشیر الدین احمد اینڈ سنز، کھاری باولی، مہولی

لَقَدْ نَصَّيْنَاكَ اللَّهُ رَسُولًا لَدُنَّا وَلَدُنَّا بِمَا لَمْ يَحِقَّ

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو (واقعی) پہاڑی خواب دکھایا تھا

نقل رزولیشن کمیٹی الاصلہ واقع علیگڑھ کالج نے اس کتاب کی نسبت اجلاس

عام میں بالا جمال پاس کیا

”جو اس کتاب جتنی باتیں بھی نہ جانتا ہو اس کا اسلام کا“

روایات

اس کتاب میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ سچا اسلام بالکل عقل کے
مطابق ہے اور اس میں شکوک اور اشتباہات کو دخل نہیں دیتا

مصنف

خان بہاؤ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ منیر احمد مرحوم و مغفور، ایل، ڈی

ڈی، او، ایل، سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبئی آف ڈی بورڈ آف انویسٹرکٹری نظام

بسی ہستام مندر احمد نبیرہ مصنف مرحوم

۱۳۴۰ھ ہجری مطابق ۱۹۲۹ء

قیمت فی جلد چھ

(تمام حقوق بذریعہ رجسٹری بحق مندر احمد محفوظ ہیں)

(ہوٹھی بار دھنر)

فہرست مضامین روپائے صادقہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۵	کڑھتی اور میاں بی بی کو تسلی دیتے ہیں۔	۱	تہیہ کے طور پر صادقہ کی تقریب
۸۴	صادقہ کا بیہوش ۱۰	۲	اور اُس کے خواب دیکھنے کی عادت ...
۸۹	دلی کے مسلمانوں کی سوسائٹی	۲	صادقہ کا ایک عجیب خواب
۱۰۵	صادق اور مذہب ۱۲	۳	خواب دیکھنا صادقہ کے حق میں
۱۱۲	عقلی مذہب ۱۳	۸	مفسر ہوا ۱۳
	صادقہ کا مذہبی خواب خدا اور اُس کی	۴	صادقہ کا انتظام خانہ درسی ۱۳
۱۲۱	وحدانیت اور صفات کا عقلی ثبوت ..	۵	بیہوش کے بارے میں صادقہ کے
۱۲۹	غفلان کی نارسائی ۱۴		خیالات ۱۴
۱۳۱	انسان کی بے حقیقتی ۲۳	۶	صادقہ کے بیہوش کی چھٹی چھٹا ۲۳
۱۳۳	دینی خیالات کا سلسلہ ۰	۷	سید صادق کی طرف سے شادی کا رقعہ
۱۳۶	مذہب کی ضرورت ۰		کہنے کو رقعہ اور واقع میں کتاب اور
	عاقبت کالیقین انسان کی فطرت		اُسی میں علیحدہ کالج کا مختصر حال اور نکاح
۱۳۹	میں ہی ۲۷		کے بارے میں لوگوں کی رائیں ۲۷
۱۴۲	مذہب کا خلاصہ ۰	۸	صادق صادقہ کے بیہوش کے بارے میں
۱۴۴	عبادت کی لم ۶۷		صادقہ کے میکے والوں کی صلاحیں ۶۷
۱۴۹	شریعت نصف دین ہے۔	۹	ماں صادقہ کی جدائی کے خیال سے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۳	سنی شیعوں کا اختلاف.....	۱۵۳	عاقبت.....
۱۸۸	فترتہ مصوفیہ.....	۱۵۶	مذہبی مباحثہ بڑی بڑی بات ہے.....
۲۱۷	پنچری فرقہ.....	۱۶۷	دین کا دستور العمل.....
۲۲۳	صادقہ کا مذہبی خواب - دعا.....	۱۶۸	مذہبی شکوک اور اُن کا دفعہ.....
۲۲۷	وحی اور معجزات.....	۱۷۲	مقلدوں غیر مقلدوں کے جھگڑے.....



دیباچہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

خدا کی یہ شان ہو تو اُس کی حمد کیا مقدور انسان سے ہو انسانا البشر مثلكم
نے پیغمبر صاحب کی نعت کا کچھ یوں ہی سا حوصلہ دلا یا تھا۔ سو فی فتدلی
نحس ان قاب قوسین ادا دئی سے وہ بھی پست ہو گیا۔

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے جہل خواص اُس نزع کبرے میں قلعہ مشدوکا
تہیہ کے طور پر جو کہنا منظور ہو یہ ہو کہ آدمی کے ساتھ ساتھ مذہب و مذہب
کے ساتھ ساتھ اختلاف پیدا ہوا۔ اور اس اختلاف نے دنیا کو کبھی چین سے
نہ رہنے دیا۔ ان دونوں مذہبی چرچے بڑے زوروں پر ہیں۔ اور اُس کے ضروری
نتیجے بھی ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس سارے کے تصنیف کرنے سے غرض یہ ہو
کہ مسلمان جہاد ہی نہیں بلکہ اجتہاد ہی مسلمان ہوں۔ اور آپ بھی امن چین سے
بیٹھیں اور دوسروں کو بھی امن چین سے بیٹھے رہنے دیں۔ معلوم نہیں میں
اس ارادے میں کہاں تک کامیاب ہوں گا۔ مگر سیر اول تو ان ہی خیالات
کی بدولت اسلام کی طرف سے پورا پورا مطمئن ہو۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

۱۵ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں ۱۲ پیغمبر صاحب نزدیک آئے پھر ادب پاس کو سر کے

یہاں تک کہ دو کمانوں جتنا فاصلہ رکھ گیا یا اس سے بھی کم ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلی فصل

تمہیکے طور پر صادقہ کی تقریب اُس کی خواب دیکھنے کی عادت

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کیا دھوکا ہوا ہو۔ ہم مدت تک اسی خیال میں رہے کہ صادقہ اور یوسفی دو سگی بہنیں تھیں۔ اب تحقیق ہوا کہ ایک ہی عورت کے دو نام ہیں۔ اور پہلی ایک بھی نہیں۔ اُس کو سیکے ہی میں لوگ صادقہ کہنے لگے تھے۔ اس واسطے کہ اُس نے ساری عمر نہ کبھی جھوٹا خواب دیکھا اور نہ اپنے جی سے بنا کر کوئی خواب بیان کیا۔ بیاہی گئی تو سُسرال کی طرف سے یوسفی سکیم کا خطاب ملا۔ اس لیے کہ کثرت سے خواب دیکھتے دیکھتے اُس کو تعبیر میں ایسا ملکہ ہو گیا تھا کہ اُس کی رائے تیر بہدف ہوتی تھی۔ یوں تو کوئی ایسا بندہ نہ نہیں جو سوتے میں خواب نہ دیکھتا ہو۔ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی کا دماغ ایک لمحہ بھی بکا رہ نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمہ وقت کچھ نہ کچھ سوچا ہی کرتا ہی۔ جیسا جاگتے میں ویسا سوتے میں اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں کو خواب یاد نہیں رہتا۔ مگر تو بھی وہ جتنی دیر سوتے ہیں خواب ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ جانوروں میں سے اور جانوروں کا تو حال معلوم نہیں مگر گھوڑے کو جس کا جی چاہے آڑ ملے کہ تھکان پر کھڑا سو رہا ہو۔ آنکھیں بند ہیں۔ خراٹوں کی آواز چلی آتی ہو اور بیک ایک خاص طور پر نہنہنایا۔ ایسے موقع پر سائیس یا جو کوئی آدمی موجود ہوتا ہو

ٹھکان ہو، ٹھکان ہو، کہہ دیا کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ گھوڑا بھی کسی نہ کسی طرح کے خواب دیکھتا ہو۔ لوگوں نے بہت کچھ عقلیں دوڑائیں مگر کسی کو ٹھیک پتہ نہیں ملا کہ خواب ہو کیا چیز اور اس کی تعبیر کے اصول کیا ہیں۔ ہم بھی مدتوں اس خبط میں گرفتار رہے جسے صادقہ کا حال سنا یہ خیال ہی چھوڑ دیا اور سمجھ لیا کہ خواب بھی اسرار الہی میں سے ہو۔
 ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

اس عورت کا دماغ بھی خدائے عظیم ہی طرح کا بنا یا تھا۔ وہ پرے دیرے کی ذہین تھی۔ یوں بھی لڑکیاں بولنے اور بات چیت کرنے پر جلد قادر ہو جاتی ہیں۔ اور صادقہ تو پورے ڈہائی برس کی بھی نہ ہوگی کہ ہم نے اپنے کانوں اُس کو مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر مسلسل گفتگو کرتے سنا نہ، نہ خمرش، نہ لکنت، نہ رکاوٹ۔ اُن کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ اُس کو اپنے بچپن کے اُن وقتوں کی باتیں جب کہ اُس کو اچھی طرح گفتگو بھی نہیں کرنی آتی تھی ایسے صاف طور پر یاد تھیں کہ گویا کل کی بات ہو۔ ایک دفعہ کا اُس نے مذکور کیا کہ میں جھوٹے میں لیٹی ہوئی تھی۔ اوپر سے گری چمکی۔ اور اتفاق سے اُس وقت کوئی میرے پاس نہ تھا۔ میرے جی میں آیا کہ آواز دوں۔ مگر بولنا نہیں آتا تھا۔ ناچار رونے لگی۔ دھونے مجھ کو اکڑا اٹھا۔ میں چپکی تو ہو گئی۔ مگر جب پھر اُس نے جھوٹے میں لٹان چا باتیں لگائی۔ دوا سمجھ تو گئی کہ جھوٹے میں لیٹنا نہیں چاہتی۔ مگر اُس کو سبب کون سمجھا۔ آخر خدا جانے کہ ذہن منتقل ہوا۔ اور لگیں کہنے لے ذرا نہ لپچے کو تو دیکھو جو ہنسا پڑا اٹھ گیا۔ چمکی کو دیکھا وہ جا۔ اماں جان نے مجھے گود میں لے کر پیار کیا۔ اور اُسی وقت چھت گیری بند ہوا دی۔ تب میرے دم میں دم آیا۔“

وہ ایسی باتوں کے ایسے ٹھیک پتے دیتی تھی کہ تسلیم اور تصدیق کے سوائے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

غالباً اُس نے خواب بھی اسی رُطبانے سے دیکھنے شروع کیے ہوں گے مگر اُس کا چہرہ گھر میں اُس وقت ہونے لگا۔ جبکہ اُس کو بولنا آیا جیسی اس کی عمر تھی، جیسے اس کے خیالات تھے ویسے ہی اس کے اُن دنوں کے خواب بھی ہوتے تھے۔ مثلاً ایک دن اُس کا بھائی کہ وہ بھی بچہ ہی تھا، اس سے کوئی دو سوادو برس بڑا، سویرے اُٹھ کھانے کے لیے ضد کرنے لگا۔ ماں نے کہا "بُائی کھڑی تو میں تم کو دینے کی نہیں۔ رہیں کچوریاں، سواقل تو ابھی دکانیں نہیں کھلیں اور دوسرے دہی ایسی کونسی خوبی بھری ہیں۔ گھی کا نام اور آدھے سے زیادہ تیل اور پھر ماش کی دال۔" نہیں صاحب ذرا دم لے۔ ابھی میں تم کو روغنی ٹکیا ڈلوائے دیتی ہوں پھر چاہنا کھانڈ سے کھانا۔ یا مربے کی پھانک سے۔ مگر خدا کے لیے اوپر سے پانی نہ پنی لینا۔ ایسا نہ ہو پھر رات کو آپ بھی مارے کھانسی کے بے چین رہو اور ہم سب کی نیند بھی حیران کرو۔" یہ سُن کر صادقہ بولی۔ "ماں جان مربے کا مرتبان تو گر کر ٹوٹ گیا۔"

ماں۔ "یہ کب اور کیوں کر؟"

صادقہ۔ "کب اور کیوں کر تو میں جانتی نہیں مگر میں نے خواب میں دیکھا ہی۔"

خواب کا نام سُن کر سب لوگ ہنس پڑے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ ماں نے جلدی طلبی کر کے تو اچڑھایا۔ ٹکیا پکائی۔ جوں مربے کے لیے کوٹھری کھولی ایک چھوڑ دو دلیاں نکل کر بھاگیں۔ اندر جا کر دیکھا تو واقع میں مرتبان زمین پر لٹا پڑا ہی۔

دو چار بار تو لوگ خبر نہ ہوئے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ ہر روز خواب دیکھتی اور جو دیکھتی ویسا ہی ظہور میں آتا تو گھر والوں کو اچھا مشغلہ ہاتھ آیا۔ صبح ہوئی اور سب نے پوچھنا شروع کیا کیوں بی آج کیا خواب دیکھا؟ نہ کبھی ایسا ہوا کہ صادقہ نے کوئی خواب نہ دیکھا ہو اور نہ ایسا ہوا کہ دیکھا ہو اور سچانہ اُترا ہو۔ رفتہ رفتہ پہلے گھر میں پھر محلے میں پھر تو سارے شہر میں

ایک غل ساخ کیا بادھر نو صادقہ کی شہرت بڑھتی جاتی تھی۔ ادھر عمر کے ساتھ ساتھ وہ خوابوں میں نرتی کر رہی تھی۔ صادقہ کے خوابوں کے سلسلے سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ جس طرح کسی سلم کے بتدی کو پہلے آسان آسان باتیں سکھائی جاتی ہیں اور پھر بتدیج وہ شکل شکل کتابوں پر عبور کرتا ہو۔ اسی طرح صادقہ کو پہلے صاف صاف خواب دکھائی دیتے تھے۔ یعنی جو بات ہوئی جیسی کی تھی اُس کو خواب میں دکھائی دے گئی۔ وہی خواب ہی تعبیر لیکن آہستہ آہستہ اُس کے خواب پیچ دار ہوتے چلے جو بدون تعبیر کے ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتے تھے جیسے پہلی یا معنایا چیتاں۔ مثلاً گھر میں کسی کو تپانے کو ہوتی تو اُس نے خواب میں دیکھا۔ بخار چڑھا ہوا ہو۔ اور پڑے ہیں۔ پھر یوں دیکھنے لگی کہ دھوپ میں بیٹھے ہیں یا آگ سے تاپ رہے ہیں اور آخر آخر کو ایسا معلوم ہوا کہ آگے بچھی رکھی ہو اُس میں چار رنگ کے چاول ہیں مگر بے ہوئے۔ اکثر تو ایسا ہوتا تھا کہ صادقہ کو خواب ہی میں اُس کی تعبیر بھی معلوم ہو جاتی تھی۔ گویا تعبیر بھی جزو خواب تھی۔ اور کبھی خواب میں تعبیر معلوم نہ ہوئی تو اُس نے بیداری میں آپ تعبیر دے لی۔

ایک عجیب بات اور تھی کہ صادقہ بھی فریاشی خواب بھی دیکھتی تھی یعنی مثلاً ہم کو ایک بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو اور ہم نے اُس سے درخواست کی۔ جیسا کچھ معنی الہا ہوا صادقہ نے خواب میں دیکھ دیا۔ مگر یہ بات اس کے اختیار کی نہ تھی۔ بہتیری مرتبایا ہوا کہ صادقہ نے خواب دیکھنا چاہا اور پہلا یا بُرا کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ صادقہ نے سب تو نہیں مگر اپنے ضروری اور محرک کے خواب تعبیر سمیت روزنامہ کے طور پر ایک کتاب میں جمع کر لیے تھے۔ اور اتفاق سے وہ اہل روزنامہ ہم سے ہاتھ آگیا ہو۔ اور ہم اس کو لے دجی۔ معذہ چار رنگ کے چاول صفرا خون۔ بلغم سودا۔ جوار خلطیں۔ چاولوں کی بسنا۔ خلطوں کا فساد جس سے تپ آتی ہو۔

عن قریب چھپونے والے ہیں جب وہ روزنامہ شہر ہوگا تو قابل دید ہوگا نہایت مل چسپ
اُس روز نامچے میں ایک بڑی خوبی تو یہ ہو کہ کو دن سے کو دن اور غبی سے غبی اس کو پڑھ لے
اور الجھی ہوئی باتوں کو آسانی کے ساتھ سلجھانے لگے۔ اور اس میں تو ذرا سا بھی تامل نہیں کہ
صادقہ کا روزنامہ دیکھنے کے بعد اتنی بات تو چاروں چار تسلیم کرنی پڑتی ہو کہ اس جہان کے
علاوہ ایک عالم ارواح بھی ہو اور سوتے میں ہم کو اس کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہو۔ اور اگر ہم
اس میں مشق و مہارت پیدا کریں تو بہت سے اسرار قدرت نکشف ہوں۔ اور یہی معمولی
خواب جو ہم اکثر دیکھا کرتے ہیں اور کبھی ان کی پروا نہیں کرتے۔ ان میں سے ہر ایک میں
بڑے بڑے مطالب پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ہم کو ان کے دریافت کرنے کا سلیقہ نہیں۔

دوسری فصل

صادقہ کا ایک عجیب خواب

لیکن یہ باتیں روزنامچے کے ساتھ لکھنے کی ہیں۔ تاہم اس غرض سے کہ لوگوں کو صادقہ کے
خوابوں کی وقعت ہو جس کے وہ مستحق ہیں، مثال کے طور پر صرف ایک اقعہ بیان کیا جاتا ہو
کہ صادقہ کے ماموں الہ آباد کی طرف کہیں تحصیل دار تھے۔ کثیر العیال اور اس پر رحم دل
ادرنی ایسے کہ باوجود موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے ہمیشہ محتاج، روپیوں کے نہیں
پیسوں کے۔ تو وجہ کیا تھی کہ آفیس کے لگ بھگ تو ان کی تنخواہ مصارف خیر میں
چلی جاتی تھی۔ بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کی تنخواہیں جو مقرر تھیں سو قہیں۔ کتنے
غریبوں کے بچوں کی فیس دیتے۔ ان کے لئے کتابیں ہم ہینچاتے۔ اور ان کو مدرسوں میں
پڑھواتے۔ کبھی سنا نہیں کہ کوئی سائل ان کے یہاں سے محروم پھرا ہو۔ وہ ہمیشہ نئے

سائلوں اور مواقع خیرات کی تلاش میں رہتے۔ اور اُن کا خیال یہ تھا کہ انہیں معلوم کس کا دیا خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے۔ ساری عمر بیش قرار ماننے کی نوکریاں کیں۔ اور گھر میں دیکھو تو بیوی بیٹیوں کے کانوں میں چاندی کی بالیاں۔ تنگ موہری کے پاگلے۔ بچہ کی سادی جوتیاں۔ جس طرح بانگی سے اندج کے ڈھیر کا حال معلوم ہو جاتا ہو۔ اسی طرح ایک بات سے آدمی کا تمام طرز مزاج کھل پڑتا ہو۔ جو شخص اس وجہ کا سخی ہو محال عقل ہو کہ ظالم و مرتشی ہو تحصیل دار صاحب کا حال یہ تھا کہ اگر کسی سرکاری کام سے علاقہ پر جلتے۔ ایک چھٹی لکڑی کی قسم لگاس کا تنکا حرام۔ غرض علی کے لئے عذاب مصیبت تھے۔ رعایا کے حق میں خدا کی رحمت۔ سرکار کے معذرت۔ بیچارے کو مشکل یہ پیش تھی کہ قانون یاد نہیں ہوتا تھا۔ ہر برس امتحان میں جلتے اور ہر بار قیل ہوتے۔ کلکٹر مہلت دلو اتے دلو اتے تھک گئے۔ حکام بالا دست درگزر کرتے کرتے عاجز آگئے۔ ضلع اور کمشنری بلکہ بورڈ تک سے معافی امتحان کی رپورٹیں ہونیں۔ مگر اُن دنوں کی گورنمنٹ کچھ ایسی سخت گیر تھی کہ مطلقاً تسبیحی۔ گورنمنٹ اس بات پر تکی ہوئی تھی کہ کچھ بھی ہونے تعلیم یافتہ اختیار اور اعتبار کے عہدوں پر بھرتی ہوں۔ دیانت سہی، امانت سہی، راست بازی سہی، سرکار کی خیر خواہی سہی۔ پُرانے لوگ وہ روشن خیالی، ماہر لادری، رگ، وہ بے تعصبی، وہ معلومات کہاں سے لائیں گے جس کے بدو ن ملک اری ہو ہی نہیں سکتی خیر ع رموز مصلحت غولیش خسرواں دانند تحصیل دار صاحب کا یہ اخیر سال تھا کہ کیا امتحان پاس کریں یا نوکری سے بطف۔ بس یہاں تو منکر سے منکر کو بھی ماننا ہی پڑے گا کہ خدا ہو اور آڑے وقت پر آڑے آتا اور اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہو۔ امتحان میں بس یاد نہیں کوئی ایک ہفتہ باقی رہا ہو گا کہ صادقہ نے خواب دیکھا اور وہاں لموں صاحب کا وہی حال۔

کو رے سپاٹ۔ کارروائی اچھی مقدمات کی تجویز درست۔ کتابی سوال پوچھو تو سکوت۔ اور کچھ بتایا بھی تو ادھورا اور غلط۔ خدا جانے کس کی دعا لگی۔ کجا صادقہ اور کجا قانون کا امتحان۔ مگر ہاتھ غیبی تے خواب میں پورے کے پورے سوال بنائے۔ صادقہ نے صبح سویرے اٹھ سوالات لکھ جڑی کر اراموں پاس روانہ کیے۔ ہر چند تحصیل دار کی طبیعت کو قانونی مناسبت نہ تھی اور کسی قدر نسیان بھی تھا۔ مگر سوالات ایسے وقت پر پہنچے کہ تحصیل دار صاحب اطمینان کے ساتھ اُن کے جوابات پہنچ گئے۔ صادقہ کے خواب پر بھر دسا تو تھا۔ مگر تو بھی اندر سے دل ہلکے پکڑ کر رہا تھا۔ مجلس امتحان میں جا کر بیٹھے۔ تو ایک نقطے اور شوٹے کا بھی تو فرق نہ تھا۔ بڑی ناموری کے ساتھ پاس ہوئے تنخواہ اور اختیارات زیادہ ہوئے سوا لک۔

تیسری فصل

خواب دیکھنا صادقہ کے حق میں مضر ہوا

بے شک صادقہ میں حکمی خواب دیکھنے کی ایک خاص صفت تھی لیکن سوائے اس ایک خواب کے جو ہم نے ابھی بیان کیا اور ایک خواب جس کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اُس نے کبھی کوئی بکار آمد خواب نہ دیکھا۔ اُس کو آئندہ کے واقعات دکھائی دیتے تھے۔ مگر تنہا ہی فرق تھا کہ اور لوگوں کو وقوع کے بعد خبر ہوتی تھی اور اس کو ذرا پہلے۔ ایک عالم غیب کی ٹوہ کے پیچھے پڑا ہوا اور اسی بنیاد پر نجوم اور رمل اور جفر اور فال اور شگون اور کیا اور کیا، کتنے پاکھنڈ دُنیا میں چل پڑے ہیں۔ لیکن جب ہم واقعات اور اُن کے نتیجوں کو روکنہیں سکتے تو پہلے سے جان لینا اگر ہو بھی تو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ اور یہی سبب ہے کہ خدا نے کسی بندے کو غیب کا علم نہیں دیا کیوں کہ سب باتیں اُس نے اپنے قبضہ قدرت میں

رکھی ہیں۔ اور کسی کو اس قدرت میں شریک کرنا چاہا نہیں تو بڑا علم بے قدرت کس کام کا تھا۔
 صادقہ کے خواب بھی اسی قبیل سے تھے۔ اگر اس نے کوئی اچھا خواب دیکھا تو صلی اور عین
 خوشی کے مقابلے میں اُس کی خوشی بہت ہوتی ہوگی تو جیسے عید سے پہلے عرفہ۔ اور اگر بُرا
 دکھائی دیا تو وہی کہاوت ہوئی کہ قبل از مرگ داویلا۔ صادقہ کو ہم نے کبھی اس کی شیخی مانتے
 بھی نہ دیکھا اور کچھ کام کی بات ہوتی تو اُس پر ناز ہوتا پر ہوتا۔ بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ صادقہ
 اپنی اس حالت سے دل میں خوش نہ تھی، گو اُس نے ناخوشی کبھی ظاہر نہیں کی۔ اول تو لوگوں کی
 فرمائشیں اُس کو پریشان کیے رہتی تھیں۔ کوئی بندہ بشر ایسا نہیں جس کو واقعات آئندہ کے
 دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہو، یا واقعات آئندہ کے دریافت کرنے کا اُس کو شوق نہ ہو۔
 جو سنتا ایک فرمائش لے دوڑتا۔ اور فرمائشی خواب کا دیکھنا صادقہ کے اختیار میں نہ تھا
 اکثر ایسا ہوا کہ کسی خاص معاملے میں اُس نے خواب دیکھنا چاہا۔ اور ہر چند کہ شش کی
 بُرا بھلا کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ تو جن لوگوں کی کار براری نہ ہوتی ناخق ناراض ہوتے اور
 صادقہ پر بے توجہی یا اخفائے حال کی بدگمانیاں کرتے جس سے صادقہ کو ایذا ہوتی۔
 اور ایذا کی بات بھی تھی۔

سب سے بڑا نقصان جو صادقہ کو اپنے خوابوں کی بدولت پہنچا یہ تھا کہ لوگ اُس کی نسبت
 خیال کرنے لگے کہ اس کے سر پر کچھ ہو۔ ایک طور پر اُس کا ادب کرتے اور اُس کو وقعت کی
 نظر سے دیکھتے۔ مگر دل ہی دل میں ڈرتے بھی تھے کہ خدا جانے کیا اسرار ہو اور آئندہ چل کر
 کیا گل کہلے۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ صادقہ اکیس بائیس برس کی ہوگئی اور کہیں سے اُس کے
 بیابہ نکاح کا پیام سلام کیسا، مذکور تک بھی تو نہ آیا۔ کئی برس تک اُس کی ماں اس پر ڈری
 بیٹھی رہی کہ بڑی آگے سے اٹھ لے گی تو چھوٹیوں کا ٹھکانا کروں گی۔ بڑی کے آگے

چھوٹیوں کو یہ ہے جانے کا کیا حق ہو۔ بڑی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ تو چھوٹیوں کے لیے میں سو دفعہ کسی کو نہیں پوچھتی۔ یہی نہ کہ تینوں میرے گھٹنے سے لگی لگی بوڑھی ہو جائیں۔ ہلاے۔ خدا نہ کرے میرے یہاں کاہے کی کمی ہو۔ پہلے یہ تینوں اور پیچھے ہم سب۔ مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں اور تینوں ہی میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ بڑی کو بیٹھا رہنے دوں اور چھوٹیوں کے گھر بسا دوں تو بڑی دل میں کیا کہے گی۔ اور پھر تو بڑی کی بات کہیں ہی بھی ہو تو نہ ہو لوگوں کے دل میں دل نہیں ڈالنا جاتا۔ خدا رکھے دوہیں اور بھی ہیں مگر بڑی بڑی ہی ہو صورت شکل میں دونوں سے میں۔ خانہ داری کا سلیقہ ماشاء اللہ ایسا کہ گھر کی یہ ساری رونق صادقہ ہی کے دم سے ہو۔ پڑھی لکھی ہو شیار ذہن کی تیز اور کتنی بڑی خوبی جو ہر کار کچھ آج کل کے مردوں کی قسمت ہی پہنچی ہو۔ ورنہ اس کے گنتوں کو دیکھیں تو ہزاروں اس کے خریدار ہوں۔ اور جب اس کی قسمت کھلے گی تو جس کے پلے بندھے گی وہ زندگی کا مزہ بھی پائے گا اور کہے گا کہ ہاں بیوی ہو تو ایسی ہو۔ رہی خواہوں کی بات سوا دل تو مدتوں سے اُن میں بہت ہی کمی ہو گئی ہو۔ اور عجب نہیں سیل ہے سے اتنی بھی نہ رہے لیکن کسی کا حرج ہی کیا ہو۔ بلکہ قدر کرنے والا ہو تو سو ہر ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف۔ بیوی کی بیوی اور نجومی کی نجومی۔ آج لوگ کیسے کیسے جتن کرتے ہیں کہ آگے کا کچھ حال معلوم ہو اور اٹکل کے ٹکٹوں کے سوائے کچھ حاصل نہ حصول۔ اور میری صادقہ تو جو کہتی ہو گویا لوح محفوظ سے دیکھ کر کہتی ہو۔ اس کی بات نہ کبھی جھوٹی ہوئی اور نہ کبھی جھوٹی ہو لیکن حق ناحق جو لوگ شبہ کریں اور خلل آسیب قرار دیں اس کا کیا جواب۔ بس صبر اور شکر الہی۔ جو ایسا شبہ کریں اُن کو، اُن کے چہنیتوں کو، اُن کے پیاروں کو، اور اُن کے رہنے سہنتوں کو میری صادقہ کو اللہ رسول کی امان، اللہ رسول کا سایہ ۛ

یہ تھے عیالات صادقہ کی ماں کے جو ایک ماں کو ہونے چاہئیں لیکن وہ لوگوں کی عام رائے کا اگرچہ وہ رائے غلط تھی مقابلہ کر نہیں سکتی تھی۔ حال یہ تھا کہ چھوٹی بیٹیوں کے لئے پیام پر پیام ہر قسم پر تھے چلے آتے تھے اور صادقہ کے لئے مونہ پھوڑ کر کہا بھی جاتا تھا تو بھی کوئی ہامی نہیں بھرتا تھا۔ لحاظ کے مارے کسی نے مونہ سے نہ کہا مگر وہ چپ کھانا بھی کہے داخل تھا۔ آخر کپے کے لوگوں نے سمجھا یا کہ اس کے کرم میں برہی نہ لکھا ہوگا تو کیا کر لوگی۔ ایک کی خاطر دو کی منزل کھوئی کرنی۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہو۔ اور فرض کرو زبردستی سر پڑ کر کیا بھی اور خدا کو اس کا گھر بسانا منظور نہ ہوا تو بہ اپنی اپنی تقدیر اپنا اپنا نصیب۔ ایک ماں کے پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں دسوں کی دس صورتیں اور دس طرح کی قسمت۔ رہا بیٹیوں کا بھانا۔ سو یہ باقی بادشاہوں سے نہیں باندھے گئے۔ بیٹیاں پر یا دمن ہیں۔ اور سدا سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ ان کو یا لوپو سوار اور آخر کار جس کی امانت ہو اس کے حوالے کرو۔ تو تم یہ ضد چھوڑ دو۔ بندے کا کیا حوصلہ کہ خدا سے لڑے۔ چھوٹیوں کو ٹھکانے لگنے دو بڑی کا بھی خدا مالک ہو۔ جب اس کا وقت آئے گا۔ اور اس کے نصیب کھلیں گے۔ عین سب کوئی اس کا بھی خریدار پیدا ہو جائے گا۔ اگے کو رستہ تو ہو۔ دوہرے دوہرے سدھیا نے ہوں گے چار کے کان آواز پڑے گی۔ ایسا بھی کیا ہو کہ کوئی اس کا خواہاں نہ ہو۔

غرض برس کے اندر ہی اندر دونوں چھوٹی بہنیں بیاباں جا کر دو دو تین تین بچوں کی مائیں ہو گئیں۔ اور بچاری صادقہ ہو کہ کوئی اس پر ہاتھ نہیں کھتا۔ گویا بیاباں جانے کے لئے خدا نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا۔ یوں تو بیٹی والوں کو بہتری ہی جلدی ہوتی ہو۔ اور نہ کیوں ہو دیر لگی اور لڑکی کھائی میں پڑی۔ لیکن لحاظ کے مارے، اور کچھ اس خیال سے بھی کہ خدا جانے

کوئی کیا گمان کرے، یہ لوگ گھبراہٹ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے نہ ان کی طرف سے ابتدا ہوتی اور نہ اس قدر جلد رضا مند ہو جاتے کہ بس قنطریہ بیٹھتے تھے لیکن صادقہ کے لیے تو خود حاجی بھی اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ اس پر بھی کوئی نہیں جھٹا تھا اور بس وہی ایک ٹاہنہ کہ اس کے سر پر کچھ ہے جب صادقہ کی ماں کے کان میں یہ بھنگ پڑی تو اس نے صادقہ کو بڑا قذغن کر دیا تھا کہ خیر در جو خواب کا نام بیا ہو گا۔ اور اس کے بعد سے اگر کوئی کچھ بچھے یا تو اُس کو بھی ترش روئی سے کہہ کہہ دیا کہ ”لوگو کب کھیل لگایا جاوے ایسا ہی غیب دانی کا شوق ہو تو نجومیوں پاس جاؤ۔ پنڈتوں سے پترا کھلو اور مولوی مالے سے فال نکلو اور اس بے چاری کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ اب یہ گھر کا کام کاج کرے یا تنہا رہی بیگار بھگتے۔“ پس اگرچہ کئی کئی برس خوابوں کا چرچا بند تھا۔ مگر ٹاٹنے والے تازہ گئے تھے۔ اور صادقہ کی نسبت لوگوں کا وہ عام خیال کہ اُس کے سر پر کچھ ہے نہ مٹا رہا۔ اور نہ صادقہ کی ماں نے اُس پر خوابوں کی بندی کر رکھی تھی۔ اور اور دھرم دور رو نہیں اُس کی سہیلیوں اور سچولیوں اور میل ملاپ والیوں کی معرفت تھا تو تھا کہ جس طرح ہو سکے اپنے بیاہ کے بارے میں کوئی خواب دیکھے۔ صادقہ عجب مصیبت میں گرفتار تھی خواب کا دیکھنا اس کے اختیار میں نہیں۔ جھوٹ ٹوٹ دل سے بنا کر کہے یہ اس کی عادت نہیں۔ ایسی کیا بات ہو کہ صادقہ کو اپنے بیٹے جاکے ملا ل نہ ہو۔ وہ دیکھتی تھی کہ گھر میں رات دن اسی کا مذکور ہے۔ اور ہر شخص اپنی جگہ افسردہ ہو۔ ممکن نہیں کہ اُس پر اس کا اثر نہ پڑتا ہو۔ گنبد اور محلہ تو بجائے خود اُس نے اپنے ہی گھر میں اپنے سے چھوٹی اور اپنے سے بڑی ایک چھوڑ دودھنوں کو بیاہے جانے اور بچے کھلاتے دیکھا۔ تھی تو وہ بھی آدمی ہی کا بچہ۔ کیوں نہ خیال آتا۔ ہو گا۔ مگر اُس کی کسی اداسے کبھی یہ بات ظاہر نہیں ہونے پائی کہ اس کو کواری بیٹھ رہنے کا اتنا بھی رنج ہی جتنی اُرد پر سفیدی۔

وہ اپنی بہنوں کی شادی بیاہ چھٹی وغیرہ تقریبات میں ایسی خوش دلی سے شریک ہوتی کہ کواری عورت کے لیے بلکہ کسی قدر نامناسب ساتھ اس نے ماں سے لڑائی کرنا زیادہ ازواج بہنوں کے حقوق دلوئے۔ اور اتنا ماں کو بیاہی ہوئی بیٹیوں کا خیال نہ تھا جتنا کلاس کو بہنوں کا۔

چوتھی فصل

صادقہ کا انتظام خانہ داری

وہ جو کہتے ہیں کہ نا اُسیدی میں بھی ایک طرح کی راحت ہو بس وہی حال صادقہ کا تھا۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ اب میری عمر آتی اور میں کواری ہی زندگی بسر کروں گی اور کواری عورتوں کی۔ اور وہ ایسی زندگی کے لیے بالکل طیار تھی۔ ہمارے ملک میں لڑکیاں ایسی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دی جاتی ہیں کہ اُن کو خانہ داری کے لیے طیار کر کے کی کافی مہلت نہیں ملتی۔ صادقہ کو بڑی مہلت ملی۔ مگر اس کو خانہ داری کی طرف سے بالکل نا اُسیدی تھی۔ تاہم اُس نے ان لیاقتوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا جو ایک شریف بی بی اور لائق ماں میں ہونی ضرور ہیں۔ اس نے ماں کے گھر کو اپنا گھر اور چھوٹے بھائی بہنوں کو اپنے بچے سمجھ کر خانہ داری کے سبب نشیب فراز نظر میں کر لیے۔ جو باتیں سینہ بسینہ سکھائی جاتی ہیں اُن کے علاوہ اُس کی علمی لیاقت اس وجہ سے تھی کہ ایسا ویسا مروت اس کی جوڑ کا نہ تھا۔ وہ تو خدا کو پردہ ڈھکا رکھنا تھا کہ بیٹھے بٹھائے لوگوں کو اس پر آسیب کا اشتباہ ہو گیا ورنہ کتنوں اس نے یہ کہہ کر حیا دیا ہونا کہ میں ان کے قابل نہیں۔

گھر والے اور لوگ رچا کر گئے ہوئے میں آدمی صبح ہمیں آدمی شام کھانے والے، اور یہ ہنگامہ سماں اور اہلی زندگی اور کلہم سورویہ جینے کی آمدنی۔ اسی میں شادی اسی میں غمی۔

اسی میں تیر تہو بار اور اسی میں آیا گیا بھی۔ کسی دوسرے کے ہاتھ میں یہ تنظیم ہوتا تو نہیں معلوم کتنی دفعہ دیوالا نکلا ہوتا مگر وہ تو صادقہ ہی سری کی خوش سلیقہ تھی کہ ہر چیز سے امیری کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ بال بچوں کا گھرا دراپ ستھر ادا جانے کیا کمال تھا اور نوکروں اور بچوں کو کیسا سدھایا تھا ہر ایک نے الان میں بھر لوچا نہ دینی بھی ہوئی صدر مقام پر جاڑا ہوا تو قالین اور گرمی ہوئی تو سوزنی سوننی پر گاؤ تکیہ۔ ایک پہلو میں بٹاری دو ستریں صند وچہ سے اسنے اگال دان اگال دان پر تہ کیا ہوا اُجلار و مال۔ دالان کی دونوں طرف دونو اڑی پلنگ۔ دونوں پر سفید چادریں کسی ہوئیں نہ جھول نہ سلوٹ۔ سمر ہانے کے بجائے الگ۔ بجلی الگ۔ پانی کو موسم کے مطابق چادر یا دولائی۔ اوپر پلنگ پوش۔

باورچی خانہ ہم نے صاف دیکھا تو صادقہ کے گھر کا کہ اگرچہ لکھے نہ ہوں تو کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ باورچی خانہ ہے۔ گھر کی صفائی دیکھ کر خیال گزرتا تھا کہ کیا ہر وقت ایسا آدمی چھاڑو لئے کھڑا رہتا ہو کہ کہیں تنکے کا نام نہیں۔ کوٹھڑیوں میں گھس گھس کر دیکھا تو بلا مبالغہایا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک کوٹھڑی بجائے خود دکان ہے۔ اور اس میں بیچنے کے لئے سبب سجایا گیا ہے۔ پانی کے مشکوں کی بھی کچھ آہں ہوا باوجودیکہ برسوں دن رمضان کے رمضان بدے جاتے تھے۔ مگر جب جس کے جی میں آئے جا کر دیکھ لے ایسے معلوم ہوں گے کہ کورے منگوا کر رکھے ہیں۔ سبب یہ کہ دونوں وقت اندر باہر سے مانجھے اور رگرٹے جاتے ہیں اور کافی یا گرو جسنے نہیں پاتی۔

ہم کو بڑی ہی حیرت ہوئی تھی کہ سو روپے میں ایسا گھر کیوں کر چلتا ہو گا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ خانہ داری میں اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اور ان ہی میں بہت خرچ بیٹھتا ہے مثلاً بچوں کا ناشتہ اور بازار کا سودا سلف۔

شہر میں رہ کر بازار کے سودے سلف کی قسم تو کھائی نہیں جاتی۔ مگر ہاں صادقہ اس اہتمام میں ضرور لگی رہتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے کسی کو اس کی چاٹ نہ پڑنے پائے۔ یہ نہیں کہ وہ بچوں کو ترسلی تھی، بلکہ ہر قسم کی خانہ ساز چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں اور وہ یقیناً بازاری چیزوں سے زیادہ لطیف اور مزہ دار ہوتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ رات کا سچا ہوا باسی کہا نا کسی کو نہیں بھاتا اور اکثر اس کا مزہ بھی اُتر جاتا تھا اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ چارہ و ناچار بازاری چیزیں منگوانی پڑتی ہیں۔ لیکن اول تو صادقہ کا اندازہ ایسا ٹھیک تھا کہ اگر کبھی کبار کچھ بچا بھی تو اب کلاس کو بچنا نہیں کہتے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ نہ باسی بچے نہ کتا کھائے۔ دوسرے اور گھروں میں بس دو وقت کے کھانے کو ضروری سمجھا جاتا اور اسی کا اہتمام ہوتا ہے۔ صادقہ کھانے سے بڑھ کر تازہ ناشتے کا اہتمام رکھتی تھی نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھول کر بھی بازار کے سودے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اور اگر ابھی کیا تو کوئی چاؤ سے کھانا نہ تھا۔ اور یوں مہینے کے مہینے ایک بڑی رقم پس انداز ہوتی تھی۔

زنانے کپڑوں میں وہ کچھ ایسا زیادہ کتر بیوت کر نہ سکی۔ بڑبڑاتی جاتی تھی۔ مگر بنانے ہی پڑتے تھے۔ لیکن مردانے کپڑوں میں اُس نے اب اتصرف کیا کلاس مد میں رویوں کی جگہ آنوں کا خرچ رہ گیا تھا۔ اُس کو اس کی بڑی چڑھتی کہ مرد اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو مہین کپڑے پہنے یا عورتوں کی طرح گونا گونا گھٹیا لگائے کچھ ایسی ٹپی بڑا رکھی تھی کہ آٹھ برس کے لڑکے کی کیا باطوہ اپنے کسی ہم عمر کو کام دار جوتی پہنے دیکھ کر ہنستا تھا۔ پس مرد کے کپڑے قیمتی ہوتے تھے مگر سادہ اور چلاؤ۔ لباس کے بائے میں چاہو اس کو فضول خرچی سمجھ لو کہ ایسے گھر میں دھوبی کو بہت اُڑ کر ملتا تو سواروپہ ڈیڑھ روپیہ۔ صادقہ چار روپیہ مہینا دیتی تھی۔ مگر ان کے یہاں کے اُترے ہوئے کپڑے دوسروں کے

تازہ تہ دار دھلے ہوئے کپڑوں سے بہتر ہوتے تھے اور پھر جینے میں چھ چھ سات سات سات دھلائیلا
 جب کہ ہمارے یہاں کیا سائے شہر میں جینے کی ایک دھلائی کا پٹنا پڑا رہتا ہے۔ ایک خاص بات
 صادقہ کے یہاں ہم نے اور بھی دیکھی کہ اندر بابر ملا کر پانچ نوکر تھے مگر اُن کے کام اس طرح پر
 بیٹھے ہوئے تھے کہ نہ کسی کو کثرت کار کی شکایت اور نہ اتنی فرصت کہ حدیثوں کی طرح پڑے
 اینٹ لگائیں۔ اور اس کی بڑی سخت تاکید کہ کوئی دوسرے کے کام میں ہاتھ نہ لگائے۔ اس سے
 ہوتا کیا تھا کہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری معلوم رہتی تھی اور جب کوئی کام بگڑتا تھا ایک شخص
 خاص کو اُس کی جواب دہی کرنی پڑتی تھی۔ یہ نہیں کہ اتنا کو خالی بیٹھے دیکھ کر اُس کے آگے
 سلامی ڈال دی۔ سینے والی سے اُٹا گندھوا لیا۔ پکانے والی کو کسی کی خیر صلاح کی خبر بھیج دیا
 اپنے کرنے کا کام نہ ہو تو خالی بیٹھی رہو۔ مگر دوسرے کے کام میں دخل نہ دو۔ دیر ہو تو تمھاری
 بلا سے اور بگڑے تو تمھارے صدقے سے۔ اس ربط و ضبط کی قدر کوئی اُن کے دل سے لچھے
 جو گھر کا انتظام اُٹھائے ہوئے ہیں۔

یہ ہر ایک مختصر نمونہ صادقہ کی کارروائی کا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس عقل
 اور سلیقے کی عورت تھی۔ ہائے افسوس ایسی دانشمند ایسی زیرک، ایسی منظم، ایسی لائق، صورت کی
 اچھی ماسیرت کی عمدہ، اور وہ بانیس برس کی عمر تک صرف اس وجہ سے کواری بیٹھی ہے کہ سچا
 خواب دیکھتی تھی اور لوگ ناحق ناروا شبہ کرتے تھے کہ اس کے سر پر کچھ ہے لیکن خدا کا کوئی فعل
 مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسان اپنے تصور عقل کی وجہ سے اُن مصلحتوں کو اکثر نہیں
 سمجھتا اور موند سے نہ بھی کہے تو دل میں ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناراض ہونے کا کوئی جو تین
 ہم خیال کرتے ہیں کہ یہی حال رہا ہو گا صادقہ کا اور اس کی بہتری چاہنے والوں کا لیکن بعد
 منکشف ہوا کہ وہ اس غرض سے بٹھائی گئی تھی کہ روز ازل میں اس کا جو ایسے شخص ساتھ رہا تھا

کہ معمولی طور کی عورت نہ اُس کو خوش رکھ سکتی اور نہ آپ خوش رہتی۔

پانچویں فصل

بیابان کے بارے میں صادقہ کے خیالات

ناظرین کی خدمت میں اس شخص کی تقریب کرنے سے پہلے ہم ایک گفتگو نقل کرتے ہیں۔ جو صادقہ اور اس کی پرانی بچپن کی سہیلی ہمرائزنگم میں ہوئی تھی کہ اُس سے بیابان کے بارے میں صادقہ کے خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ دونوں میں رشتہ ناطہ کچھ نہ تھا۔ مگر ہمسائیگی، ہم عمری اور ہم مکتبی کی وجہ سے ایسا خلا ملا تھا کہ دو سہیلیوں میں کہیں ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا۔ خدا جلنے کس نے بیان کیا تھا کہ دونوں نے ایک ساتھ کاسونا اُس دن چھوڑا جب ہمرائز بیابان جا کر بدراہوئی۔ اور تب ہی سے صادقہ ہمرائز سے ذرا کھینچے بھی لگی تھی۔ کیوں کہ کواری لڑکی کا بیابان ہوئی لڑکیوں سے بہت میل جول رکھنا ذرا بد نما بھی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن صادقہ کی رکاوٹ پر ہمرائز کا یہ حال تھا کہ سُسرال سے ہر روز بلاناغہ خیر صلاح کے لئے آدمی بھیجتی اور میکے آتی تو پہلے سیدھی صادقہ کے پاس آتی۔ اور سُسرال جاتی تو سب سے اخیر اُس سے مل کر جاتی اور باوجودے کہ ماں بہتیرا رکستی لڑکی رہتی تھی کہ دیکھو ایسا نہ ہو سُسرال سے کوئی آدمی آنکھلے۔ ہمرائز کا کیا گنتی بنائیں، ایک پالو اپنے گھر ہوتا تھا اور دوسرا صادقہ کے یہاں۔

شرع شرع میں تو یہی کیفیت رہی۔ مگر دنیا کی کسی چیز کو بھی قیام نہیں، جوں جوں ہمرائز بال بچوں کے بکھرے میں بھٹتی گئی پیارا خلاص میں نہیں مگر باں تباک میں کمی آتی گئی۔ یوں تو صادقہ کے بیابان کی طرف سے ماں کو ہر وقت تردد ہی تردد رہتا تھا مگر جب لوگوں نے یہ صلاح دینی شرع کی کہ بڑی کے بیابان کا انتظار نہ کر کے چھوٹی لڑکیوں کو بیابان دو تب سے تو

حقیقت میں ماں کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رات دن اسی کی دُشمن تھی۔ جہاں اُس نے اور تدبیریں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہمارا کو بلا کر کہا کہ میں تو نہیں کہہ سکتی تم اپنے طور پر صادقہ سے کہو کہ ”پنہ باسے میں کوئی خواب دیکھے۔ اور عجب نہیں دیکھا ہوا اور حیا طبع کے مانے نہ کہتی ہو تم اس کی ٹوہ لو“

ہم راز نے صادقہ کو الگ دالان میں لے جا کر باہر کی چٹنبیں چھوڑ دیں۔ صادقہ اس بلا کو ذہین تھی کہ اتنی ہی بات سے سمجھ گئی۔ باسے جب دونوں ایک جگہ بیٹھیں تو صادقہ ہی نے بات نکالی کہ اب کے تو تم سسرال میں خوب حبس معلوم ہوتا ہو کہ اب ہم لوگوں کی اگلی سی چاہت نہیں ہے۔

ہم راز ”جھ کو تو سسرال میں ایک ایک دن دوپہر پر کیا کروں پرانے بس میں ہوں سننے کا ایسا ہلکا خون ہو کہ آئے دن بیمار رہتا ہو۔ اور اب کے تو دشمنوں کی کچھ بھی آس نہ تھی ایسے روز کا مغلی دُکھ ہوا تھا کہ بارہ دن کھڑی ماری رات لینے بیٹھے ہے۔ باسے اب برسوں سے ہوشیار ہوا تویں زیرک سی نکل بھاگی۔ اماں جان تو اب بھی راضی نہ تھیں اور وہ بچہ سے راضی ہی کب ہوتی ہے ہاں تم اپنی تو کہو“

صادقہ ”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ہماری تو وہی کہوت ہے نہ سادہ سچکھے نہ بھادوں ہے۔ جیسے کل تھے ویسے آج ہیں۔ تمہارے سننے کو میں نے خواب میں بیمار دیکھا تھا مگر انجام بخیر تھلا بلکہ تمہاری اماں ایک دن گھرائی گھرائی آئیں تھیں اور میں نے اُن سے کہہ بھی دیا تھا۔ اور خبر تو میں روز ہی پوچھ لیا کرتی تھی۔ اور تم جانتی ہو میرے آنے کا کوئی موقع نہ تھا“

ماہم راز ”ہاں اماں نے تمہارے خواب کا حال کہلا بھیجا تب تو میرے دم میں دم آیا۔ درنہ تو دن دانہ موتہ میں گیا ہو تو حرام خیر ہمارے لیے تو تم نے بہتیرے خواب دیکھے۔ یہ تو بتاؤ اپنے لیے بھی

کچھ دیکھایا نہیں؟

صادقہ ”میں اپنے لیے کیا دیکھتی؟“

ہمراز ”جس طرح میرے بیاہ سے پہلے مجھ کو دلہن بنا ہوا دیکھا تھا۔ کبھی اپنے تئیں بھی دیکھایا نہیں؟“

صادقہ ”ہمراز تم اب بیاہی جا چکی ہو۔ اللہ رکھے تمھارے آگے بچے ہیں۔ تم کو مجھ سے ایسی باتیں کرنی نہیں چاہئیں۔“

ہمراز ”میکوں؟ کیا بیاہ جانے سے مجھ کو کچھ اور بھاگ لگ گئے ہیں؟ میں ہی ہمراز ہوں جس کے ساتھ پہرہ دل تم اس قسم کی باتیں کیا کرتی تھیں۔“

صادقہ ”بے شک ہی ہمراز ہو۔ مگر میری تمھاری حالت میں اب بڑا فرق ہو۔ شاید لوگ میرا تمھارا بہت گاڑھا ربط و ضبط اب پسند نہیں کرتے۔ تمھارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ مگر مجھ کو مونہ پر نہیں تو پیٹھ پیچھے کئی چھتسی ضرور کہیں گے۔“

ہمراز ”اسی خیال سے میں نے چلمیں چھوڑ دی ہیں کہ کوئی سنے نہیں۔“

صادقہ ”بورہمی اماں ہو کر تم نے اتنی ہی غفلت کیھی۔ کوئی شہدہ زکریا تو کرے۔“

ہمراز ”میں تمھاری اماں کے اشاء سے آئی ہوں انہوں نے مجھ کو تمھارے پاس اسی غرض سے بھیجا ہو۔“

صادقہ ”نہیں معلوم اماں کو کاہے کی گھبراہٹ ہو۔ یہ میں جانتی ہوں کہ میرا روٹی کپڑا ان پر بھاری نہیں اور ساری اولاد میں مجھ کو جانتی بھی بہت ہیں۔ اور میں جلی جھولنے کوئی ان کا ہاتھ بٹلنے والا نہیں۔ تو کیا میری کسی بات سے ان کو تقاضا معلوم ہوا۔“

ہمراز ”ہزار تقاضوں کا تقاضا تو تم خود ہو۔“

صاوقہؒ: ”خواہ خواہ بھی ۹ اور جو مجھ کو منظور ہی نہ ہو ۹
ہمرازمؒ گیا تم انوکھی عورت ہو کہ ساری عمر کواری ٹیٹھی رہو گی۔ اور کوئی تم کو بٹھا بھی رکھے گا۔
اور تم کو انکار ہو تو مونہ سے پھوٹیں کیوں نہیں کہ لوگ اپنا سُبُتِا کریں۔“

صاوقہؒ: ”بات یہ ہو کہ اول تو یہ ایسا مشکل معاملہ ہو کہ اطمینان کے ساتھ کوئی سائے قائم نہیں کر سکتی
دوسرے اب میرے انکار کی بھی کیا سند ہو میں انکار کرتی تو اُس وقت کرتی جب انکار کرنے کا
موقع تھا۔ اب وہ موقع تو نکل گیا۔ انکار کروں تو میری وہی کہادت ہو جو کسی کتاب میں
میری نظر سے گزری ہو کہ ایک لومڑی چلتے پھرتے کسی باغ میں جا نکلی۔ دیکھا کہ انگور خوب
پھلے ہیں اور کوئی رکھوالا نہیں۔ ٹیٹھوں کے نلے پہنچی تو معلوم ہوا کہ انگور تولدے پڑے ہیں
مگر اچھے بہت ہیں۔ اُچھلی کودی اور بہتیرے جتن کیے۔ انگور ہاتھ نہ آئے۔ ناچار صبر کر کے
چلتی ہوئی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتی جاتی تھی کہ خیر کم نجات تھے بھی کھٹے۔“

ہمرازمؒ: ”اُس سے تو معلوم ہوتا ہو کہ تم بیابان جانے سے ناراض ہو۔“

صاوقہؒ: ”اگر ناراض نہیں تو راضی بھی نہیں۔“

ہمرازمؒ: ”لیکن ہم تم میں جو مذکور رہا کرتے تھے وہ بھی یاد ہیں؟ تب تو تم کہا کرتی تھیں کہ میں
بیاباں جاؤں گی تو یہ کروں گی اور وہ کروں گی۔“

صاوقہؒ: ”آدنی کے خیالات کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمہاری طرح مجھ کو
دُہن بننے کی خوشی تھی۔ اور میرے نزدیک بیاباں کا نام تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو عہدہ
کپڑے بدلے۔ گہنا پہنا۔ بنائے سنوارے گئے۔ دان جنیر لیا۔ سُسرال سے چڑھاوے کا آیا۔
کچھ رونمائی میں ملا۔ سُسرال جلتے ہیں تو وہاں غاطر مدارات۔ میکے آتے ہیں تو یہاں جو چلے۔
پھر جوں جوں عمر زیادہ ہوتی گئی اور اپنی پنچ کی سمجھ آئی۔ بہت کچھ کتابوں میں پڑھا اور کسی قدر

اپنی دیکھ بھال سے دریافت کیا تو بیاہ کے نام سے میرا کچھ تھہر تھہر کا پٹنے لگتا ہوا اور اندر سے جی ہی چاہتا ہوا کمر بھڑی طرح بیٹھی رہوں۔“

ہمرازؒ سچ کہا ہو بہت سیان پت بھی آدمی کو خراب کرتی ہو سب تمھاری ہی طرح سوچا کریں تو دنیا کا ہے کو ایسے آخر سب بیاہ ہی جلتے ہیں۔“

صادقہؒ۔ ”یہ ہے توجانے ہیں مگر ایک گھر کا تو نشان دو جہاں جوتیوں میں ڈال نہ بنتی ہوا اور تم اپنے ہی تئیں کیوں نہیں دیکھتیں۔ باوجودے کہ تم کو خوش قسمتی سے میاں بھی ایسے ملے ہیں کہ ہزاروں میں ایک۔ پڑھے، لکھے، لائق، حسب نسبت درست، اور سب بڑی بات یہ ہو کہ نوکر اور نوکری بھی معقول اور پھر نہ تم خوش اور تمھاری ہی کہن ہو کہ وہ بھی تم سے خوش نہیں اور ابھی کئے آدمی کئے پیر شدی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔“

ہمرازؒ۔ ”ہمارے یہاں تو یہ ایک بڑا ابل آکر پڑا ہو کہ گھر گھر ساس ننڈیں ہیں لیکن ایسی خورتو کہیں بھی نہ ہوں گی جیسی میری۔ ان کورات دن میری بدیاں رونے کے سوائے اور کچھ کام ہی نہیں۔ وہ اپنی ذات سے ایسے بُرے نہیں مگر انہوں نے لگا لگا کے لگا لگا کے خرمجھ کو اُن کی نظروں سے گرا دیا۔ اور اب بھی تو صبر نہیں۔“

صادقہؒ۔ ”کیا تم سے کچھ سختی کرتے ہیں؟“

ہمرازؒ۔ ”نہیں۔ خدا نہ کرے سختی تو نہیں کرتے۔ مگر میری طرف اُن کا رخ نہیں کبھی بضرورت ایک آدمی بات کر لی ورنہ کوئی پہچان نہیں سکتا کہ یہ میاں بیوی ہیں۔“

صادقہؒ۔ ”کیا ہوا بعض آدمی کم سخن بھی ہوتے ہیں۔“

ہمرازؒ۔ ”اے ہے ہی تو غضب ہوا بڑے باتوئی، بڑے خوش مزاج۔ مگر مجھ سے نہیں اور سب

لے ہمارے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا کیوں کہ ہندوستان میں بی بی شوہر کا نام نہیں لیا کرتی۔

ایک ہمارے رشتے کی خالہ ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر سے دیوار پہنچ اُن کا گھر ہو، ہم نے تو اُن کو بھی کے دیکھا خدا جانے کتنے برسوں میں حج کر کے آئی ہیں۔ اور بغداد اور بیت المقدس اور نہیں معلوم کہاں کہاں گئی تھیں۔ اُن کو بلا بلا بھیجتے ہیں اور پیروں اُن سے ادھر ادھر کے حالات پوچھا کرتے ہیں۔ یا ہمارے ماموں زاد بھائی میاں آگاہ جب کبھی آ سکتے ہیں تو پھر انہوں کی باتیں سُنو۔ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ میں اخبار ہوتا ہو اور رُوم اور رُوس اور خدا تمہارا بھلا کرے کابل اور کون کون ملکوں کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں۔ میں تو کچھ سمجھتی پوچھتی نہیں۔ مگر نہ تو اُن کا جی اُٹھے کو چاہتا ہو اور نہ یہ اُن کا پنڈ چھوڑتے ہیں تو کیوں کہ کہوں کہ کم سخن ہیں۔“

صادقہ لم کو پہنچ تو گئی مگر ہمارے دل شکنی کے خیال سے کچھ نہ کہہ سکی اور پوچھا تو یہ پوچھا کہ تم نے کبھی موقع پا کر اپنے میاں سے اس کا سبب بھی دریافت کیا ؟

ہمراز ایک بار بیسیوں دفعہ جب پوچھا ہی کہہ کہہ دیا میں جس دنیا میں ہوں تم کو اُس کی ہوا ہی نہیں لگی اور کھانے پینے کی باتوں سے میرا جی اُجھٹا ہو کیوں کہ یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں نہ ان میں نہجہ کو درک اور نہ دخل دینے کی ضرورت۔ میرا بہت سا وقت صرف ہوتا ہو کچھری میں۔ تم کو اس سے کچھ مناسبت نہیں۔ میں ہر چند سوچتا ہوں تم سے کرنے کی کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی یا سو بواب تو ہا کر میں نے بھی اس کا خیال چھوڑ دیا۔ وہ کو اپنے کی بے فکریاں جو کبھی یاد آ جاتی ہیں تو ایک سناٹا سا گزر جاتا ہو۔

صادقہ۔ اور پھر میں کہتی ہوں تم سیکڑوں ہزاروں میں اچھی ہو۔ میں نے تو بڑی بڑی دونوں کا خیال دوڑائے ہیں۔ وہ امن چین وہ تسلی وہ خوشی جو بیاہ کا مقصود ہو کسی ایک آدمی کو نصیب ہوتی ہوگی اور اس کا بڑا سبب یہ ہو کہ ہمارے ہاں کا بیاہ اندھے کا نشانہ ہو۔ لگا تو یہ نہیں خالی تھا۔ کیا مرد کیا عورت ہر ایک کا مزاج الگ، ہر ایک کی طبیعت جدا، ہر ایک کی

نہ خصلت علی حدہ۔ دو آدمی جنبی محض۔ جان نہیں، پر بیان نہیں، ملاقات نہیں، صاحب سلامت نہیں۔ اوپر والوں کی تجویز سے ملا دیے جاتے ہیں۔ اب وہ شیرو شکر کا سامنا ملیں تو ان کی تقدیر اور نریل اور پانی کا سامنا ملیں تو ان کی تقدیر۔ اور جوں کو مرد کا پلڈہ دست ہو موافقت نہ آئی تو عورت زندہ در گور ہو چکی۔ یہی سوچ سمجھ کر میرا جی ڈکھنا پڑا کرتا ہو۔ اور واقع میں میری فی انوکھی عورت نہیں ہوں۔ جو دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور وہ میرا دستور۔ مجھ کو ہرگز امید نہیں کہ ساری عمر بھی اطمینان کے ساتھ اس کے فیصلہ کر سکوں گی۔ غرض اندر دل سے تو میں بیاہ سے راضی نہیں۔ مگر جانتی ہوں کہ سب اس کے ورپے ہیں تو انکار بھی نہیں کر سکتی۔“

ہمارے ”بھرت“ آخر میں تمھاری اماں سے کیا جا کر کہوں؟“
صادقہ۔ ”ان سے تو اتنی ہی بات کہہ دینا کہ خواب تو میں نے کوئی دیکھا دکھا یا نہیں۔ اور نہ ہونا ہوتا تو مجھ کو ضرور دکھائی دیتا میرا خیال یہ کہ ہو گا تو سہی مگر دیر سے۔“

چھٹی فصل

صادقہ کے بیاہ کی چھٹی چھاڑ

چھوٹی بہنوں کے بیاہ سے پہلے پہلے تو صادقہ کے بلے میں بڑی اگر مگر رہی۔ جیسے یہ دونوں بیاہی گئیں نہیں معلوم ان کے غل میں لگ گئے یا نا امید ہو کر بیٹھ سب غرض ملاؤں گھر میں صادقہ کے بیاہ بڑا کچھ چرچا سننے میں نہیں آتا تھا۔ لیکن ماں کے تو تلوؤں سے لگی تھی۔ وہ پانچور، وقت نماز کے بعد دعا مانگا کرتی تھی۔ برسوں اس کے لینے اُس نے حصن حصین پڑھی۔ اور عمل تو جس نے جو تباہ کیا کساہی شکل کا ہوا اس کو کرنا ضرور

بالے بخارا کی طرف کے کوئی بزرگ سیاحت کے طور پر شہر میں آنکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی محلے کی مسجد میں آکر ٹھہرے معمول کے مطابق صادقہ کے یہاں سے دونوں وقت کھانا آتا رہا۔ وہ ہو گئے بیمار۔ ان لوگوں نے جسٹہ لہذا ایسی خبر گیری اور خدمت کی کہ جو خبر گیری اور خدمت کا حق ہے۔ دونوں وقت حکیم کو حال کہلا بھیجنے نسخہ منگوانا بنانا حکیم نے جو کچھ کھانے کو بتایا ہے وقت پر طیار کر دینا۔ اتنے تعلق سے ان بزرگ کو اس گھر کے بعض حالات بھی معلوم ہوئے۔

اور ان میں سے صادقہ کا معاملہ بھی تھا۔ آخر ان بزرگ نے کہلا بھیجا کہ ان شاعرانہ میں بھی دعا کروں گا۔ اور تم میں سے کسی سے ہو سکے تو نماز تہجد کے بعد تنہائی میں دو نظلیں تعیل ارکان کے ساتھ پڑھ کر اول آخر سات سات بار درود اکثرتہ دفعہ اس آیت شریف کا درود کرو اور پھر خشوع و خضوع کے ساتھ غرض حاجت۔ آیت یہ ہو دمن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ ان بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ اس عمل کی حد تو ایک چلے کی ہے۔ مگر مجھ خدا کی ذات سے توقع ہے کہ سقے کے اندر ہی اندر نجات ہوگی۔

عمل کو شروع کئے ہوئے تیسری رات تھی کہ ادھر صادقہ کی ماں دعا مانگ رہی تھی اور ادھر صادقہ کو خواب دکھائی دے رہا تھا۔ دیکھتی کیا ہے کہ جیسے اس کے والد جو کھٹے میں ایک تصویر لے کھڑے ہیں اور اس کو دکھا رہے ہیں اور وہ تصویر کسی انگریز کی سی ہے۔ صادقہ نے اجنبی مرد کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار اپنا مونہ چھپا لیا۔ تو اس کے والد کہتے ہیں بیٹا یہ تو تصویر ہوا۔ تصویر بھی ٹھیک نہیں۔ دیکھو اس شخص کی اصلی صورت یہ ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس تصویر کے نیچے سے اور تصویر نکالی۔ تو وہ ایک سلمان کی تھی مگر دونوں تصویریں تھیں ایک ہی شخص کی۔

لہذا اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہو کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے بے بیدیاں پیدا کیں کہ تم ان کی طرف رغبت کرو اور تم میں اور ان میں دوستی اور مہربانی قائم کی۔

صادقہ کو تو اپنے خوابوں کی تعبیر کی مہارت تھی ہی۔ سمجھ گئی کہ بیاہ کی چھٹر چھڑا کر شمع ہوئی۔ کوئی اور نادان عورت ہوتی تو لمبے خوشی کے اُچھل پڑتی۔ مگر صادقہ کو اُن ذمہ اریوں کا خیال آگیا جو بیاہ ہے پیچھے اُس پر عائد ہوں گی اور وہ ابھی سے سوچ میں گئی کہ اس چہرے مہرے کا شخص کس مزاج کا ہوگا۔ اور اُس کو رضامند رکھنے کے لیے مجھ کو کیا کرنا پڑے گا۔ قیافے کے سوائے تحقیقات کا اور کوئی ذریعہ تھا نہیں تو اس نے عقل دوڑائی کہ یہ مرد درمیانہ قد سے نکلتا ہوا ہو۔ اور اس کی گردن بھی لمبی ہو تو یہ برتری کی دلیل ہو ورنہ ہر کہ ایک شخص نام و نمود کا طلب گار ہو اس کا سر بڑا ہو یعنی دانشمند ہو۔ پیشانی اونچی اور تلخ ہو تو خوش مزاج ہوگا۔ ماتھا ابھرا ہوا ہو ذہن کا تیز ہو۔ آنکھیں روشن اور بڑی ہیں بلند نظر اور سیر خشم ہو۔ ہونٹ پتلے اور پچی ہیں ارادے کا پکا اور ہٹ کا پورا ہو۔ ناک کسی قدمی اور نکتے چوڑے ہیں خود دار اور غصیلدار اور کیا عجب ہو مغرور ہو کنپٹیاں الگ دیکھ پڑتی ہیں کمانے کے خوب ڈھنگ آتے ہوں گے۔ سینہ چوڑا ہو تو تندرست اور قوی دل ہو۔ یہ روداد تو کچھ بُری نہ تھی۔ بلکہ ان صفتوں کے آدمی میسر نہیں آتے مگر کچھ یہ سمجھ میں نہ آیا کہ دو تصویریں کیسی۔ چند روز کا وقفہ دے کر پھر صادقہ نے دیکھا کہ باپ نے وہی دو تصویریں اس کے حوالے کیں کہ تو تم اپنے پاس رکھو۔ مگر بہت احتیاط سے رکھنا اس کا مطلب بھی صاف تھا۔ تیسری بار کسی کو خواب میں بُکا کر کہتے ہوئے سنا کہ وہ تصویریں تمہارے ہم نام کی ہیں۔ صادقہ نے غور تو کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے کیا مراد ہو۔

آج جمعرات کی رات کو صبح ہوتے ہوئے صادقہ نے یہ انجیر کا خواب دیکھا۔ اور اگلے ہی دن کوئی چار گھنٹری دن چڑھتے چڑھتے ڈاکیے نے آواز دی کہ جب بڑی خطے جاؤ دیکھیں تو ایک بڑا سا راحمہ انگریزی کا غذا کا لافہ صادقہ کے والد میسر ہو کے نام بنارس سے

صاوق نامی کسی شخص نے ایسے اہتمام سے بھیجا ہوا کہ لفافے کی درزوں پر ایک ایک پانچ کے فاصلے سے لاکھ کی مہر ہیں۔ مکتوب الیہ کا نام اور پتہ انگریزی فارسی دونوں خطوں میں ایسا صاف لکھا ہوا تھا کہ اُس میں کسی طرح کا شک شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لفافے تو بیا مگر یہ معمولی طور کا لفافہ نہ تھا کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا کہ ہمارے متعارفین میں سے کس میں اس نام کا کون شخص ہو۔ اور اُس کو ایسا لفافہ رستری بھیجنے کی کیا ضرورت پڑی ہوگی۔ سردی کا تھا موسم اور ابھی کچھ ایسا دن بھی نہیں چڑھا تھا سب لوگ ایک ہی دالان میں جمع تھے۔ ازاں جملہ صادق بھی۔ یہ تو سمجھ گئی کہ ہم نام کی یہ تعبیر ہو۔ میر صاحب نے تھوڑی دیر تامل کر کے آخر لفافے کو کھولا۔ اندر سے جبر کا جبر ایک خط نکلا چند سطریں بھی پڑھنے نہیں پائے تھے کہ بی بی نے پوچھا ”آخر کون ہیں کیا لکھتے ہیں؟“

میاں۔ ”ابھی اس کے پوچھنے کا کیا موقع ہو ذرا پڑھ تولینے دو۔“

بی بی۔ ”بس میرا بولنا تو تم کو زہر لگتا ہو۔“

میاں۔ ”تم بات ہی ایسی کرتی ہو کہ نہ رکھی جائے اور نہ اٹھائی جائے۔ اول تو تم کو میری ہر ایک بات کی کرید ہی کرنی کیا ضرور ہو۔ اور پھر صریحاً دیکھ رہی ہو کہ کتاب کی کتاب میرے ہاتھ میں ہو۔ پڑھنا شروع کیا ہو کہ تم نے بیچ میں ایک پتھر کھینچ مارا۔ مجھ کو خود معلوم نہیں جواب کیا دوں؟ ابھی زردے کا عمل پورا نہیں ہوا۔ اوپر تلے جا رہا پانچ پان کھاؤ گی تو تمہارا مزاج درست ہو گا۔“

بی بی۔ ”آپ سارے دن حقہ بیٹھے گڑ گڑائیں تو کچھ نہیں۔ میرے زردے کا ہر وقت طعنہ۔“

لو اب زردہ کھاؤں تو حرام کھاؤں۔ مُردار کھاؤں۔“

یہ کہہ کر گلوری جو تھوڑی دیر ہوئی موندھ میں رکھی تھی اور ابھی اُس کے چبلنے کی بھی

نوبت نہیں آئی تھی اگال دان اٹھا تھوک دی میرے صاحب بے چارے خط ہاتھ میں لیے دم دیاے چلتے ہوئے۔ اور اگر ایک لمحہ بھی بیٹھ رہیں تو دونوں میں ایسی ہی لڑائی بھڑبھڑی ہر روز ہوا کرتی تھی۔ باہر مردانے میں اطمینان سے بیٹھ کر خط پڑھا تو لکھا تھا۔

ساتویں فصل

سید صادق کی طرف سے شادی کا رقعہ کہنے کو رقعہ و رقع میں کتاب اور اُسی میں علیگڑھ کلج کا مختصر حال اور نکاح کے بارے میں لوگوں کی رائیں

جناب من۔ بندے کا نام تو آپ کو لفافے ہی سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ میں اُس پر اتنا اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ۱۹۷۶ء کے بی اے کے امتحان میں جو شخص کلکتہ یونیورسٹی میں اول رہا وہ یہی خاک رہا۔ میں نے علی گڑھ کلج میں تعلیم پائی ہو اور اب بھی اُسی کلج کی ایم اے کلاس میں پڑھتا ہوں بندے کا وطن آبائی توفیض آباد ہے مگر شانہ اودہ فلک شہر کے توسل کی وجہ سے والد نے بنارس میں رہنا اختیار کیا۔ اور چوں کہ کچھ جلد اوار قسم زمینداری وغیرہ بھی پیدا کر لی ہو۔ اب ہم یہیں کے ہو گئے ہیں۔ ہمارا نسب نامہ محفوظ ہو اور میں اُس سے آپ کو اپنے سید الطرفین ہونے کا یقین دلا سکتا ہوں باور اس کا بھی کبزرگوں میں علم اور شائخ اور احکام وقت مشاہیر گزرے ہیں لیکن نبود وصف اضافی ہنر فزات میں آپ اپنا معترف ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں مجھ کو آپ کے ایک بڑے واقف کار سے آپ کے ذاتی اور خانگی حالات بالتفصیل سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور اُس سے جو خیال میرے دل میں آپ کی طرف سے پیدا ہوا اُسی نے مجھ کو اس عرض کرنے کے لکھنے اور پیش کرنے کی جرأت بھی دلائی۔ گو آپ انگریزی نہیں جانتے لیکن مجھ کو

تحقیق دریافت ہوا ہو کہ آپ کا مزاج بے تعصب واقع ہو طبیعت منصف، ذہن رسا،
 رائے صائب، عقل مصلحت اندیش، ماضیا آواز، افسوس ہو کہ لوگوں کو یہ بات عام طور پر
 معلوم نہیں کہ ہمارے کالج میں کابے کی خصوصیت ہو۔ مجھ کو اس بات کے مان لینے میں
 ذرا بھی تاثر نہیں کہ پڑھائی کے اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں اور چوں کہ سرکار نے
 تعلیم اپنے اختیار میں کر رکھی ہو۔ وہ یہ وقت کے فوجے ٹھیکرتی اور ان ہی کے مطابق بی اے
 وغیرہ علمی خطابتی تو ہم اُس میں کوئی رد و بدل کر نہیں کر سکتے۔ ہم سب سمجھتے ہیں کہ
 یہ تعلیم ہم کو کچھ ایسی زیادہ مفید نہیں۔ لیکن تا وقتیکہ گورنمنٹ اپنا کورس بندے ہم کو
 چاروں چار اسی کی پیروی کرنی ہو۔ غرض میں اپنی اسی بات کا پھر عادیہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کے
 اعتبار سے ہم میں کوئی برتری نہیں۔ اور یہ جو نماز روزے کی تاکید اور دنیاویات کے درس کا
 چرچا آپ سنتے ہیں۔ تو چند دانے ہیں جو مسلمانوں کو دائم تعلیم میں لانے کے لیے بکھر دیئے
 گئے ہیں۔ پادریوں کا مقصود اصل ہو اپنے دین کی اشاعت اور ہمارا دنیاوی تعلیم۔ وہاں
 لوگوں کو دین عیسوی سے گریز ہو۔ اور ہمارے ہاں مطلق انگریزی تعلیم سے۔ تو پادریوں نے
 دفع وحشت کے لیے دنیاوی تعلیم کو آڑ بنایا ہو اور ہم نے دنیاویات کو۔

ہمارے کالج میں جو خصوصیت ہو صرف دو باتوں کی ہو ایک تو ہمارے یہاں کثرت
 ایسے طالب علم ہیں جو مدرسے ہی میں پڑھتے، مدرسے ہی میں کھاتے، مدرسے ہی میں سوتے،
 مدرسے ہی میں کھیلتے اور رات دن مدرسے ہی میں رہتے ہیں۔ اور گھروں کی بے تمیزیاں
 اور سوسائٹی کی بیہودگیاں۔ بزرگوں کی ناز برداریاں ان کی طبیعتوں پر بُرا اثر نہیں
 کرنے پاتیں۔ دوسرے پڑھنے کے علاوہ لڑکوں کو دُنیل کے معاملات میں غور کرنا اور
 دُنیا میں رہنے کا سلیقہ سکھایا یعنی طالب العلموں کو آئندہ کی زندگی کے لیے طیار کیا جاتا ہو۔

اگر مجھ کو بالفرض کسی کا چال چلن دریافت کرنے کی ضرورت ہو اور وہ شاید ایک رجن عمدہ سے عمدہ سرٹفیکٹ مجھ کو دکھاسکے تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میرا دل اس کی طرف ہرگز ایسا مطمئن نہیں ہوگا جیسا صرف ایک اتنی بات سے کہ وہ میری طرح علی گڑھ کالج کا بورڈر ہو۔ اگر آپ نے علی گڑھ کالج کے کچھ حالات معلوم کیے ہیں۔ اور آپ جیتے بیدار مغز روشن خیال آدمی سے تعجب ہو کہ نہ کیے ہوں تو آپ نے کالج کی رپورٹوں میں، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں، ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہم بورڈر کیوں کر اپنے کھانے اور پہننے اور کھیلنے اور کل ضرورتوں کا خود انتظام کرتے، آپس میں کیسے مباحثے رہتے، اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کس طرح شریک ہو جاتے ہیں۔ ہم لوگوں میں کئی قسم کی کمیٹیاں قائم ہیں۔ انراں جملہ ایک کمیٹی اصلاح ہو اُس کے تحت میں ایک سب کمیٹی ہو جس میں صرف بیس برس سے زیادہ عمر کا طالب علم شریک ہو سکتا ہو۔ اور مجھ کو اس کمیٹی کے سکریٹری ہونے کی عزت بخشی گئی ہو۔ اس کمیٹی کی کارروائی شب کے وقت دروازے بند کر کے ہوتی ہو اور نمبروں کے سوائے کسی کو کمیٹی میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس کمیٹی کا مقصد یہ ہو کہ ہر شخص کالج کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے اور اُس پر رد و قبح ہو، تاکہ جو شخص ایسا تعلق کرنا چاہے وہ اُس کے نفع و نقصان اور لوازم و نتائج کو پہلے سے سوچ چکا ہو۔

مدت تک میری یہ رائے رہی کہ میں اپنی زندگی بسر کروں گا جس دن میں نے کمیٹی میں اپنی یہ رائے ظاہر کی اور وہ مضمون جو لکھ کر لے گیا تھا پڑھ کر سنایا ممبروں کا ایک گروہ کا گروہ اُس کی تردید کو کھڑا ہو گیا اور مہینوں اس پر بڑی سرگرمی اور جوش کے ساتھ بحث ہوتی رہی۔ میں نے جن باتوں پر زور دیا تھا وہ یہ تھیں کہ اس تعلق کا مدار دلی رغبت اور محبت پر ہو، بلکہ رغبت اور محبت کی جگہ لفظ تعشق استعمال کیا جائے تو زیادہ

مناسب ہوگا۔ اور رغبت و محبت کی مثال میرے نزدیک درخت کی سی ہو کہ ایک دم سے سموچے کا سموچا زمین سے نہیں نکل کھڑا ہوتا بلکہ اس کا بیج بویا جاتا ہو، پھر وہ جڑ بکھڑتا ہو، پھر پھوٹتا ہو، پھر اس میں کوئیل نکلتی ہو، پھر پتے لگتے ہیں، پھر پھیلتا اور بڑھتا ہو، پھر پھولتا اور پھلتا ہو۔ بعینہ یہی حال ہو رغبت اور محبت کا۔ دو طبیعتوں میں ایک طرح کی خلقی مناسبت ہوتی ہو۔ پھر ساتھ ہے سے انس پیدا ہوتا۔ انس سے الفت۔ الفت سے رغبت اور آخر کار رغبت محبت پھر کے محبت کے مراح ہیں۔ تو جن دو شخصوں نے ایک دوسرے کو دیکھا انہیں، ایک دوسرے کے پاس نہیں بیٹھے، ساتھ نہیں ہے، ایک دوسرے سے بات نہیں کی، ایک دوسرے کے شریک نہ بنے، دراحت نہیں ہوئے۔ کیوں کہ ایک کو ایک کی محبت ہو سکتی ہو، پس ہمارے یہاں کا تعلق زناشوی ایک طرح کا جو ہو۔ لوگ جیتنے بھی ہیں اور ہارتے بھی ہیں۔ اور جوں کہ محبت ایک کے کرنے سے نہیں ہوتی۔ جیتنے کا احتمال ایک ہو تو ہارنے کے دو۔ اور یہی وجہ ہو کہ اکثر خانہ دلویں فساد مئے جاتے ہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ انسان کیوں یہ مصیبت مول لے۔ ہم مسلمانوں میں سے دولت نکل گئی ہو اور نکلتی چلی جاتی ہو اور دولت کے کمانے کے جو طریقے ہیں ان سے ہم کو گریز ہو اور مسلمانوں کی طرف سے میں بالکل ناامید ہوں اور اسی میں ان کی بہتری سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہو اپنے شمار کو بڑھنے نہ دیں کیوں کہ شمار کے ساتھ ساتھ مفلسی اور خواری بڑھتی جائے گی۔ ہوں اور ذلیل محتاج ہوں تو ہوں ہی کیوں بے شک میرے کیلے کی کون سُنتا ہو اور نہ صرف میری کیلے کی بلکہ مجھ جیسے سینکڑوں کی ہزاروں کی۔ لیکن مسلمانوں کے فائدے کی جو بات سوجھ بڑے اُس کے ظاہر کیے بدون بھی تو نہیں رہا جاتا۔ تھوڑا سا اثر ہوگا تو بھی بہت ہو۔ اس معاملے میں سب زیادہ مشکل ہم لوگوں کی ہو جنہوں نے انگریزی پڑھی ہو یا پڑھ رہے ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انگریزی

پڑھنے سے معلومات میں وسعت اور خیالات میں آزادی آ جاتی ہو۔ اور ایک خاص طرح کا مذاق پیدا ہوتا ہو، ہندوستانیوں (پُرانے خیالات کے ہندوستانیوں) کے مذاق سے بالکل جُدا اور ممتاز بلکہ متباہن، اختلاف رائے، اختلاف وضع، اختلاف خیالات کے ہوتے دوسرے تعلقات تو خیر بُری طرح یا بھلی طرح نبھ بھی سکتے ہیں لیکن یہ خاص تعلق، یہ تمام تعلقات سے قوی تر تعلق، میں نہیں سمجھتا کہ ایک دن بھی خوش اسلوبی سے نبھ سکتا ہو۔ جو شخص اپنے برابر والوں کو بلکہ اپنے سے بڑوں کو صرف پرانے خیالات کی وجہ سے مُوندے نہ بھی کہے تو دل میں ضرور حقیر سمجھے، کیوں کر مانوس ہو جائے گا اُس عورت سے جس کو اس کے سے خیالات چھو بھی نہیں گئے، کیا وہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ جب گھر میں آئے پکانے کھانے اور سینے پر دینے کے سوائے کوئی بات نہ سُنے، کیا وہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ جب دو عورتیں مل کر میٹھیں اُس کی بدی اُس کی غیبت کے علاوہ اُن میں کوئی مذکورہ نہ ہو، کیا وہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ جن باتوں میں اس کو دل چاہی ہو گھر میں کسی کو اُس سے لگاؤ نہیں، کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ جتنی دیر گھر میں ہے اکیلا پڑا ہوا کتاب دیکھا کرے یا اخبار پڑھا کرے اس لیے کہ گھر والی کے ساتھ گفتگو کی سلسلہ جنبانی کرنے کو یہ کوئی مطلب نہیں پاتا، کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ خیالات کے اعتبار سے بی بی کو ایک پرنس بُھار نہیں سکتا اور اُس کے بہت خیالات میں خسر پکھ ہونے کے لیے اپنے تئیں گرا نہیں سکتا، کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ سائے گھر کی روزی پیدا کرنے کے لیے یہ اکیلا دن بھر مصیبت جھیلے اور رات کو تھکا ماندہ گھر آئے تو کوئی اتنا نہ ہو کہ اُس کو صلاح بتائے یا زبانی سہارا لگائے، کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ پردیس میں ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ بی بی پڑھی لکھی نہیں نہ اپنی کہہ سکے اور نہ اُس کی سُن سکے؟

کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ ماں کی بے تدبیر لپوں سے اس کے بچے ہلاک ہوں، وہ پڑیں بیمار اور دوا کے عوض ان کو پلائے جائیں، تعویذ، باندھے جائیں گنڈے، اُتارے جائیں ٹوٹنے، مانی جائیں سنتیں؛ کیا یہ خوش رہ سکتا ہو اس سے کہ اولاد کی ابتدائی تربیت میں ایسی غلطیاں کی جائیں کہ ساری عمر ان کی اصلاح نہ ہو سکے؛ الغرض ان وجوہ سے اپنی نسبت اس وقت تک میرا خیال ہو کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ اور میں اس کمیٹی کے ممبروں کو بھی یہی سائے دیتا ہوں کیوں کہ بچہ بر خود نہ پسندی بڑیکرے پسند۔ میں تو اتنا کہہ کر بیٹھ گیا اور پھر جو اس پر چاروں طرف سے بوجھاڑ ہوئی شرمع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں نے مضمون کیا پڑھا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ کوئی شخص نہ تھا جس کے مونہ میں ایک یاد و اعتراض نہ ہوں۔ ان میں سے بعض بوڑے اور پھپھے بھی تھے لیکن میں نے کمیٹی کے سکریٹری ہونے کی حیثیت سے روداد میں لکھنے کے لئے سب کو یکجا کیا تو مجموعہ ایسا تو ہی معلوم ہوا کہ مجھ کو اپنی سائے بدل دینی پڑی۔ اعتراضات کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم کو اپنے دوست سیّد صادق کی سائے سے ہرگز اتفاق نہیں ان کی سائے مدلل ہو مگر غلطی اور مبالغے سے خالی نہیں۔ اُنھوں نے اس اصول کے قرار دینے میں بڑی مکرہ غلطی کی ہو کہ تعلق زناشوی کو ہونا چاہیے نتیجہ محبت یعنی طرفین میں پہلے رابطہ محبت قائم ہوئے اُس کے بعد یہ تعلق ہو۔ ہم بالکل اس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا خیال یہ ہو کہ محبت پیدا ہوتی ہو تعلق زناشوی کے بعد بے شک اجنبی جن میں مطلق سابقہ معرفت نہیں ایک دوسرے سے ملائیے جاتے ہیں۔ اُن میں خدائے تعالیٰ نے ایک دوسرے کی طرف رغبت کرنے کا مادہ ودلیعت رکھا ہو۔ نکاح سولے اس کے اور کچھ نہیں کہ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی طرف رغبت کرنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ موقع پاکر

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رغبت کرتے ہیں جس کو تنجیم محبت کہنا چاہیے۔ اور آخر کار اکثر ان میں محبت پیدا ہو بھی جاتی ہے۔ اور جتنی خانہ داریاں ہیں سب مظاہر ہیں اُسی محبت کے ہمارے دوست سید صادق نے محبت کے بیچ کو بہت زور سے کس دیا ہے۔ اور وہ اُس موافقت کو جو عشق سے کم ہو محبت نہیں کہنا چاہتے۔ یہ بھی ان کی غلطی ہو عشق کیا چیز ہے بے قراری کی محبت۔ اور اس دہے کی محبت کو عقلاء اور حکماء اور طلباء اور صلیبیان میں سے کسی نے بھی جائز نہیں رکھا۔ ایسی ہی محبت یعنی شیفنگی ہے جس کو پیغمبر صاحب صلوات اللہ علیہ علی آلہ واصحابہ جمیعین فرماتے ہیں حب اللہ بنیاد اس کل خطئینہ (دنیا کی محبت اعلیٰ درجہ گناہ ہے) ایسی ہی محبت یعنی شیفنگی ہے جس کو اطباء انواع من الجنون (ایک طرح کی دیوانگی) لکھتے ہیں۔ انتظام دُنیا کے لئے ایسی گاڑی محبت جو عشق اور شیفنگی کی حد کو پہنچ گئی ہو درکار بھی نہیں۔ اور کیوں اُس کو خانہ داریوں میں ڈھونڈا جائے۔ جتنی معمولی طور کی محبت خانہ داریاں چلتی ہیں اور چل سکتی ہیں عموماً ہر گھر میں پائی جاتی ہے۔ اس کے مریاں بی بی کسی وقت کسی بات پر رد و کر لیتے ہیں، ماہنیں کہہ سکتے کہ ان میں محبت نہیں۔ وہ صبح کو روٹھتے اور شام کو سنتے، دن کو لڑتے اور رات کو پیارا خلاص کرتے ہیں۔ ہمارے دوست سید صادق عجیب حکمت سے پردے کی محبت کو اڑا گئے ہیں لیکن جو ان کا اصل مطلب ہے وہ ان کی تمام تقریر سے بڑا ٹپک ہا ہے۔ وہ حقیقت میں عورتوں کے پردے کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہی پردہ ہی جو تعلق نکاح کے بدون مرد اور عورت میں احتمال کا مانع ہے۔ لیکن بے پردگی سے جو شرمناک نتیجے یورپ اور امریکہ میں پیدا ہوئے ہمیشہ کے لئے ایک غیور اور نصف مزاج آدمی کی آنکھیں نیچی رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ شاید سو میں ننانوے ہوں گے جو بے پردگی کی رسم بد کو آج اٹھا دیں اگر ان کا بس چلے۔ علاوہ بریر مہ

محبت جس کو ہمارے دوست نے اس تعلق کے لئے ضروری سمجھا ہو اور وہ ضروری ہو بھی
 پردہ داری کی صورت میں زیادہ محفوظ رکھتی ہو کیوں کہ عورت نہ اجنبی مرد کو دیکھتی اور نہ
 اُس کی نیت ڈانوا ڈول ہو سکتی۔ پردہ اُس کو سکھاتا ہو کہ وہ صرف اپنے شوہر کے لئے ہو
 اور بس۔ پردے کی غرض و غایت کیا ہو؟ عورت کی پاک امنی اور ناموس کی حفاظت۔
 لیکن جن لوگوں میں پردے کا دستور نہیں وہ بھی اپنی عورتوں کی پاک امنی اور ناموس کی
 ویسی ہی حفاظت کرنی چاہتے ہیں جیسی ہم۔ ہم میں اُن میں اگر فرق ہو تو اتنا ہی کہ مثلاً
 ایک شخص نے خزانے کے صندوق پر تالا لگایا۔ دوسرے نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو
 ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم پوچھتے ہیں، ہم اپنے دوست کے موٹے سے سناچاہتے ہیں،
 دونوں میں خزانے کی طرف زیادہ مطمئن کون بہے شک ہے جس نے تالا بھی لگایا اور صندوق کو
 ایسی جگہ رکھا کہ چور کی نظر نہ پڑے۔ ہم اس کو ملتے ہیں کہ انگریزین ہمارے عورتوں سے
 بہت زیادہ لائق ہیں۔ انتظام خانہ داری میں، شوہروں کے خوش رکھنے میں، اولاد کی
 تربیت و تعلیم میں، بلکہ علمی بیاقت میں بھی۔ لیکن نہ بے پردگی کی وجہ سے بلکہ عام سوسائٹی کی
 شائستگی اور تہذیب و ترقی کی وجہ سے ہم میں بھی لائق مردوں کی ماں بہنیں جو واپس
 زیادہ لائق ہوتی ہیں۔ دین داروں کی دین دارہ نیک کرداروں کی نیک کردار بھلوں کی
 بھلی۔ بُروں کی بُری۔ شریفیوں کی شریف۔ پاجیوں کی پاجی۔ یوں تو جیسی دو آنکھیں
 مردوں کی ویسی عورتوں کی۔ جیسے دوکان مردوں کے ویسے عورتوں کے۔ جیسے فلوئی ماغ
 مردوں کے ویسے عورتوں کے۔ لیکن پھر بھی خد نے مرد اور عورت میں بڑا فرق رکھا ہو۔
 عورتیں کتنے ہی ہاتھ پاؤں بٹیں، کتنا ہی غل غپاڑا چائیں، وہ فرق مٹ نہیں سکتا۔
 عورت کی حالت کہہ دیتی ہو کہ وہ گھر کا کام کاج دیکھنے بھالنے، بچوں کے پالنے کے سوائے

اور کچھ کر نہیں سکتی۔ اور کرس گئی تو کیا ہ کرنا چاہے اور کرنے کا قصد کرے تو تم سمجھیں گے کہ مردوں کا مونہ چڑاتی ہو۔ اور ہم مردوں میں اس سے زیادہ اُس کی قدر نہیں ہوگی جیسی عورتوں میں بیچڑے کی۔ شور و شعب تو بہت کچھ سُنتے ہیں مگر یورپ و امریکہ میں بھی عورتوں نے آزادی پا کر اس سے زیادہ کوشا کمال حاصل کر لیا ہے کہ میڈم امک گاتی خوب ہو۔ میڈم ڈھمک پیا نو کے بجلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ میڈم فلاں تھینڈز میں سوانگ ایسا بھرتی ہو کہ نقل کو اصل کر دکھاتی ہو۔ یا بڑی فضیلت پناہ بیافت دستگاہ ہوئیں تو ناول یعنی قصے کہانی کے ڈھکوسلے ہانکنے لگیں اور قصے کہانیاں بھی گندے ناپاک معنی ترا دو چہ کنم انچہ در آوند من سست۔ کسی نے وزارت کی ہ کوئی سپہ سالار ہوئی ہ مقنن بنی ہ اور یوں سیکڑوں برس میں دوچار نام و نمود کی ہو گئیں تو ایسی اذان دینے والی مرغیاں کبھی ہمارے ڈربوں میں سے بھی نکلتی ہیں۔ اب رہی ہمارے دوست سید صادق کی یہ تجویز کہ مسلمان بے دولت ہیں، اور دولت کے کمانے کے ہنر ان کو سیکھنے منظور نہیں، اس لیے ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ ان کا شمار ٹھٹھے پٹانے۔ تنجھ مرض نو درست ہو مگر علاج غلط۔ اگر ہاتھ میں ایک ٹھنسی نکلے اور اُس کا زہر پھیلتا چلا جائے۔ اور خوف ہو کہ سارا ہاتھ ازکار رفتہ ہو جائے گا تو کیا طبیب کا یہ کام ہے کہ ٹھنسی کا نام سُنتے کے ساتھ ہاتھ کے جڑ سے اڑا دینے کا حکم دے۔ یا کسی پھوٹے عورت کے سر میں جو تیں پڑ جائیں تو اُس کو یہی صلاح دینی چاہیے کہ سر منڈوا ڈال، نہ بال ہوں گے نہ جو تیں پڑیں گی نہیں نہیں علاج اس کا نام ہے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ زخم اچھا ہو جائے اور قطعید لازم نہ لے۔ چُٹیا بھی رہے اور روپیہ لیکھ ڈھونڈی نہ ملے اب ہمارے دوست سید صادق کا صرف ایک اعتراض اور رہ گیا ہے کہ انگریزی پڑ ہے ہوؤں کو ان کی مرضی کی سیبیاں مل نہیں سکتیں صحیح ہے کہ انہیں مل سکتیں جس طرح عورتوں کو ایسے شوم نہیں مل سکتے جو ایہ گری کا کام بھی جانتے ہو۔

عورتوں سے وہ توقعات ہی کیوں پیدا کی جاتی ہیں جو ان کے بس کی نہیں۔ اور آخر ایسی ہی عورتوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں آدمی گزارہ کرتے ہیں۔ انگریزی خواں جو خوش نہیں رہ سکتے تو اس وجہ سے کُانھوں نے انگریزی پڑھ کر اپنے تئیں چھوٹی موٹی بنا لیا ہے۔

تصور تو اپنا اور اُلا ہندو مسروں پر سید صادق نے تامل میں تو بہت سے کٹرے ڈالے لیکن اُنھوں نے ان قباحتوں پر بھی نظر کی جو تخر و کو لازم ہیں۔ اگر یہ میٹھے جیسا کہ ان کی کیا تو س معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا چاہتے ہیں، تو زیادہ نہیں آج سے تو دس برس کے اندر اندر دکھائی گئے کہ کسی ناگفتہ بہ بیماری میں گل مٹر کر مر گئے ہوں گے۔ یا پڑے گھل رہے ہوں گے یا قیدیوں کے ساتھ سڑک کو طے ہوں گے۔ یا ایسی خراب حالت میں ہوں گے کہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر اور طالب العلم تو سب اپنی جگہ۔ کالج کے بھنگی کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ یہ بھی کبھی ہمارے کالج میں تھے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن اگر ہو تو وہ سزا ہوگی اُن کی اپنی کر تو ت کی کہ اُنھوں نے قانونِ قدرت کو توڑا اور پھر غمیرِ سلام کی سنت سے موٹھ موڑا۔ اے جناب یہ اعتراض اُن کے میں تو لگا بغلیں جھانکنے۔ اور مجھ سے ایک بات کا بھی جواب دیتے نہ بن پڑا۔ اور میں نے اپنا کان میسٹھا اور تجربہ سے توبہ کی اور اب مجھ کو یہ سوچ پیدا ہوا کہ تامل کرنا تو ضروری ہے۔ اور میں نے اپنی غلط فہمی سے اُس کی عمر کا ایک حصہ ضائع بھی کر دیا۔ اگر میں زیادہ دن تک بیٹھا رہوں تو لوگ ایسا خیال کر نیگے کہ میں اُسی غلطی پر جا ہوا ہوں۔ اور کپٹی ہو کر اپنے قلعے کے مطابق برابر مہرے چلی جا رہی ہو جس کے ہی میں آتا ہوں کوئی سائے پیش کرتا ہو اور اُس پر بحث ہوتی ہو۔ میں تو پہلی ہی دفعہ تجربہ کی سے حمایت کر کے ٹھوسا ہو گیا۔ اب مُنتاسب کی ہوا مگر حوصلہ نہیں بڑتا کہ آپ بھی کچھ کہوں لیکن کمیٹی کی کارروائی جواب تک ہو چکی ہے میں سمجھتا ہوں کافی اور کافی سے زیادہ ہے اور مجھ کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ میں کمیٹی کے ممبروں کے

نام ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور نہ کیٹی کے قواعد کی رو سے کسی کو ایسی اجازت ہے۔ ورنہ جیسی جیسی گفتگو کیٹی میں ہوتی ہے۔ میں نام بنام بیان کرتا۔ اور چوں کہ کیٹی میں بعض آپ کے بھی متعارف ہیں آپ کو کسی قدر مزہ بھی ملتا۔ لیکن مجھ کو جہاں کہیں اس خط میں ضرورت ہوگی۔ میں حرفوں سے کام لوں گا۔

ایک دن الف۔ نامی ایک نمبر کے مومہ سے نکل گیا میں تو انگلش لیڈری لاؤنگ۔ اس پر جو گفتگو نمبروں میں ہوتی اُس کی نقل کرتا ہوں۔

ب۔ ”اے میاں کہیں خدا کے لیے ایسا غضب نہ کر بیٹھنا۔“

الف۔ ”آپ تو جانتے ہیں کہ میں اپنے والد کا اکیلا بیٹا ہوں اور وہ جیسے کفایت شعار ہیں معلوم۔ اُن کے پاس اچھا اندر دختہ تھا اور ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ اس کو کاہنہ میں قبول کر لوں کوئی صلاح دیتا تجارت میں تو وہ کہتے مجھ کو آپ تو اس کا سلیقہ نہیں۔ اتنا سرمایہ نہیں کہ اُس سے بڑی تجارت ہو سکے۔ اے ہوئے پچاس ساٹھ ہزار تو اُن کی کیسا بابت۔ اور پچاس ساٹھ بھی میں نے مثال کے طور پر بیان کیے ورنہ میں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی۔ اور دیکھتا کہاں سے۔ اس نعمت پر پانچ ڈپٹی کلکٹری میں تو موقع ہی نہیں۔ وہ موڈی کلکٹر چھاتی پڑ بیٹھا ہوا مونگ دلا کرتا ہے۔ آپ بڑے دن کی ڈایاں بے مفت کی سواریوں پر لدا لدا بچہ رہے۔ دورے میں دودھ انڈام غی کو بیلا لکڑی گھاس کسی چیز کے دام۔ قلی بیگار کی مزدوری نہ آپ نے اور نہ اُس کے لشکر طے دین تو کچھ نہیں۔ عین میز کے تلے علم کی تقدیر کاٹن برساکرے تو خبر نہیں۔ چہرہ اسی اور خانگی ملازم انعام کے لیے کنٹوں کی طرح لوگوں کو لیٹیں تو پروا نہیں۔ مگر ڈپٹی صاحب نے خدا جانے اُس کل باپ مارا ہی یا کیا بگاڑا ہے۔ جب دیکھو ان ہی کے حال کی تفتیش،

ان ہی کی خیروں کی کرید۔ بھلا ایسی تاک جہاں تک میں کس کی شامت آئی ہو کہ رشوت کی طرف اُنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ لے۔ یادش بخیر تحصیلداری کا خدا بھلا کرے کہ دس بارہ برس بنگھ گئی تو ذرا پر پرزے بھی درست ہو گئے اور ایک خدائے یہ بھی بڑی گرم کیا کہ جینگی پوٹ بہت نہ ہوئے۔ ساری عمر میں یہ ایک چنچلا کر خدائے جیتا ہے ورنہ کھر والی کا سلیقہ بھی دھرا ہی رہتا تو ایسی تھوڑی پونجی میں کیا تجارت کر سکتا ہوں۔ تحصیلداری ڈپٹی کلکٹری کرنے کے بعد یہ تو جھ سے ہونے کا نہیں کہ بڑی نبوں یا اٹھے دال کی دکان کھول بیٹھوں چار و پنجار دوسرے کی آڑ میں شکار مارنا ہو گا۔ تو وہ دوسرے ایسے کیا قرآن کا جامہ پہنے ہوں گے کہ جو کمائیں گے میرے ہاتھ لاکر دھو دیں گے آٹا لے کر نمک چھوڑ دیں تو غنیمت عرض تجارت میں روپیہ لگانا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرا کتنا جتاپ تو آپ پرمیسری نوٹ خرید لیجئے اس سے مطمئن تر یہ رائے تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ یہ برکت خدانے سودی میں ہی ہو بیٹھے چڑھے سو تے چڑھے اور پھر نہ بڑی لگے نہ بھٹکری۔ چھ ماہی ہوئی اور اپنے ٹکے گنوائیے نہ ہر ٹرن کھر کھر تو والد فرماتے کہ بکتے تو بچ ہو۔ مگر فائدہ تو دیکھو۔ اونٹ کے مونہ میں زیرہ۔ کوہ کزن دکاہ برآوردن اپنی چھاتی تلے سے رقم نکال کر دو۔ اور برس بھر بیٹھے سیوا کر دو۔ اتنی زحمت کے بعد ملا کیا سو بیچے چار۔ دیکھو تو کیا چالاک قوم ہے۔ یہ کسی کے بچہ پر بیچوس نہیں رہے دینگے۔ بادشاہ ہو کر رعایا سے لیس قرض۔ اور اس کو ریلوں اور نہروں اور فائدے کی چیزوں میں لگائیں۔ اور میں بچہ پر بچیں روپیے سیکڑا کمائیں۔ اور روپیے لالوں کو دیں چار۔ کیا کہوں نمک کھایا ہو ان کو خدا کی سنوار۔ اور پھر اس میں سے ٹیکس کی کٹوتی اور کل کو عہداری اُٹھ گئی تو کاغذ کو لیے چائا کرو۔ اور عہداری کا کس نے ہمیدہ کیا ہے۔ روس آہستہ آہستہ بڑھتا ہی چلا آتا ہے امیر کابل کی آڑ تھی سو اس کا یہ حال ہو کہ کہتے ہیں

سیدھی اور وہ جھنڈا ڈالٹی۔ دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ میٹھتا ہو۔ نا صاحب نوٹ کی صلاح تو ٹھیک نہیں۔ اس پر وہ صلاح کار بولال بس تو زمینداری۔

وال رہاں میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ مگر کم سخت زمینداروں کی بھی شامت ہو دیکھتے نہیں آئے دن نکلنے اور تحصیل میں کھینچے پھرتے ہیں۔ اور اب زمینداری میں رہ ہی کیا گیا ہو۔ گودا گودا تو سرکار نکال لیتی ہو باقی سچی ہڈیاں۔ ان کو زمیندار اور کاشتکار چھوڑا کریں۔

اول تو زمین میں وہ اگلے وقتوں کی پیداواریاں کہاں۔ اور جون کی حکم نمبری رہ بھی گیا ہو تو کاشتکار ہی کا پورا نہیں پڑتا، زمیندار کو کہاں سے ہے۔ اور جب سے سرکار نے موروثی کاشتکاروں کے حقوق تسلیم کر لیے ہیں گانوں میں چوکیدار کی وقعت ہو۔ اور انہیں ہو تو زمیندار کی۔ یہ کسی کا کر ہی کیا سکتا ہو کہ کوئی اس سے بدلے اور اس حکم مانے۔

پس زمینداری اب اس کا نام ہو کہ کاشتکاروں سے جو کچھ وقت پر منت سے خوشامد سے وصول ہوا اپنے پاس پورا کر کے سرکار میں بھرا اور حق زمینداری میں تحصیل والوں کی جھڑکیاں نیں، دھکے کھائے، حوالات میں ہے۔ اشدائے خیر صلاح۔ گانوں میں واردات

ہو گئی تو پہلا مجرم زمیندار بہنیری تدبیریں کرتا ہو کہ بھلا کچھ بچے نہیں تو ہاجر کا سود تو پہنچتا ہے مگر برس کے دو سے کی ٹڈیوں کا پڑاؤ ایک تدبیر کو پیش رفت نہیں ہونے دیتا

صلاح کار۔ پھر جناب آپ فائدے سے قطع نظر کیجئے اور جو کچھ آپ کے پاس ہو بیٹھے ہیں مال عرب پیش عرب۔ اول تو آپ کی نشن ہی اتنی ہو گی کہ آپ اس میں بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیا کریں گے۔ گرہ سے نہ کھانا پڑے تو یہ فائدہ کیا کم ہو اور اگر آپ روپیے سے روپیہ کمانا چاہیں گے تو اس میں تھوڑی یا بہت زحمت بھی ہو گی۔

کم یا زیادہ خطر بھی ہو گا۔

والدہ ریچے کے معطل ڈال رکھنے کو تو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ دیکھو کوئی علاقہ میٹروپولیٹن کا۔ ہر چند زمینداری میں چند در چند قباحتیں ہیں پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو زمینداری کرنی نہیں آتی ورنہ بہتری گنجائشیں نکل سکتی ہیں اور جو ناجائز تکلیفیں زمینداروں پہنچتی ہیں اکثر ان ہی کی ناواقفیت کی وجہ سے۔ اور اگر ان کو پورے طور پر اپنے حقوق اختیارات اور ذمہ داریاں معلوم ہوں تو اب بھی زمینداری بے بہتر چیز ہے۔ اور میں جو اس کو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو اس کی ایک جہ خاص اور بھی ہو کہ اب میسری ہونے والی ہر پنشن یوں تو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے میں کسی طرح کام سے معذور نہیں۔ اب بھی چھ سات گھنٹے قلم ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اور دس کو س پندرہ کو س بے نکان گھوڑے پر چڑھ سکتا ہوں۔ انگریزوں کی طرح پیدل دوڑتا تو نہیں جاتا لیکن یوں ہوئے ہوئے دو تین کو س چل لینا کچھ بات نہیں۔ غرض کوئی حاکم مہربان ہو تو پچپن سالہ کے قاعدے سے مستثنیٰ ہو سکتا ہوں۔ مگر اب ہر کار کا منشا نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کو انگریزی نہیں آتی بڑے عہدوں پر رہیں تو ایسے سر پرٹ کر نوکری کرنی کیا ضرور ہے۔ اور سر پرٹنا کیسائیں تو بہتیرا پاؤں پڑوں مگر اگلا ہاتھ بھی دھوے۔ تو میں سوچتا ہوں پنشن ہوئے پیچھے کیا کروں گا۔ ساری عمر کام کرتے گزری تو کوئی نہ کوئی مشغلہ ہونا ضرور ہے۔ زمینداری سے بہتر کوئی مشغلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ تحصیل داری اور ڈپٹی کلکٹری تو کہاں تاہم اس میں ایک طرح کی حکومت ہو غرض ضلع بلند شہر کا وہ مشہور گاؤں خلا داد پور جو آپ نے سنا ہو والد نے خرید لیا۔ دھل خاج میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ آخر کار دیوانی کرنی پڑی اور ہائی کورٹ سے قبضہ ملا۔ اب الد کی پنشن اور کانوکی آمدنی ملا کر چھ سات سو روپے مہینے کی معقول یافت ہو۔ مگر چوں کہ والد کو

ہمیشہ سے جوڑنے کا مرض ہے میں اُن کو کبھی خوش نہیں دیکھنا اگرچہ وہ آپ انگریزی نہیں پڑھتے اور اُن کے خیالات بھی کچھ ایسے شگفتہ نہیں ہیں مگر آخر ڈپٹی کلکٹر کی کرتے تھے اتنی بات اُن کو زمانے نے سکھا دی تھی کہ مجھ کو انگریزی پڑھنا ضرور ہو جی کنا بہت شعاری کی وجہ سے وہ مجھ کو انگریزی پڑھواتے رہے۔ مگر کس طرح؟ کہ اُن کے ملاقاتیوں میں سے یا انگریزی فکری کرانیوں میں سے میری کسی کے پاس چلا گیا۔ یا کسی کو ڈپٹی صاحب کا ایسا ہی پاس ملاحظہ ہوا تو تھوڑی دیر کے لیے اُس نے تکلیف کی۔ میں نے اس وجہ سے پاپے یا چھ برس انگریزی پڑھی اور جس کے باپ کو انگریزی نہ آتی ہو اُس کو ایسے طور پر پڑھنے سے جتنی اور جیسی انگریزی آنی چاہیے مجھ کو آتی بھی تھی۔ اتنے میں تو سن پڑا کہ کل سید احمد خاں آنے والے ہیں۔ ڈاک بنگلے میں ٹھہرنے لگے اور اگلے دن علی گڑھ کا بج کے لیے چند جمع کرنے کی غرض سے لکچر وں گے سید احمد خاں کا نام تو سُنتا ہی تھا میرے دل میں بھی گد گدی ہوئی کُلان کو دیکھوں اور لکچر سنوں۔ باسے والد صاحب اُن سے ملنے گئے تو مجھ کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ والد سے اور اُن سے پہلے کی بھی ملاقات تھی۔ مجھے ساتھ دیکھ کر پہچان گئے ہوں گے کہ اُن کا بیٹا ہے غرض میں نے دور سے بہت ہی اُجھک کر سلام کیا۔ اور اُن کے فرمانے سے ایک کرسی پر مودب بیٹھ گیا۔ والد کی طرح لباس میرا بھی ہندوستانی تھا مگر سادہ اس واسطے کہ بڑھاپا ہوتا تھا نہ وہ آپ پہنتے تھے اور نہ مجھ کو زرق برق کے کپڑے پہننے دیتے تھے۔ والد صاحب اور سید صاحب دونوں باتیں کر رہے ہیں اور میں سر جھکائے سید صاحب کو کبھی کبھی انچی نظروں سے دیکھتا جاتا ہوں۔ آخر والد صاحب نے کہا دیکھیے آپ کی منشا کے مطابق میں بندہ زادہ کو انگریزی پڑھوا رہا ہوں۔

سید صاحب۔ ایسا انگریزی پڑھوانا کیا فائدہ دے سکتا ہے جب تک تم اس کو خٹملین نہ بناؤ۔

اور تمھاری سوسائٹی میں رہ کر ہو نہیں سکتا۔ نری انگریزی پڑھ کر یہ بہت کرے گا تو ایک کرائی بننے کے لائق ہو جائے گا۔ اور ایک اسٹنٹ اس کو ویسا ہی ذلیل سمجھے گا جیسا ہم لوگ تم کو سمجھتے ہیں۔

والد۔ تو کیا میں اس کو کسی سکول میں داخل کر دوں؟

سید صاحب۔ ان سکولوں اور کالجوں سے تو یہی بہتر ہو کہ تم اس کو گھر پر پڑھو اور جیسا پڑھواتے ہو۔

والد۔ پھر آپ جیسا ارشاد فرمائیں۔

سید صاحب۔ ابھی تک آپ میرے ارشاد فرمانے ہی کے منتظر ہیں میں ولایت تک کی خاک چھان آیا کئی برس مجھ کو بھیک مانگتے ہو گئے۔ اپنے اوپر کفر کے فتے لکھوائے گائیاں سنیں۔ بُرا کہلوایا۔ ابھی تک آپ کو معلوم ہی نہیں کہ میں کیا ارشاد فرماتا ہوں۔ اے جناب میں آپ کی خدمت میں بہت انتہا کرتا ہوں کہ آپ اس کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میں اس کو لے جا کر علی گڑھ کالج میں داخل کر دوں۔ ابھی تک آپ نے اس کو پڑھوایا ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کیا ہو میرے اور آپ کے سامنے بیٹگی ملی بنا ہوا بیٹھا ہو۔ گویا یہ آدمی نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہو کہ میں بھی آدمی ہوں اُس کو لے جاؤں گا اور آدمی بناؤں گا۔ اس کو سیکھاؤں گا کہ تو کیا ہو اور تجھ کو کیا ہونا چاہیئے۔ یہ پہلے اپنی عزت آپ کرے گا اور پھر دوسروں سے طلبگار ہوگا کہ اس کی عزت کریں۔ اسٹنٹ جنٹ کلکٹر کیا چیز ہیں۔ اس سے لاٹ صاحب کے آگے بھی ہاتھ نہیں جوڑے جائیں گے ہاتھ جوڑنے کے عوض یہ اُن سے شیک ہینڈ کرنا چاہے گا اور اُن کو شیک ہینڈ کرنا پڑے گا۔ اور وہ اس کے ساتھ شیک ہینڈ کرنے سے اتنے خوش ہوں گے جتنے تمھارے ہاتھ جوڑنے سے نہیں ہوتے۔ یہ انگریزوں سے نہیں ملے گا

اس طرح چڑ بس طرح تم لوگ ملتے ہو کہ احاطے سے باہر سواری سے اترے اور دبے پاؤں لگاتے جس کی بڑی رسائی ہوئی شاگرد پیشیوں میں بیٹھا۔ ورنہ نہ ذات اور بے عزتی کے ساتھ دور دور پڑا پھر اڑی لمبی چوڑی عزت رکھتا ہو تو گھنٹوں کے انتظار کے بعد بلا یا گیا۔ کھڑے کھڑے سلام کیا۔ رخصت صاحب پجری جانے لگے۔ ماوشا فراشی آداب بجالاتے دل میں فرض کر لیا کہ دیکھا اوپر چنانہ خوشی خوشی واپس آئے اور گھر جا کر شہنی بگھاری۔ یہ انگریزوں سے ملے گا جس طرح ایک جنگلین ایک جنگلین سے ملتا ہو۔ ملاقات کے اوقات معلوم ہیں عین برآمدے میں سواری سے گئے۔ کار ڈھینچ دیا۔ صاحب آپ باہر آکرے گئے۔ یا اُن کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ طیار ہو کر آئے۔ ہاتھ ملایا۔ بٹھایا۔ جی کھول کر باتیں کیں عزت سے گئے تھے، آبرو کے ساتھ رخصت کیا۔ اور ہمارے کالج کے لڑکے اسی طرح اب انگریزوں سے ملتے ہیں۔ جج اور کلکٹران کے ساتھ کرکٹ کھیلتے اور دوستانہ ان کے ساتھ مدارات کرتے ہیں۔

یہ باتیں ہو ہو کر اُس وقت ہم دونوں باپ بیٹے رخصت ہوئے! گلخان سید صاحب نے مسلمانوں پر لکچر دیا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ لکچر تھا یا سحر تھا۔ سید صاحب آپ بھی روئے اور سُنے والوں کو بھی ایسا ایسا لایا کہ لوگوں کی اپنی بندھ گئی۔ بندے کو ایک بائیس برس کے سُنے کا بھی اتفاق ہوا ہو۔ عجب بالکل آدمی تھا۔ رزم پڑھ رہا ہو اور لوگ ہیں کہ اُچھل اچھل پڑتے ہیں اور ہر طرف سے واہ واہ اور تحسین کی صدا بلند ہو۔ کہ دفعاً پکارا صاحبو اپنے اپنے رومال سنبھا لو کہ میں کچھ رقت آمیز بند پڑھنے کو ہوں۔ اس کے بعد تو مجلس کی یہ کیفیت ہوتی تھی جیسے مرغِ نسل۔ میزنبس اہل بیت نبوی علیہ السلام کے مرثیہ خواں تھے۔ اور سید احمد خاں مسلمانوں کی قوم کے مرثیہ خواں ہیں۔ وہ اپنے فن میں

طاق تھے، یہ اپنی شان میں یکماتے روزگار ہیں۔ اگرچہ میرے سامنے ہی سید احمد خاں صاحب نے والد سے مجھے علی گڑھ بھیج دینے کے لیے کہا تھا مگر میں جانتا تھا کہ والد صاحب اتنا خرچ گوارا نہیں کر سکیں گے۔ دوبارہ والد اکیلے سید احمد خاں سے ملنے گئے۔ خدا جانے کیا بچھایا کیا نہ سمجھایا کہ گھر آتے کے ساتھ میری کتابیں اور کپڑے بیگ میں رکھ مجھ کو سید صاحب کے ساتھ کر دیا۔ پہلے ہی مہینے میں دوسو ساڑھے بارہ روپیہ کا بل گیا۔ والد تو بہت گھبرائے کہ یہ کیا آفت آئی۔ اور سید صاحب کو لکھا کہ میں ایسی تعلیم سے باز آیا میرے لڑکے کو اٹنا بھیج دیجیے۔ مگر اس لکھا پڑ ہی میں اتنا عرصہ گزرا کہ میرا جی لگ گیا تھا میں نے والد کو صاف لکھ دیا کہ میں پڑھوں گا اور علی گڑھ کا بج ہی میں پڑھوں گا۔ نوبت بانجرا سید کہ آخر کار والد صاحب خود شریف لائے اور میرے ٹھاٹھ دیکھ کر بہت ہی ناراض ہوئے اور لمبے غصے کے یہ بھی تو نہ پوچھا کہ میں نے اتنے دنوں میں کیا ترقی کی ہو کہ ج میں لکھ میں کرکٹ ٹیم کا کپتان ہوں جسٹارٹنگ میں ہمیشہ اول رہتا ہوں تب تو بارنگ ریس جیت چکا ہوں۔ پڑھنے میں میرا سائنس کمزور ہو مگر تلفظ ایسا اچھا ہے کہ کسی انگریزوں نے میرے موند پر تعریف کی ہو۔ تاہم میں میدان کرتا ہوں کہ امسال انٹرنس ضرور پاس کروں گا۔ میں خانگی جھگڑوں کے بیان کرنے سے آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا خلاصہ یہ کہ والد نے بات کا ایسا تنگڑ بنایا کہ ناخوش ہو کر شہر میں چلے گئے اور سارے کنبے کو جمع کر لیا اور مجھ پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا چاہا مگر اصل مسئلے کی ایک ٹانگ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنی ہٹ پر چار رہا۔ اور میں نے سب کو یقین دلادیا کہ اگر میرے ارادے میں کیا جانی ہوگی تو میں اپنے تئیں ہلاک کروں گا۔ چوں کہ میں ایک بیٹا ہوں اور سوائے اس کے جھٹلیں کی شان سے رہنا چاہتا ہوں۔ کسی طرح کا الزام میرے فتنے عائد نہیں ہو سکتا تھا۔ اور لوگ

والد کی کفایت شعاری اور خیررسی سے بے وجہ ناراض بھی تھے۔ سب سے والد کی قابل معقول کیا کہ تمھاری یہ عمر آئی کہ تم کو یا قبر میں یاؤں ٹکائے بیٹھے ہو اور تمھارے اندھیرے گھر کا ہی ایک چراغ ہو تم نے اب تک جو کچھ کیا اسی کے لیے کیا اور اب بھی جو کچھ کرتے ہو اسی کے لیے کرتے ہو۔ کیوں اس کو ضد دلاؤ؟ جو ان لڑکا ہوا یا نہ ہوا اپنی جان پر کھیل جائے۔ اور اگر خراب کرنے پر آئے گا تو آج نہیں کل تمھارے بعد اینٹ سے اینٹ بجائے گا۔ اس وقت کون اس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہو۔ ہماری صلاح مانو تو خدا داد پورا اس کے سر مارو۔ یہ جلنے اور اس کا کام جانے جو چاہے سو کرے۔ تم جب تک جیتے ہو نہیں ہو تمھاری پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ اور آخر کار یہ بھی بڑے نام و نمود کے کالج میں پڑھنا ہو اور سنتے ہیں کہ یہاں لڑکوں کے چال چلن کی بہت نگرانی کی جاتی ہو۔ انگریزوں سے ملنا جلتا ہو اور یہ لوگ جیسے منتظم ہوتے ہیں ظاہر۔ کچھ تو ان کی خوب اس میں بھی آئی ہو گی۔ دودھ پیتا بچہ نہیں۔ اتنا تو سمجھتا ہو گا کہ اگر جائداد کو ضائع کر دوں گا تو یہ اللہ تلے کی زندگی کیسے بنے گی۔ کچھ پس و پیش نہ کرو اور رسم اللہ کر کے خدا داد پورا پر اس کا نام پڑھو اور کہ اسی کے سر پر بوجھ ہے۔ یہ خدا داد پورا جس پر اب میں اکیلا قابض و متصرف ہوں مجھے زندگی شروع کرنے کے لیے بہت ہو۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہو کہ انٹرنس پاس کیا اور میں ولایت روانہ ہوا۔ خدا داد پورا پر مجھ کو پندرہ بیس ہزار روپیہ مل جانا کچھ بات نہیں تین برس میں ولایت رہوں گا بیرسٹری کے لیے قانون پڑھوں گا۔ انگریزی میری اب بھی اچھی ہو۔ ولایت میں اور بھی ہو جائے گی۔ بیرسٹری کے امتحان میں کسی کو فیل ہوتے سنا نہیں۔ کچھ لکچر ہوتے ہیں کہ وہ سننے بڑتے ہیں۔ بے شک میں اپنے دیرے کی سوسائٹی میں لموں چلوں گا۔ اور کسی نہ کسی مس کے ساتھ اپنی بیٹس جالوں گا۔ میں نے تحقیق سنا ہو

کہ وہاں شادی کر لینا کچھ بات نہیں عورتوں کو مرد کم ملتے ہیں اور خوش حال آدمی پر مسیں اس طرح کرتی ہیں جیسے شہر پر مچھیاں جب میں بیرسٹری کا ڈپلومہ ویزم کے کر ہندوستان واپس آؤں گا تو میں سب سے زیادہ خوش نصیب آدمی ہوں گا دُنیا میں۔
 ب۔ ”نہیں نہیں تم سب سے زیادہ بد نصیب آدمی ہو گے دُنیا میں۔“

الف۔ ”کیا اس وجہ سے کہ میں ولایتی بی بی کا خچ نہیں چلا سکوں گا؟ ذرا مجھ کو بیرسٹری کا ڈپلومہ تو لے آئے دیجیے دکھا دوں گا کہ انگریزی گفتگو کے ذریعے سے کتنے کماسکتا ہوں۔“

ب۔ ”میں نے خچ کے لحاظ سے نہیں کہا۔ آپ تو اشار اللہ بیرسٹری کے بدون بھی اتنا مقدور رکھتے ہیں۔ بلکہ میں نے اختلافِ صورت، اختلافِ مزاج، اختلافِ طبیعت، اختلافِ رسم و عادت، اختلافِ مذاق، اختلافِ دفع، اختلافِ مذہب، اختلافِ حالت کے اعتبار سے کہا کہ اتنے اختلافات کے ہوتے یہ بیونہ مض بے جوڑ معلوم ہوتا ہے اور میں یقین نہیں کرتا کہ یہ گنگا جمنی رشتہ تم دونوں میں سے کسی کو بھی سازگار ہو۔“

الف۔ ”اگر ہم طبیعت اور رسم و عادت اور کیا اور کیا کے ایسے مغلوب ہیں تو ہمارا اس کلیجہ میں رہنا لافصل ہو۔ میں اپنے تئیں دیکھتا ہوں کہ بالکل بدل گیا ہوں اور نیٹو سوسائٹی سے مجھ کو سخت نفرت ہو۔ اور مجھ کو ان کی کوئی ادانہیں بھاتی اور برہمنوں میں تعطیل میں مجبوری گھر جاتا ہوں تو گھر مجھ کو پھاڑے کھاتا ہے اور یہی سبب ہے کہ میں ولایتی بی بی لانی چاہتا ہوں۔“

ب۔ ”یہ تمہارا خدع نفس ہے اور میں تمہاری سائے کی تردید میں اتنے واقعات چشم دید پیش کر سکتا ہوں کہ ان کو سننے کے بعد ضرور تم کو اپنی سائے بدلتی ہوگی میں نہیں کہتا کہ ان اپنے اختیار سے اپنی کوئی چیز نہیں بدل سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو صحبت و تلقین و تعلیم

اور انہام و تفہیم سب بخود لاطال باننا پڑے۔ مگر ہاں بیضر و میری رائے ہو کہ بعض باتیں ان میں ایسی بھی ہیں اور وہ شاید اُس کی خاص فطرت میں داخل ہیں کہ وہ ان کو مشق و مہارت سے کم تو کر بھی سکے مگر مطلقاً معدوم نہیں کر سکتا۔ ازاں جملہ ایک مذاق ہو کہ اس کی جبرطبیعت سے نہیں نکلتی۔ بندے کے والد اصل میں دیہات کے ہیں۔ اور کوئی دس گیارہ برس کی عمر سے شہر نیاں۔ اور تب سے برابر شہر ہی میں ہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو اُن کی طبیعت چنے کے ساگ، تبھوے کی بھوچی، چوٹی کی روٹی ایسی چیزوں کو لچلچایا کرتی ہے اور باوجودیکہ گھر میں لوگ ان کو چھیڑتے بھی ہیں مگر وہ مذاق سے مجبور ہیں اور جب کبھی اُن کو اپنی مرضی کی کوئی چیز مل جاتی ہے اگرچہ کم ملتی ہے اور شکل سے ملتی ہے مگر جب کبھی مل جاتی ہے تو ایسے چاؤ سے کھاتے ہیں کہ کبھی پلاؤ زور سے کو بھی اس رغبت سے کھاتے نہیں دیکھا۔ اس سے زیادہ عجیب ایک بات سنو کہ مسٹر فلاں کو یہ انگریزی طرز اختیار کیئے ہوئے میں جانتا ہوں تیس برس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے تیس برس کی عادت کو طبیعت ثانیہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں۔ اور چونکہ خدا نے اُن کو بہت بڑا مقدور دے رکھا ہے جس قدر تکلیف سے رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں، اور یہ سارے سخرے دولت ہی کے ہیں۔ تو ان سے کوئی انگریزی شان چھوٹنے نہیں پائی اور انگریز بھی ریل اور پولیس کے سٹرل پورشین نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کے دلایت زرا۔ یہ صاحب ایک دفعہ پڑے بیمار ہلکا سا بخار تھا مگر امیری چوچلے ان کے لئے وہ بھی بڑا ہی خطرناک تھا۔ دن میں گھنٹے گھنٹے بعد ٹیڑھ لیا جاتا تھا۔ انگریز تو بلائے ہوچہا تھرمیٹر کے قسم کی ایک نلی نکالی ہے اس سے حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے جو چلے دیکھ لے اس نلی کے آگے نبض اور قارورے اور زبان کی رنگت کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی

اُس نئی کو پہلے مریض کی بغل میں رکھتے تھے۔ اب مؤنہ میں رکھنے لگے ہیں۔ آئندہ دیکھیں کہاں رکھنا بخیر کریں۔ غرض دن میں گھنٹے گھنٹے بعد میز پر لیجا جاتا اور ایک کتاب میں لکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر میز پر لیجے کر باہر آیا اور مریض صاحب کے اعزہ اور احباب اور خوشامدی اور اہل اغراض اُس کو آچسے۔ اُن لوگوں کو مریض کی حرارت کی اتار چڑھاؤ کی ایسی لگی رہتی تھی کہ آج اکسینج کے اتار چڑھاؤ کی بھی کسی کو بھی نہیں لگی رہتی۔ بعض کے تو ایسے مغز چلے پھڑپھڑتے تھے کہ وہ مریض کا بلٹین نکالنے کی فکر میں تھے، جیسا آئے دن بڑھے گلیڈسٹن کا نکلتا رہتا ہو۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہو اور سچا ہو کہ جنبش نہیں کھاتا۔ ڈاکٹر نے اوپر سے کونین کی ایسی بھولاہ کی کہ اُس کی پیوست سے مریض کو ہلکا ناگ کیا۔ اس بکسنے میں بیمار کو مہیر کی رڑ لگی ہوئی تھی۔ بیمار داروں میں کوئی سمجھتا تھا کہ مہیر کیا چیز ہو۔ اور جو اُن کے عزیز سمجھتے تھے وہ مارے شیخی کے بتا نہیں سکتے تھے کہ رسوائی ہوگی۔ مہیر غالباً جو ایسی قسم کے کسی اناج کے دیئے کا نام ہو جو دیہات میں چھاچھ کے ساتھ پیا جاتا ہو۔ بیمار نے کبھی بچپن میں اپنے گھر مہیر پیا ہوگا اور اُن کی مزہ مہیر میں ایسی پڑی تھی کہ بکسنے میں مہیر ہی مہیر رستے تھے۔ تو جب ایسے شخص کا مذاق بدلاتو کیوں کر باور کر لیا جائے کہ تمہارا کسی کا مذاق بدل سکتا ہو اور یہ تو میں نے مثال کے طور پر بیان کیا۔ کتنی ایسی باتیں ہیں کہ طبیعت میں جہیں تو جہیں پھر ساری عمر نہیں مکتی۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بی بی فل ڈرس پہنے ہو کیا تم پسند کرو گے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ بغل گیر ہو کر بال میں ناچے، البشر طیکہ تمہارے تعلق کی وجہ سے کوئی انگریز اس کے بال میں بلانے یا آنے کا روادار ہو؟ کیا تم پسند کرو گے کہ وہ اجنبی لوگوں کے ساتھ آمد و شد یا خط و کتابت رکھے اور تم اُس سے اتنا بھی نہ بڑھو کہ وہاں جاتی ہو یا اتنی دیر کہاں رہیں، یا کس کا خط ہو اور کیا لکھا ہو؟ شاید تم اپنی بات کی پہچ پر اگر کھ دو گے

کہ ہاں پسند کروں گا۔ اور بے شک تم اس وقت ایسا ہی خیال کرتے ہو گے۔ مگر بھائی جان
مُسے سے کہہ دینا آسان ہو اور عمل میں لانا مشکل۔ جب تمھاری بی بی کے ساتھ تمھارے
دیکھتے کوئی لگاؤ کی باتیں کرے اور تم کو بُرا نہ لگے تو جانیں جب تک تمھاری گویاں میں
ہندوستان کا بلکہ مجھ کو کہنا چاہیے مسلمان کا خون ہو ممکن نہیں کہ تم ایسا اختلاط
ایسا گاڑھا ریط مضبوط ایسی بے تکلفی دیکھو اور بدگمان نہ ہو۔ الرجال قومون علی النساء
کی آواز اس وقت سے ہم سے کان میں بھونکی گئی ہے جب ہم صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ
عورت مان کو کہتے ہیں اور مرد باپ کو یا عورت بہن کو کہتے ہیں اور مرد بھائی کو۔ اور
اگرچہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں بہت پہلو دیتی کرنے لگے ہیں مگر الرجال قومون
علی النساء کے قاعدے پر بڑی سختی اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہمارا قومی مزاج
اسی قسم کا واقع ہوا ہے کہ ہم عورتوں پر حکمرانی کرنے کو اپنا حق لازمی سمجھتے ہیں۔ اور ہم نے
ہر ایک گھر میں اس قاعدے کو ایسے عام طور پر برتے جاتے دیکھا ہے کہ جہاں کہیں اس کے
ٹوڑنے کا نام بیا جاتا ہو وہیں فساد ہوتا ہے۔ جب تم کو شخصی مزاج کے بدلنے پر پوری
قدرت نہیں تو قومی مزاج بدرجہ اولیٰ تمھارے بس کا نہیں۔ اور یورپ میں بالکل اُس کا اُلٹ ہو
النساء قومات علی الرجال۔ تو تمھارا انگلش لیڈی سے شادی کرنا اور سازگاری کی
امید رکھنا اس سے زیادہ امکانِ قوی نہیں۔ لکھنا جیسے کوئی شخص جون اور دسمب کو ملا کر
ایک معتدل موسم بنانا چاہے میاں بی بی کے ایک اختلاف سے دونوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے
نہ کہ اتنے اختلافات کہ تم اور انگلش لیڈی میں سچائے اس کے کہ دونوں آدمی ہو اور کوئی
صفت مشترک نہیں۔ علاوہ اس کے جھوٹوں میں رہ کر خلوں کے خواب دیکھنا تو کچھ
ٹھیک بات نہیں۔ ولایت کی بات تو یہی ولایت کے ساتھ، اس ملک میں ہم ہندوستانیوں کو

ولایت کی سی آزادی تو نہ نصیب ہوئی ہو اور نہ کبھی نصیب ہوگی۔ ہم میں اور انگریزوں میں فاتح و مغلوب کا تفرقہ ہو جو نہ مٹا ہو اور نہ مٹ سکتا ہو۔ بنگالی پڑے بڑے بڑائیں اور سید احمد خانی بلا سے اپنے منہ میاں مٹھو نہیں۔ یہاں کے انگریزوں کو کب خوش آتا ہو کہ ہم ان کو چھڑیں اور چڑائیں کوٹ پتلون پہنتے تک کا توخیر چنداں مضائقہ نہ تھا۔ بعض کریم النفس انگریز ایسا بُرا نہیں بھی مانتے۔ مگر داماد بننا تو ہمارے یہاں بھی کھلی کھلی بے نقط گالی ہی تو تم انگلش لیڈی لاکرائی عزت تو کیا بڑھاؤ گے اُس بے چاری کو بھی اُس کے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی نظر میں بیل کر دو گے اور اس گستاخی کا خمیازہ بھگتو گے سو الگ۔ انگلش سوسائٹی تم کو اپنے میں لے گی نہیں اور ہندوستانی سوسائٹی سے خود تم کو گریز ہوگا تو تم دو میاں بی بی شہر کے باہر کیلے بنگلے میں پڑے کیا بھلے لگو گے؟ ازیں موراندہ ذراں موراندہ نکلن ہو کہ شروع شروع میں تم کو ہم صاحب کے ساتھ ایسا شغف ہو کہ کسی کا کسی وقت خلل انداز صحبت ہونا تم کو پسند نہ ہو۔ لیکن پھر سوسائٹی کی تم کو حاجت ہو اور ہو تو انگلش لیڈی کے تمھارے قید کحل میں آنے سے تم دونوں کو ساری عمر قید تنہائی میں رہنا ہو گا اس کو سمجھ لو۔

الف۔ خیر تو میں یو ریشین لیڈی کروں گا۔

ب۔ سچ بڑی عقل و دانش ببا بندہ کر لیت۔ اے وہ... نہیں جھی جھی۔ بات تو وہی کی ہی ہے اور اگر تمھاری قسمت میں یہی مصیبت لکھی ہو تو انگلش لیڈی بدراج بہتر مدغلے نہ ہو نہ تو ہر یہ بڑا کدھر عیب دیکھو تو چن چن کر دونوں قوموں کے موجود اور رہنے کے تمام ذرائع کے ان کے اور ایسی ہی نسل تم بھی چلائی چلے رہے ہو کہ خچر کی طرح پوچھیں باپ کو تو بتائے ماں کو۔

س۔ پر ایسا تہنہ اڑا کر بے چارے الف ہمزہ کے سے بل کھا کر رہ گئے۔ اس کے بعد کیٹی کے کئی جلسوں میں اس پر بحث رہی کہ اگر آدمی کو اپنے پسند کی بی بی کرنے کا موقع ملے تو

اس کو کون سی صفت کا گردیدہ ہونا چاہیئے۔ اکثر کی یہ رائے تھی کہ حسن صورت کا اس واسطے کہ یہی حسن صورت ہو جو ابتدائے مرد اور عورت میں کٹنی کا کام دیتا ہو لیکن ہماری کمیٹی کے معزز ممبر صل بسرجن کی رائے پر ان معاملات میں اکثروں کا اُصاد ہوتا ہو۔ کہتے تھے کہ نہیں ہیں اُن کی عبارت ہی بلفظہا کیوں نہ نقل کروں جس سے ان کا مطلب بخوبی سمجھا جائے۔

اُنھوں نے کہا کہ حسن صورت کی مخالفت سے میری یہ غرض نہیں کہ لوگوں کو حسن صورت کی طرف سے پھیر دوں۔ اُس کی پسندیدگی کو میں قریب قریب تقاضائے طبیعت سمجھتا ہوں۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ جس طرح انسان اور بہت سے بے اہل خیالات کیا کرتا ہوا ان میں ایک حُسن صورت بھی ہو۔ ہر ایک ملک کے آدمیوں نے ایک خاص طرح کے رنگ ایک خاص طرح کے تناسب اعضا کو اچھا سمجھ رکھا ہو اور کوئی پوچھے کہ کیوں تو کچھ بتا نہیں سکتے۔ لیکن یہ خیال ایسا اسخ اور ایسا عام ہو کہ دُنیا کے فسادات میں سے ایک تہائی ضرور اس کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ لوگ زر۔ زمین۔ زن تین چیزوں کو برابر کے درجے میں فساد کی جڑ کہتے بھی ہیں۔ کوئی ایسا ہی زبردست حکیم یا صوفی ہو تو اس خیال کو مٹائے یا دبائے۔ خدا جانے مزاج کی نفاست ہو یا جنون ہو یا جس کو دیکھ حسن صورت پر مفتون ہو۔ حُسن صورت بے اہل ہو یا نہ ہو مگر اس کے بے ثبات ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ تو میرا کہنا یہ ہو کہ اگر صرف حسن صورت مدارِ تعلق زنا شوقی ہو تو دونوں میں کئے دن جھگے گی۔ ایک طرف خدا کا فرمان ہو کہ آدمی پیدا ہوا اور ماں کے دودھ سے پرورش پائے۔ پھر جب دودھ کفایت نہ کر سکے تو اُس کو غذا کی چاٹ لگے۔ اور غذا کے چبانے اور نرم کرنے کے لئے اس کے دانت نکلیں اور تاکہ ایک حد تک وہ جلد جلد بڑھے۔ اور اس کی جسمانی اور مادی قوتیں ترقی پکڑیں اس کے اعضا میں پھرتی ہو اور جو اس میں تیزی پھر وہ چندے ایک حالت پر پھیر

اور پھر از خود گھٹتا اور مضحل اور کمزور ہوتا جائے۔ قطعہ
ایک وقت تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے پھر یہ ہوا گزرنے لگی کھیل کود کے
اب حال یہ ہو عالم پیری میں اے ظفر باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے
اور جیسے ابتدا میں مٹی سے بنا تھا آخر کار مٹی میں جا ملے۔ منہا خلقنا کم فیہا نعید کم و
منہا ننخر جکم تارۃ اخری غرض ایک طرف تو خدا چاہتا ہو کہ یہ خاک کا تیل اُنیا کی بھول بھلیوں
میں گشت کر کر کے اپنی جگہ پر لوٹ آئے دوسری طرف آدمی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا ہی مسجد
بنانے کی فکر میں ہو۔ وہ بھول بھلیوں میں آکر سب کچھ بھول بسر گیا اور سمجھتا ہو کہ بھول بھلیوں
میرا گھر ہو تو میں اس سے نکلوں کیوں مگر باہر جاؤں کس لیے؟ یہ قدم قدم پر ٹھٹھکتا اور
چلتا ہو۔ لیکن خدا کی طرف سے ایک مصیط اس کے پیچھے لگا ہو۔ وہ اس کو ٹھہرنے نہیں دیتا۔
یہ رکا اور اُس نے آگے کو دھککا دیا یہ اڑا اور اُس نے ہانکا۔ اس کی بیہودہ ہٹ تودیکھو
کہ جوانی تو جوانی پیری تک چاہتا ہو کہ میں بچہ ہی بنارہوں سورنہ سٹھیا جانے اور سترے
بہترے ہونے کے معنی کیا۔ اس نے جوانی کا رنگ و روغن باقی رہنے کے لیے پوڈر اور
خضاب نکالے ہیں۔

باقی ہو شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی کالا کرے گا منہ بھی جو ڈاڑھی سیاہ کی
دانتوں کے لیے بنجنوں اور غزاروں کے علاوہ یہ بنارش کی ہو کہ ان کو باندھ باندھ کر رکھنا
لیکن یہ سب دھوکے کی ٹٹیاں ہیں۔

گر قسم سال را کردی نہاں موج می سازی
گر قسم موعے را کردی سیہ بار و چنی سازی

اے ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے پھر ایک بار تم کو
نکال کھڑا کریں گے۔

آدمی اپنے جیسے احمقوں کو بہکا سکتا ہو مگر خدا کے آگے اس کی ایک نہیں چلتی۔ اگر مر نہیں تو جو بچہ ہو وہ جوان ہو گا ضرور جوان بوڑھا ہو گا بے شک۔ بوڑھا ایک نہ ایک ان کے گال کا نام انسان کو خدا نے عقل دی ہو اور صاحب فہم و شعور بنایا ہو۔ اُس کو کیا زیاہی کہ نادان بچوں کی طرح چند روز برق برق اور عارضی چمک دمک پر فریفتہ ہو۔ اور جو شخص ایسی چیزوں سے متلذذ ہوتا ہو اُس کی حالت اُس شخص سے زیادہ اطمینان کے لائق نہیں کہ ایک دریا ہو عمیق جس کی تنہا نہیں اور اُس میں ایک جگہ ایسا بھنور پڑتا ہو کہ اس کا گرا ہوا کبھی اُچھلا ہی نہیں۔ اور اس میں بے شمار مروجہ خوارنا کے اور گھڑیاں منہ کھولے پھرتے ہیں۔ اس بھنور کے عین کنارے پر وہ شخص کھڑا ہو اور کنارے کی مٹی ایسی بھر بھری ہو کہ ہمہ وقت دریا اُس کو کاٹتا رہتا ہو کیا بھروسہ ہو کہ یہ شخص کس وقت غرطہ پانی بھنور میں جا رہے گا، اور کیا معلوم بھنور میں گرے پیچھے اس کو کوئی جانور نکلے گا یا پانی کا گھماؤ اس کو نہیں اُچھلنے دے گا۔ یہی حال حُسن پرستی کا ہے۔ خدا کسی پہلے مانس کو اس کی چاٹ ہی نہ لگائے۔ جن لوگوں کو اس کی لت پڑی دیکھی ہو اول تو اُن کی نیت کچھ ایسی ڈانوا ڈول ہو جاتی ہو کہ نہ موقع دیکھیں نہ محل اچھی صورت سامنے آئی اور ان کی رال ٹپکی ہو دوسرے جو کہا ہو جیسا کہ الشیء لعمری دلصہ بس اسی محبت چھلوتا ہوا ہو لوگوں نے اس کے پیچھے مال تلف کیئے، آبرو میں کھویش، اور ہمتیروں نے جانیں بھی گنوائیں اور اس میں مبتلا بھی اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو بازاری طور کے ہیں بد وضع، آبرو خستہ، لوگوں کی نظروں میں سبک۔ کچھ تو دین نے روک تھام کی اور بہت کر کے لوگ ان خرابیوں کو بھی دیکھ کر ڈرے جو حُسن پرستوں کو آج نہیں توکل اور کل نہیں تو پرستوں

لے کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہر کر دیتی ہو۔

ضرورت پیش آتی ہیں۔ اس سے یہ ہڑک ہتھوں کو نہیں اُبھرنے پائی ورنہ ہمارے یہاں کی شاعری نے تو بچے بچے کو فریاد و مجنوں بنا ڈالا ہونا اور بھڑکے اُس کی جان کا دشمن میں اور میرے خون کے پیاسے تم۔ لیکن کان پڑی ہوئی آواز خالی بھڑکی جاتی ہے جن کے منہ پر ہنر ہو اُن کے بھی دلوں میں دفتر لکھے پڑے ہیں جو آنکھ بھر کر نظر کرنے کو جائز نہیں رکھتے ساری رات اسی کے خواب دیکھتے ہیں۔

یہ تقریر سن کر سارے ممبروں میں ایک سناٹا سا گزر گیا۔ اور کسی سے اتنا نہ ہوسکا کہ حسن صورت کی تائید میں ایک لفظ تو منہ سے نکالتا۔ اس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو ایک صاحب نے چھوٹے ہی یہ سوال پیش کیا کہ اگر کسی کو اتفاق سے دولتمند بنی بی بی ہوتی کمیٹی اُس کو کیا رائے دیتی ہو۔

م۔ ”دُنیا میں اس سے بدتر کوئی ذریعہ معاش ہو نہیں سکتا۔ اور جن لوگوں کی ایسی دولت مل گئی ہے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور اس کی مثالیں کثرت سے تو نہیں مگر ہاں موجود ہیں۔“

س۔ ”لیکن لوگوں کو کیا حق ہو کہ ایسے شخص کو ذلیل سمجھیں۔ اُس نے کسی کا مال نہیں مارا۔ چوری نہیں کی۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ کسی ناجائز طریقے سے روپیہ نہیں کمایا۔ دُنیا میں ایسے بہت لوگ ہیں جن کو خدا بے زحمت دے دیتا ہو۔ لوگوں کو بخت اتفاق سے کبھی کے دے کر طے خزانے مل مل گئے ہیں۔ یا کسی اور طور پر غیر متوقع فائدے پہنچے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ خدا دینے پر اتنا ہی تو جتنی بھڑا کر دیتا ہو۔ نری خیالی بات تو نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور ہو رہا ہو اور ہوتا رہے گا۔ سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک ہی ذریعے سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ سب کے سب کی ایک حالت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص بی بی کے

ذریعے سے مال دار بننا چاہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ شاید فیما بین کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلے گا جس نے دوسرے کی دولت سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ اور نہیں تو اس نے بزرگوں سے ہی کچھ نہ کچھ میراث میں پایا ہو گا تو وہ دوسرا شخص بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ لوگ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ رشکِ حسد اس کا باعث ہوتا ہو گا جس سے شاید کوئی نفسِ بشر خالی نہیں۔ لوگ کسی کی دودھ اور چھتری نہیں دیکھ سکتے،

م۔ ”تو کیا آپ ایسی کو جائز رکھتے ہیں کہ شوہر بی بی کا کنوڑا ہو کر رہے؟“

س۔ ”یہ سوال خلیج از بحث ہے۔ اول تو ضرور نہیں کہ ہر ایک مال دار بی بی اپنے مال دار ہونے کی وجہ سے نکٹوڑے کرے اور فرض کیا کہ کرے تو شوہر کو یوں بھی بی بی کی ناز برداری کرنی ہی پڑتی ہے کہ مال دار بی بی کی۔ اور اگر مرد ایسا تنگ مزاج ہو اور بی بی کے ساتھ اس دیکھے کی مغایرت برتنا چاہتا ہو تو ایسے شخص کو بی بی ہی کرنی کیا ضرور ہے۔ اور ایسی مثالیں بھی میری سماعت میں آئی ہیں کہ مال دار بی بیوں نے نفعِ بدگمانی کے لیے معمول اور توقع سے زیادہ شوہروں کی اطاعت کی ہے۔“

م۔ ”کچھ بھی ہو۔ اپنی حمیت تو تقاضا نہیں کرتی کہ جو رد کے دست نگر ہو کر رہیں۔“

س۔ ”آپ شاید کسی بات میں بھی بی بی کا شوہر سے بہتر ہونا پسند نہیں کرتے؟“

م۔ ”بے شک۔“

س۔ ”صورتِ شکل میں بھی؟“

اب تو م صاحب سٹ پٹائے اور ایک تیسرے صاحب ج. ب. نے نہیں کہاں پیہ

کہاں صورتِ شکل۔ صورتِ شکل عورت کی صفت لازمی ہے۔“

س ”صورتِ شکل پر بھی عورت کو دیا ہی ناز کرنے کا موقع ہے جیسا دولت پر“
 ج ۲: ہاں لیکن وہ ناز اور قسم کا ہی ناز اور قسم کا۔“

اس رد و کد میں کوئی بات طے ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی تھی کہ اصل صاحبِ کھڑے ہو کر فرمایا۔
 بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اس خاص باب سے میں خدا کا فرمودہ موجود ہے جس سے بخوبی اس نزع کا فیصلہ
 ہو جاتا ہے وہ جو میں نے کبھی کے کسی جلسے میں قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی الرجال قوامون علی النساء
 وہ حقیقت میں پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا جز ہے اور مجھ کو اُس وقت اُسی جز سے کام لینا تھا اُس جز
 ساتھ اتنا اور بھی ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا من
 اموالہم اِس آیت میں خدا نے عورتوں پر مردوں کے قوم یعنی صَکْران یعنی بے کف کے دو سبب بیان کیے ہیں۔
 ایک مردوں کی فضیلت مطلق عورت پر لیکن وجوہ فضیلت بیان نہیں فرمائیں۔ اس سے
 معلوم ہوا کہ مطلقاً مرد مطلقاً عورت پر فضیلت اور برتری رکھتا ہے۔ اور یہ فضیلت خلقی ہے اس
 قسم کی جیسے انسان کی فضیلت جانوروں پر کہ گھوڑا اگرچہ وہ نجد عرب کا ہوا اور اگرچہ وہ کاہ کی
 نسل مستند کا ہو تاہم اُس پر فضیلت ہذا ان کو اگرچہ وہ جشتی یا خوشی یا گوند یا بھیل ہی کیونہ ہو۔
 دوسرا سبب عورتوں پر مردوں کے حکمراں ہونے کا فرمایا ہے۔ بما انفقوا من اموالہم کہ عورتوں پر
 اپنا مال خرچ کرتے ہیں یعنی مہر دیتے اُن کے نان و نفقہ کا بار اٹھاتے۔ تو جو شخص عورت کا
 دست نگر ہو کر رہنا چاہے وہ پھر بھی قوام ہو گا اِس لیے کہ اُس کی خلقی فضیلت باقی ہے جو
 اس سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتی مگر ادھر اکیوں کہ اُس کو وہ دوسری خرچ کرنے کی
 فضیلت حاصل نہیں اور جو شخص مالدار بنی بی ڈھونڈھتا ہے آخر کوئی نہ کوئی اُس کی غرض غایت
 تو ضرور ہوگی اور وہ ہے اِس کے کہ ہو سکتی ہے کہ وہ بی بی کے مال سے متمتع ہونا چاہتا ہے۔ اور یہ
 دلیل ہے اُس کے نفس و زمّت کی اور افسوس ہے کہ ہمارے کالج کا کوئی طالبِ علم، ہماری کمیٹی کا کوئی ممبر

ایسے پست خیال کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے دل میں آنے دے۔ آخر دولت آدمی ہی پیدا کئے ہیں اور جو دوسرے آدمیوں نے کیا ہی یاد دوسرا آدمی کرتے ہیں کیا وجہ کہ ہم نہ کر سکیں اور اگر ہم ہمت ہار دیں گے تو بُرے نمونے ہوں گے اپنے اپنے جہنم کے لیے اور موجب بدنامی ہوں گے۔ اپنے کالج کے حق میں، جس رسوائی سے خدام سب کو بچائے۔“

اس پرائیمن کے غل سے سارا کمرہ گونج اٹھا اور جلسہ درخواست ہوا۔ ہماری کمیٹی میں شہرچی یہاں کسی کی خصوصیت تو ہونہیں مگر اتفاق سے جتنے نمبر میں سب شہری، دلی اگرہ لکھنؤ بنارس کے رہنے والے۔ الا ایک صاحب شیخ کہ وہ ضلع سہارن پور کے رہنے والے ہیں۔ یہ صاحب جاتو ہونے والے تو ایسے جید ہیں کہ شروع سے لے کر اب تک کمیٹی کا کوئی جلسہ نہیں ہوا جس میں یہ نہ رہے ہوں سنتے تو بڑی توجہ سے رہتے ہیں مگر آپ کچھ دخل نہیں دیتے۔ آخر ایک دن خدا جانے کس نے کہا کہ آپ بھی تو کچھ فرمایا کیجئے تو لگے کہ نہ مجھ کو تمہاری کمیٹی کے مباحثوں میں مزہ تو بہت ملتا ہو مگر مجھ کو اس کمیٹی سے کوئی ذاتی تعلق نہیں اس لیے کہ میں بھید ادبیات کا رہنے والا ہمارے یہاں بڑی قیدیں ہیں اور وہاں انتخاب کا قاعدہ چل نہیں سکتا۔ عورت تو عورت ہمارے یہاں کو ارا مرد بھی گودہ کیس ہی جو ان ہو اپنے بیاہ برات کے معاملے میں بھلی یا بُری کوئی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ وہ لوگ اس کو پہلے شے کی بے حیائی سمجھتے ہیں۔ دوسرے ہم ہیں جتھے اور برادری کے لوگ کوئی کتنا ہی امیر ہو یا کیسا ہی بڑھ لکھ جائے اگر اس کو دیہات میں رہنا ہو تو چار دواچار برادری کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ یہاں تک کفو کا خیال کیا جاتا ہے کہ مثلاً میں شیخ ہوں اول تو ہونے ہی کیوں لگا، لیکن اگر بالفرض سید بھی مجھے بیٹی دینے پر راضی ہو تو میں نہیں لے سکتا۔“

شیخ صاحب تو اتنا کہہ کر چپ ہو گئے اور اس پر بہت مبالغہ گفتگو کرنے پر آمادہ معلوم ہوئے تو

جلسے کے پریزیڈنٹ نے کہا کہ شیخ صاحب نے بات تو مختصر کی مگر اس میں دوسرے بڑے بحث طلب اغراض کیٹی سے متعلق ہیں۔ ایک شرافت، دوسرے شرم۔ میں امید نہیں کرتا کہ آج کے جلسے میں ان کو طے ہو سکیں گے تو جن صاحب کو کچھ کہنا ہو شرافت کی نسبت اپنا خیال ظاہر کریں اور شرم کو اگلے جلسے پر ملتوی رکھا جائے۔

الف۔ میرے نزدیک شرافت یعنی شرفِ نسب کوئی چیز نہیں۔ ہمارے پاس عقلی شہادت موجود ہے کہ کل آدمی ایک آدم کی اولاد ہیں۔ ان کی جسمانی بناوٹ، ان کی خواہشیں، ان کی ضرورتیں سب یکساں ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دینی وہ خیال ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ ہم مسلمانوں کے متنازل کا باعث ہوا جو لوگ شریف گنے جاتے ہیں وہ شرافت کی شے ہیں اگر کسی طرح کا کمال حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جو لوگ رذیل سمجھے جاتے ہیں ان کو لیاقت کے پیدا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ نہیں نہیں شریف و رذیل کیسے برابر ہو جائیں گے بکنے کو تو آدمی وہ بھی آدمی یہ بھی، مگر آدمی آدمی انتر کوئی سیر کوئی کنکر۔ اول تو صورت سے شریف و رذیل الگ پہچان پڑتے ہیں۔ شریفوں کو دیکھو گے اکثر رنگ کے گورے، چہرے ہرے کے درست، صورت مشکل کے پاکیزہ، متناسب الاعضاء، نازک، اکیسے سے جی خوش ہوتا ہے اور رذیل ہیں کائن کی صورتیں ہی کچھ دوسری طرح کی ہوتی ہیں۔ پکی پکی، ہنگم، کراحت، بدرنگ۔ اور چوں کہ یہ فرق پیدا ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی سے ہی جیسے گھوڑا اور گدھا کہ خدا نے دونوں کو یکساں نہیں بنایا ہے اور نہ وہ یکساں ہیں اور نہ کوئی ان کو یکساں سمجھ سکتا ہے۔

الف۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر ذیلیوں کی یعنی ان لوگوں کی جن کو تم رذیل کہتے ہو۔ صورتیں اچھی نہیں تو اس کی وجہ یہ کہ ان کو معاش پیدا کرنے کے لیے محنتیں کرنی پڑتی ہیں وہ گرمی کے دنوں میں میر نہیں اور مزار اچھو یا بن کرتے خالوں میں رہ نہیں سکتے۔ دھوپ اور مٹی

اور سردی سے بچنے کے لیے نہ اُن کے پاس سامان ہو کہ اُن کا رنگ میلان نہ ہو۔ اور نہ وہ بیکار
 رہ سکتے ہیں کہ اُن کے اعضاء نرم اور پیلے ہوں۔ اُن کی بیجا لذتِ مرغ خود غرضی ہوا ان کے
 ناصیج حال پر جو کسی طرح ٹھل نہیں سکتا۔ کیا حق رکھتا ہو ایک شخص اتنا کھا جائے گا کہ اُس کے
 ہضم کرنے کے لیے اُس کو چورن کی ضرورت ہو۔ جب کہ اسی جیسے ہزاروں بندگانِ خدا
 مارے بھوک کے اندر دیوں کو مسوس کر رہ جاتے ہیں؟ کیا حق رکھتا ہو ایک شخص قیمتی دوشالہ
 اوڑھنے کا جب کہ دوسرا آدمی کو کٹل بھی نصیب نہیں؟ کیا حق رکھتا ہو ایک شخص خدا کی بی ہوشی
 دولت کو نشینی اور نام و نمود میں لٹانے کا جب کہ بہتر سے ایک مٹھی جنوں کے لیے کوٹری دکان
 مانگتے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی؟ دنیا میں جس قدر مصیبت ہو صرف اس نسبت ہو کہ ہم میں سے
 جتنے آرام چرس کا قابو چلا دیا بیٹھا چکی کی جگہ مٹھی، مٹھی کی جگہ لب، لب کی جگہ جھولی، جھولی کی
 جگہ گٹھری، گٹھری، ڈھیر، پہاڑ، ٹیڑھ کو تو ہنسی اس بات پر آتی ہو کہ کر توت تو یہ ہوا اس پر بعض کو
 دعوے ہیں ہمدردی کے، دین داری کے، رحم کے، جو دوسخا کے، بدل و ایثار کے، غرض میں
 حضرت ان بھی عجائبِ الخوقات کہتے کچھ میں اور کرتے کچھ میں۔ مگر نہ چاہیے کیا اور کہتے ہیں کیا؟
 ”لیکن شریف و ذلیل کی عادت اور طبیعت کا فرق بھی تو دیکھیے۔ انتظام دُنیا اسی طرح پر واقع
 ہوا ہو کہ سب لوگ ایک حالت کے نہ ہوں تو ایک محتاج ہو دوسرا محتاج الیہ۔ ایک مہود ہو دوسرا مہود
 ایک خادم ہو دوسرا مخدوم۔ اور اگر سب کی ایک ہی حالت ہوتی تو دُنیا کا انتظام دگرگوں ہوتا۔
 آپ اگر سب کو ایک حالت کا بنانا چاہتے ہیں تو اس کے یہ مخنی ہیں کہ آپ نظامِ الہی میں خلل دیتے ہیں
 آج تو آدمی ہو کل کو آپ جانوروں کی وکالت کریں گے کہ یہ بھی جان کہتے ہیں۔ ان کو بھی آدم و کف کا
 احساس ہو۔ آدمی کیوں ان پر سوار ہو، کس لیے ان پر جوہرِ لادے، ان سے محنتِ مشقت کے
 کام لے، اور سب بڑھ کر کیوں کس واسطے اپنے مزے کے لیے ان کو جان سے مارے پھر آپ

اور ترقی کریں گے تو درختوں کا ترس کھائیں گے کہ ان کی بھی ایک طرح کی زندگی ہو۔ لکڑی نہ کاٹو، پتہ نہ توڑو، ایندھن نہ جلاؤ، خلاصہ یہ کہ دوسروں کی خاطر مر رہو۔ اور حیوانوں کو نہ مارو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چرو۔“

ص۔ سیر دونوں دوست الف اور وجہ کو معاف فرمائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ دونوں صاحب اصل مطلب الگ ہو کر افراط و تفریط کے کناروں پر گئے ہیں۔ ہم کو صرف یہ دیکھنا ہو کہ شرافت نسب کوئی چیز ہو بھی یا نہیں۔ میں کہتا ہوں ہو اور دنیا کی تمام قومیں اس کو تسلیم کرتی ہیں بے شک ہرزہ نے میں ایسے بالکل لوگ ہوتے گئے ہیں جو ایک صفت یا چند صفتوں میں پناہ بنا کر صفت پر تفوق رکھتے تھے اور جس کو خدا ممتاز کرتا ہے اُس کی نسبت اُس کی سب چیزوں میں وقعت آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ پہنے کے مکان میں، پہنے کے کپڑوں میں، ہاندھنے کے ہتھاروں میں، سواری کے جانوروں میں۔ لارڈ ٹینیسن مشہور انگریزی ملک الشعراء حال میں مراہے۔ اُس کی بیٹھنے کی کرسی کے، لکھنے کی میز کے، قلم کے، دوات کے لوگ لاکھوں روپیے دینے کو مجبور ہیں۔ اُس کے وارث بچوں کو خود مقدور والے ہیں، نہیں جیتے۔ اور اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں۔ تو ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں کثرت سے ملیں گی کہ نامی نامور لوگوں کی ایسی قدر کی جاتی ہو۔ تو جب ممتاز لوگوں کی نسبت سے اُن کی سب چیزوں میں وقعت آجاتی ہو تو کیوں اُن کی نسلوں کی وقعت نہ ہو جو اُن کی زندہ یادگار ہیں اور اُن کے ساتھ نسبت بھی قوی اور قریب کی رکھتے ہیں۔ یہ ہو گا شرافت نسب کی قدر کا۔ اب دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آدمی شرف المخلوقات تو ہو مگر اس کی مجموعی حالت کے اعتبار سے۔ ورنہ کسی کی بہت سی باتیں حیوانوں سے ملتی ہیں کہ اُن ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا سوتا چلتا پھرتا ہو۔ اُس میں کسی خواص نباتات کے ہیں کہ اس کی بالیدگی ہو، پھولنے پھلنے کے عوض اُس کی نسل چلتی ہو۔ درختوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک درخت کے مزاج شخصی کے مطابق اس میں پھل لگتا ہو۔ ہونہیں سکتا کہ

نیم کے درخت میں نیو نیلیں یا نیبو کے درخت میں نبویاں جس درخت کے پھل میں یک خاص ذائقہ ہو اُس سے جتنی نسل چلے گی وہ ذائقہ کم و بیش سب پھلوں میں ہوگا غرض یہ بات نباتات حیوانات اور انسان سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہو کہ نسلیں اپنے بزرگوں کے ساتھ مشابہت اور مماثلت کو باقی رکھتی چلی آتی ہیں۔ اس کی تصدیق اولد سرلا بیہ سے ہوتی ہو اور اسی طرح کی ایک کہادت ہندی میں بھی ہے۔ باپ پر پوت تپا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔ یہ ش بہت نہ صرف جسمانی بناوٹ میں ہوتی ہو بلکہ افتاد مزاج میں بھی۔ میرے متعارفین میں ایک صاحب ہیں اُن کی گدی میں ایک مسّا ہو وہ اُس کو مہر شرفت کہا کرتے ہیں۔ اُن کا بیان ہو کہ ایسا ہی مسّا اسی جگہ میرے باپ اور دادا کی گردن میں تھا۔ میرے ہوا بیٹا تو اُس کی گردن میں بھی ایک مضحل سا نشان سے کافیا لیکن گدی میں نہیں بڑے ہو کر وہ مسّا کھٹے کھٹے اسی خاندانی جگہ آ رہا۔ ایک نوجوان آدمی کا حال مجھ کو معلوم ہو کہ وہ شروع سے نہ باپ پاس رہا نہ اُن سے بڑھا لیکن باپ بیٹوں کا سوا دخل اس قدر شبہ ہو کہ تمیز نہیں ہو سکتی حضرت زید رضی اللہ عنہ جن کو لوگ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ستنبی سمجھ کر زید بن محمد بکارتے تھے گورے چٹے آدمی تھے۔ اور اُسامہ رضی اللہ عنہ اُن کے فرزند تھے وہ فام۔ اس سے لوگ اُن کو چھڑتے تھے اور باپ بیٹے دونوں کو بُرا لگتا تھا۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اُس خصوصیت کی وجہ سے جو زید کے ساتھ تھی ایذا ہوتی تھی۔ ایک دن کا مذکور ہو کہ زیدؓ اور اسامہؓ دونوں باپ بیٹے ایک چادر اوڑھے مسجد نبوی میں بڑے سوتے تھے اور دونوں کے پاؤں چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے اُدھر سے کوئی قیافہ شناس ہو کر گزرا۔ اور بے اس کے کہ پہچانے دونوں کے پاؤں دیکھ کر کہنے لگا واللہ یہ پاؤں ایک سرے کی نسل ہیں۔ یٰٰن اگر آنحضرت کو بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اور اس حکایت کو اپنے کئی آدمیوں کے روبرو نقل کیا۔ ہم خیال نہیں کرتے

ورنہ اس مشابہت کی مثالیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ فرد بشر، پر جانور، پر پھل، پر پھول، پر پتہ
 اس کی گواہی دے رہا ہو۔ پس شرافت نسب کی قدر کرنے کے معنی ہیں کہ ہم حقیقت میں ان صفتوں کی
 قدر کرتے ہیں جو بانی سلسلہ نسب میں تھیں اور ان صفتوں کے قابل قدر ہونے میں کسی کو گنجائش گفتگو نہیں۔
 تو قدر نسب میں کیوں ہو لیکن ہاں یہ بات بھی خیال کرنے کی ہو کہ تعلیم سے، تربیت سے، آدمی کے
 پاس اٹھنے بیٹھنے پہنے پہنے سے بھی آدمی کے مزاج پر اخلاق پر عادت پر بڑا اثر پڑتا ہو اور چھوٹی کی
 اولاد بُری اور بُروں کی اچھی ہو جاتی ہو۔ اور یہی حال نباتات کی پودوں اور حیوانات کی نسل کا ہو۔
 پھر بھی اصالت اپنا رنگ دکھانے بدون نہیں جتنی اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں۔
 میر ذاتی خیال تو یہ ہے کہ میں مردوں کی طرف سے ایسا مطمئن نہیں ہوں جیسا عورتوں کی طرف سے۔
 کیوں کہ جو چیزیں خارج سے مزاج پر اثر کرتی ہیں عورتیں ان سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ان کے پاس
 وہی موروثی اثاثہ ہو جو انھوں نے اپنے بڑوں سے پایا اور پس۔

اس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو اس میں شرم پر گفتگو ہوئی چاہتی تھی مگر معلوم ہوا کہ
 سوائے ع کے اور کوئی گفتگو کے لیے طیار نہیں تو ع نے کہنا شروع کیا کہ ان میں بہت سی
 صفتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ شرف الخقوقات کہلایا۔ ان میں سب سے زیادہ بکا آمد
 شرم ہو۔ اگر ہم شرم کا مطلب دوسرے نقطوں میں بیان کرنا چاہیں تو شرم ایک سطح کا ڈبر کہ میں نے
 جو بیبے حیابات کی جو ایسا نہ ہو کسی پر ظاہر ہو جائے تو دنیوی نسبت کیا خیال کرے گا کہ یہ کیسا
 نالائق ہو۔ تو اس ڈر کے لیے چاہیے پہلے بڑے بھلے کی تمیز اور تمیز کے ساتھ اتنا اور کہ یہ بات
 بُری ہو تو مجھ کو کرنی زیبا نہیں۔ اور یہی وجہ ہو کہ حیا کو جزو ایمان نہیں کہ فرمایا ہو۔ اکیس ایمان
 کہنے کو تو شرم ایک چیز ہو مگر وہ اکٹھے تین کام دیتی ہو۔ وقوعِ جرم سے پہلے تو اس کو قدرتی
 پر ریوٹو پولیس کا کانسٹیبل یا کوئی اور عہدہ دار سمجھو جس کا کام ہو کہ جہاں تک ممکن ہو جرموں کا انسداد کرے

دُنیا میں کتنے گناہ ہیں جو شرم کی وجہ سے ہونے نہیں پاتے۔ دل میں راوہ ہوتا ہے لیکن شرم من گہر ہو کر باز رکھتی ہے۔ اور بندہ بشر جو شرم مانع آتی ہی رہی اور اس سے قصور و سرزد ہو گیا تو شرم ڈٹکٹو پولیس کی طرح اس کو ماخوذ کرتی اور جج بن کر اُس کو سزا دیتی اور یہ فسوس کرتا کہ ہلے کیوں میں نے ایسا جھک مارا، اور آئندہ کے لیے اس سے چمکنا لگتی ہے پھر ایسا نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو مطلق شرم کی نسبت میں نے چند باتیں بیان کیں۔ اب مجھ کو اُس شرم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیے جو شادی بیاہ کے معاملات میں کی جاتی ہے عورت تو کوئی رذیل سے رذیل بھی اپنے بیاہ کی صلاح میں شریک نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں و تنا تو نہیں مگر مردوں کا حال بھی قریب قریب عورتوں کا سا ہے پہلے مجھ کو تعجب ہوتا تھا کہ وہ ضرورت جو ہر فرد بشر کے پیچھے لگی ہے اور خدا کی حکمت کا ملاسی کی مقتضی ہوئی کہ اسی ضرورت کو دُنیلے بڑھنے اور باقی رہنے کا ذریعہ قرار دے اتنی ساری شرم تو اس میں کہاں سے اگھسی بہت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ضرورت طرح طرح کے فسادات اور انواع و اقسام کے جھگڑوں کا پھانگ ہے۔ اگر اس کو سختی کے ساتھ بند نہ رکھا جائے تو دُنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ پہلا خون جو آدم کی نسل میں ہوا وہ اسی نالائق ضرورت کی وجہ سے ہوا کہ بائبل نے عورت کے کارن اپنے بھائی قابیل کو مارا اُس دن سے جو یہ پھانگ تیغ ہوا ہے تو آج تک تیغ چلا جاتا ہے اور اسی طرح روز قیامت تک تیغ ہے گا۔ ضرورت کے لیے تلحاح کی ایک کھڑکی کھلی رکھی گئی ہے سو اُس پر بھی جیسی کچھ روک ٹوک ہو آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے۔ یہ روک ٹوک کی گئی تھی کسی مصلحت سے، مگر لوگ اس کی سختی کے تحمل ہو سکے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا کہ لگے دیواریں پھاند نے۔ نقب لگاتے۔ سرنگیں دوڑنے میں خیال کرتا ہوں کہ پھاٹکے جو پٹ کھول دینے سے اتنی خرابیاں نہ ہوتیں جتنی ان ناجائز اور شرمناک رستوں سے ہوتیں اور ہوتی ہیں اور یہوں کی جب پہلے دن ہمارے دوست سید صادق نے بھری کٹی میں اپنا

ارادہ تجرّد کا ظاہر کیا تو مجھ کو سخت تعجب ہوا اتنا میں سید صادق کو ایسا ضابطہ اور مستقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ شکل سے شکل بات کو بھی جی میں ٹھان لیں تو چلتے دنیا دھڑکی اُدھر ہو جائے یہ اُس کو پورا ہی کڑا تاریں لیکن جب اُنھوں نے تجرّد کا نام لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اہلّی برسوں دن ایک مہینے رمضان کے روزے تو پہاڑ کی طرح کھتے ہیں یہ ساری عمر کا روزہ ان سے کیوں کر نبھے گا! بلکہ لوگوں نے ان کو خوب ہی اُٹے ہاتھوں لیا اور جوں کہ ہمارے سید صاحب منصف مزاج اور حقول پسند میں یقین کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اُس خیال محال کو چھوڑ دیا ہو۔ یہ خدا کی ستاریاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو منہ دکھانے کے قابل بھی ہیں ورنہ نہ

بھڑے ہو نہ پر دانہ نہ ہو نہ زباں شمع وہ سختی ہو تو یہ گردن زدنی ہو

اخلاق کی کتابوں میں شرم کے تین درجے لکھے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اپنے جنس سے شرم کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ خدا سے شرم کرے اور سمجھے کہ وہ دانائے، بنائے و آشکارا ہمارے دلوں کے ارادوں تک سے واقف ہو اور ہم اندھیری رات میں شرم پر دوں کے اندر کوئی کام کریں تو اور رفد روشن میں ڈھول سجا کر کوٹھے پر چڑھ کر کریں تو اُس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرم کا ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے شرم کرے اور بُرے کام کرنے سے اُس کو یہ خیال مانع ہو کہ یہ کام میری شان کے لائق نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بُرے ہی شرم سے تھے یہاں تک کہ کیلے مکان میں بھی برہنہ غسل نہیں کرتے تھے بے شک یہ بڑا اعلیٰ درجے کی شرم جس کو خدا نصیب کرے۔ میں نے بہت غور کیا کہ ہم لوگوں کی شرم ان تین قسموں میں کس قسم کی ہو تو میری سمجھ میں یہہ آیا کہ اس کو ایک قسم جداگانہ قرار دینا چاہیے کہ گنگلوں کے تو نام سے چڑیں اور گڑبانیں تو بھیلیاں کی بھیلیاں چٹ کر جائیں غرض اس جھوٹی اور منافقانہ اور دکھاوے کی شرم کو شرم کہتے ہیں مجھ کو تو

بہت ہی شرم آتی ہو۔ ایک بات اور ہو کہ یوں تو وہ شرم سے خراج ہو مگر ہوا سی گانہیمہ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا دستور ہم مسلمانوں میں تو کم ہو مگر جیسی عمروں میں ہمارے یہاں اکثر شادی بیاہ ہوتے ہیں لوگ اس کو بھی جلدی ہی سمجھتے ہیں۔ اور ان کا خیال یہ ہو کہ اسی سے ہماری نسلیں کم زور ہوتی اور عمریں گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض نگریزوں نے نکالا ہے اور دوسرے ان کی بات میں ہاں ملانے لگے ہیں لیکن اگر واقع میں ہماری نسلیں کم زور اور عمریں گھٹتی چلی ہوں تو اس کا سبب یہ نہیں ہو کہ جو قرار دیا جاتا ہو بلکہ اس کا سبب ہی ہمارا طرز تمدن، کم ہم لوگوں میں اصول صفائی کی مطلق رعایت نہیں۔ گنجان آبادی، بند مکان، میلہ پانی، گندی ہوا، اپنا کھانا چلنے کے نہیں پھرنے کے نہیں۔ بل بوتہ آئے تو کہاں سے آئے؟ اور دیہات میں یہ خرابیاں کم ہیں تو دیسے ہی وہاں کے لوگ موٹے تانے زبردست مضبوط چوچال جفاکش بھی ہوتے ہیں۔ ہم جیسے نہیں کہ چھینکنے سے ناف ٹلتی اور کھانسنے سے کولہا اترتا۔ ملک کی آف ہو کہ یہاں مرد اور عورت جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سوسائٹی کی حالت دیکھ کر میں مسلمانوں کو شادی بیاہ میں دیر لگانے کی ہرگز رائے نہیں دوں گا کہ کوارے میری جان کو کوہیں۔ اگر ہمارے یہاں کچھ جلدی ہوتی ہو اور اس سے کچھ قباحت لازم آتی ہو تو وہ اُس قباحت، بلکہ ان قباحتوں کے آگے ہرگز قابل لحاظ نہیں جن کا دیر کی صورت میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ بلا سے آگے کو نسل چلے اور مریونی ہو اور ہم بھلے مانس ہیں بہتر ہے اس سے کہ چلے ہی نہیں۔ یا چلے اور بعد خرابی بصرہ چلے؟ ہماری کمیٹی کی کتاب روداد بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں نے ضروری مطالب اس میں سے اخذ کر لیے ہیں آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص اس کمیٹی کا ممبر ہو اور صرف ممبر ہی نہیں بلکہ سکرٹری بھی، شادی بیاہ کے بارے میں اُس کے کیسے خیالات ہونے چاہئیں، چنانچہ کسی کمیٹی کی تعلیم کا اثر ہو کہ میں نے چھوٹی شرم کو بالائے طاق رکھ کر یہ عریضہ لکھا ہے۔ مجھ کو اس کے بھیجے ہیں

شرم تو مانع ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر ہاں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ ایسا نہ ہو آپ بُرا نہیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کو کیا کسی کو سچ دینا، گو وہ سچ بے اصل اور بلا وجہ حقول ہی کیونہ ہو، میں جائز نہیں رکھتا لیکن آخر میں نے سوچا کہ جب میں نے فیصلہ کر لیا کہ نکاح کروں گا تو کیوں میں اپنی تجویز سے نہ کروں۔ اس کا نتیجہ بھلا یا بُرا تو میں بھگتوں گا میں ننا بچہ نہیں کہ اپنے نیک بڑے تمیز نہ کر سکوں۔ ایسا بڑا ضروری کام جس پر میری آئندہ کی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی خوشی اور ناخوشی موقوف ہوگی دوسروں کے سر ڈال کر میں بیٹھا تانا و کبھا کروں تو مجھ سا احمق کون ہاں حالات سے جو میں نے سُنے تھے میں نے آپ ہی کے سایہ میں عافیت اور آسائش دیکھی۔ مجھ کو اس خط کے بھیجنے سے حقیقت میں اس بات کی ٹٹول منظور ہو کر میں نے جیسا کچھ آپ کو سمجھا ہوا اس میں غلطی تو نہیں کی اگر آپ میری اس جسارت کو گستاخی اور بے تمیزی اور یہودگی اور بے حیائی خیال فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ میں آپ کے ڈھکے اور نہ آپ میرے ڈھکے لیکن مجھ کو ٹیڈ نہیں کہ آپ ایسا خیال فرمائیں کیا ضرورت تھی کہ میں مشاطہ کے ہاتھ رقعہ یا آم نویسی بھیجتا پھروں؟ یہ بھی ایک قسم کا رقعہ ہی ہو مگر ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے فلی خیالات تک اس میں ظاہر کر دیئے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ اس نے اپنا حال بالکل مستند بیان کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہو۔ میں اپنا فلو بھی اس میں طفوف کرتا ہوں تاکہ تعلق سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں ہر طرح کی معلومات ہم پہنچانے کا موقع دوں۔ رہی آپ کے حالات کی تفتیش، جب تک میں نے سنجوئی نہیں کر لی اس خط کے لکھنے کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ میں آپ سے اتنی بات بھی کہی جو آپ کو کہیں زیادہ تر اسی صفت کا گرویدہ ہوا ہوں جس کو بھڑکتے ہیں۔ عالم اسرار کے ساتھ ایسا قوی تعلق ایک نعمت خدا داد ہے۔ اور سخت افسوس کی بات ہوگی اگر کسی نا قدر دان کے پلے پڑے فقط۔

راقم سید صادق۔ از بنا رس

آٹھویں فصل

صادق صادقہ کے بیاہ کے باسے میں صادقہ کے میکے والوں کی صلاحیں

میر صاحب کو بہذا کچھ نہیں تو خط بڑھتے اور سمجھتے ایک گھنٹہ تو لگا ہوگا۔ اتنا صبر تو کیوں کر ہو سکتا تھا کہ خط کے تمام کرنے تک تصویر کو نہ دیکھتے۔ جب جب صل کا نام آتا تھا کہتے تھے ہونہ ہوا اس مراد خود سید صادق ہوا اس خیال کے ساتھ ہر بار بے اختیار تصویر پر نظر کر لیتے تھے۔ سارا خط بڑھ چکے تو ایک آنکھ بند کی اور دوسری کے آگے مٹھی کی دو درمیں لگائی اور کبھی دوسرے کبھی نزدیک سے کبھی اس پہلو سے کبھی اُس پہلو سے تصویر کو تباہ بہت ہی غور سے دیکھنا صورت پر شرافت، امتانت، ذہانت بڑی برس رہی تھی اور انگریزی لباس کے سوائے کوئی چیز نہ تھی جو نظر میں کھٹکے۔ غرض یہ صل اپنے تو اُسی وقت سے بیٹی کا دنیا بچا رہا۔ ایک ہاتھ میں خطا دوسرے میں تصویر گھر میں لے اور بی بی سے کہا۔ ”گوری تو تم تھوک ہی چکی ہو۔“ لو اب نہتے کو بھی تھوک دو میں ایک خوش خبری لایا ہوں بیارے ایک شخص نے صادقہ کا پیام دیا ہے اور لو یہ اُس کی تصویر ہے۔“

بی بی (تصویر دیکھ کر) ”اوی یہ مردو کیسا ہے یہ تو کوئی نکوڑا انگریز معلوم ہوتا ہے۔“
 میاں۔ ”بہت سے ہندوستانیوں نے انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے اور جتنے انگریزی خواہ ہیں سب کی یہی وضع ہوتی جاتی ہے۔ مگر شیخ مسلمان ہے اور ذات کا سید ہے۔ سید احمد خاں کا نام تم نے سنا ہو ان کے مدرسے میں پڑھتا ہے۔ بی بی اسے پاس ہے۔“

بی بی۔ ”سید احمد خاں وہ تو نہیں علی گڑھ دے گا۔“
 میاں۔ ”ہاں وہی سید احمد خاں۔ وہ اہل میں ہماری دلی ہے۔ انھوں نے علی گڑھ میں پڑھا ہے۔“

ارادہ تہجد کا ظاہر کیا تو تہجد کو سخت تعجب ہوا تھا۔ میں سید صادق کو ایسا ضابطہ اور متقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ مشکل سے مشکل بات کو بھی جی میں ٹھکان لیں تو چلے دینا اور دھڑکی دھڑکی ہو جائے یہ اس کو پورا ہی کڑا تاریں لیکن جب انھوں نے تہجد کا نام لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ الہی برسوں دن ایک جیسے رمضان کے روزے تو پہاڑ کی طرح کٹتے ہیں یہ ساری عمر کا روزہ ان سے کیوں کر نبھے گا! بلے لوگوں نے ان کو خوب ہی اٹسے ہاتھوں لیا اور چوں کہ ہمارے صاحب منصف مزاج اور مقول پسند ہیں یقین کرتا ہوں کہ انھوں نے اس خیال محال کو چھوڑ دیا ہو۔ یہ خدا کی ستاریاں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو منہ دکھانے کے قابل بھی ہیں ورنہ

ٹھہرے ہونے پر دانہ نہ رکھے ہر زبان شمع وہ سوختنی ہو تو یہ گردن زدنی ہو

اخلاق کی کتابوں میں شرم کے تین درجے لکھے ہیں۔ سادنی درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اپنے جنس سے شرم کرے۔ اس بڑھ کر یہ کہ خدا سے شرم کرے اور سمجھے کہ وہ دانائے، نہاں و آشکارا ہمارے دلوں کے ارواؤں تک سے واقف ہو اور ہم اندھیری رات میں شرم پر دوں کے اند کوئی کام کریں تو اور روز روشن میں ڈھول بجا کر کوٹھے پر چڑھ کر کریں تو اس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ لیکن شرم کا ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آدمی اپنے نفس سے شرم کرے اور بڑے کام کرنے سے اس کو یہ خیال مانع ہو کہ یہ کام میری شان کے لائق نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بڑے ہی شرمیلے تھے یہاں تک کہ اکیلے مکان میں بھی برہنہ غسل نہیں کرتے تھے بے شک یہ ہی اعلیٰ درجے کی شرم جس کو خدا نصیب کرے۔ میں نے بہت غور کیا کہ ہم لوگوں کی شرم ان تین قسموں میں سے کس قسم کی ہو تو میری سمجھ میں یہہ آیا کہ اس کو ایک قسم جدا گانہ قرار دینا چاہیے کہ گنگلوں کے تو نام سے چڑیں اور گڑبانیں تو بھیلیاں کی بھیلیاں چٹ کر جائیں غرض اس جھوٹی اور منافقانہ اور دکھائے کی شرم کو شرم کہتے ہمارے مجھ کو تو

بہت ہی شرم آتی ہے۔ ایک بات اور ہو کہ یوں تو وہ شرم سے خلیج ہو مگر ہوا سی کا نیمہ چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا دستور ہم مسلمانوں میں تو کم ہو مگر جیسی عمروں میں ہمارے یہاں اکثر شادی بیاہ ہوتے ہیں لوگ اس کو بھی جلدی ہی سمجھتے ہیں۔ اور اُن کا خیال یہ ہو کہ اسی سے ہماری نسلیں کم زور ہوتی اور عمریں گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض انگریزوں نے نکالا ہے اور دوسرے ن کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں لیکن اگر واقع میں ہماری نسلیں کم زور اور عمریں گھٹتی چلی ہوں اور اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ جو قرار دیا جاتا ہے بلکہ اس کا سبب ہی ہمارا طرز تمدن ہے کہ ہم لوگوں میں مول صفائی کی مطلق رعایت نہیں۔ گنجان آبادی، بند مکان، میل پانی، گندی ہوا، آپا بھلا بلنے کے نہیں پھرنے کے نہیں۔ بل بوتہ آئے تو کہاں سے آئے؟ اور دیہات میں یہ خرابیاں ہمیں تو ویسے ہی دیاں کے لوگ موٹے تانے زبردست مضبوط پونچال جفاکش بھی ہوتے ہیں۔ م جیسے نہیں کہ چھینکنے سے ناف ثلثی اور کھانسنے سے کولائترتا۔ ملک کی آب ہوا کہ یہاں مرد اور رت جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سوسائٹی کی حالت دیکھ کر میں مسلمانوں کو شادی بیاہ میں ر لگانے کی ہرگز رائے نہیں دوں گا کہ کوارے میری جان کو کوسیں۔ اگر ہمارے یہاں کچھ جلد ہا تہی ہو اور اس سے کچھ قباحت لازم آتی ہو تو وہ اُس قباحت بلکہ اُن قباحتوں کے آگے ز قابل لحاظ نہیں جن کا دیر کی صورت میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ بلا سے آگے کو نسل چلے مرجھوئی ہو اور ہم بھلے مانس ہیں بہتر ہو اس کے چلے ہی نہیں۔ یا چلے اور بعد خرابی بصرہ چلے؟ ہماری کمیٹی کی کتاب ر ودا بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں نے ضروری مطالب اُس میں سے لے لیے ہیں آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جو شخص اس کمیٹی کا ممبر ہو اور صرف ممبر ہی نہیں بلکہ بُری بھی، شادی بیاہ کے بابے میں اُس کے کیسے خیالات ہونے چاہئیں چنانچہ کسی کمیٹی جم کا اثر ہو کہ میں نے چھوٹی شرم کو بالائے طاق رکھ کر یہ عزیز لکھا ہے۔ مجھ کو اس کے بھیجے ہیں

ورنہ اس مشابہت کی مثالیں اس کثرت سے موجود ہیں کہ نہ فرد بشر، نہ جانور، نہ پھل، نہ پھول، نہ پتہ
 اس کی گواہی دے رہا ہو۔ پس شرافت نسب کی قدر کرنے کے یہی معنی ہیں کہ ہم حقیقت میں ان صفوں کی
 قدر کرتے ہیں جو بانی سلسلہ نسب ہیں، ہمیں اور ان صفوں کے قابل قدر ہونے میں کسی گونجا لیں گفتگو نہیں۔
 تو قدر نسب میں کیوں ہو لیکن ہاں یہ بات بھی خیال کرنے کی ہو کہ تعلیم سے، تربیت سے، آدمی کے
 پاس اٹھنے بیٹھنے، سنے سننے سے بھی آدمی کے مزاج پر اخلاق پر عادت پر بڑا اثر پڑتا ہو اور اچھوں کی
 اولاد بُری اور بُروں کی اچھی ہو جاتی ہو۔ اور یہی حال نباتات کی پود اور حیوانات کی نسل کا ہو۔
 پھر بھی اصالت اپنا رنگ کھانے بدون نہیں رہتی۔ اصل سے خطا نہیں اور کم صل سے وفا نہیں۔
 میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ میں مردوں کی طرف سے ایسا ظمن نہیں ہوں جیسا عورتوں کی طرف سے۔
 کیوں کہ جو چیزیں خارج سے مزاج پر اثر کرتی ہیں عورتیں ان سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ان کے پاس
 وہی موروثی اثاثہ ہو جو انھوں نے اپنے بڑوں سے پایا اور پس۔

اس کے بعد جو کمیٹی کا جلسہ ہوا تو اس میں شرم پر گفتگو ہونی چاہتی تھی مگر معلوم ہوا کہ
 سلسلے کے اور کوئی گفتگو کے لیے طیار نہیں تو غ نے کہنا شروع کیا کہ ان میں بہت سی
 صفتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ شرف الخیالات کہلایا۔ ان میں سب سے عمدہ سب سے زیادہ بکا رآمد
 شرم ہو۔ اگر ہم شرم کا مطلب سرے لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو شرم ایک طرح کا ڈر ہو کہ میں نے
 جو بے جا بات کی ہو ایسا نہ ہو کسی پر ظاہر ہو جائے تو دنیوی نسبت کیا خیال کرے گا کہ یہ کیسا
 نالائق ہو۔ تو اس ڈر کے لیے چاہیے پہلے بڑے بھلے کی تمیز اور تمیز کے ساتھ اتنا اور کہ یہ بات
 بُری ہو تو مجھ کو کرنی نہیں۔ اور یہی وجہ ہو کہ حیا کو جزو ایمان ٹھہرا کر فرمایا ہو۔ اچھا آدمی الایمان
 کہنے کو تو شرم ایک چیز ہو مگر وہ اکٹھے تین کام دیتی ہو۔ وقوعِ جرم سے پہلے تو اس کو قدرتی
 پریونٹیو پولیس کا کانسٹیبل یا کوئی اور عہدہ دار سمجھو جس کا کام ہو کہ جہاں تک ممکن ہو جرموں کا انسداد کئے

دُنیا میں کتنے گناہ ہیں جو شرم کی وجہ سے ہونے نہیں پاتے۔ دل میں ارادہ ہو تا ہو لیکن شرم مانعِ گیر ہو کر باز رکھتی ہو۔ اور بندہ بشر ہو، شرم مانعِ آتی ہی رہی اور اس سے قصور و سرزد ہو گیا تو شرم ڈکٹو پولیس کی طرح اس کو ماخوذ کرتی اور جج بن کر اُس کو سزا دیتی اور یہ فسوس کرتا کہ ہلے کیوں میں نے ایسا جھک مارا، اور آئندہ کے لیے اس سے چمکنا لگتی کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔ خیر یہ تو مطلق شرم کی نسبت میں نے چند باتیں بیان کیں۔ اب مجھ کو اُس شرم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیے جو شادی بیاہ کے معاملات میں کی جاتی ہو عورت تو کوئی ردِ ذیل سے ردِ ذیل بھی اپنے بیاہ کی اصلاح میں شریک نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں و تنہا تو نہیں مگر مردوں کا حال بھی قریب قریب عورتوں کی گاہِ پہلے مجھ کو تعجب ہوتا تھا کہ وہ ضرورت جو ہر فرد بشر کے پیچھے لگی ہو اور خدا کی حکمت کاملہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ اسی ضرورت کو دُنیا کے بڑھنے اور باقی رہنے کا ذریعہ قرار دے اتنی ساری شرم تو اس میں کہاں سے آگھسی۔ بہت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ضرورت طرح طرح کے فسادات اور انواع و اقسام کے جھگڑوں کا پھانک ہو۔ اگر اس کو سختی کے ساتھ بند رکھا جائے تو دُنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ پہلا خون جو آدم کی نسل میں ہوا وہ اسی نا لائق ضرورت کی وجہ سے ہوا کہ بایبل نے عورت کے کارن اپنے بھائی قابیل کو مارا اُس دن سے جو یہ پہلا تک تیغ ہوا ہو تو آج تک تیغ چلا جاتا ہو اور اسی طرح روز قیامت تک تیغ ہے گا۔ ضرورت کے لیے نکاح کی ایک کھڑکی کھلی رکھی گئی ہو سو اُس پر بھی جیسی کچھ روک ٹوک ہو آپ سب صاحبوں کو معلوم ہو۔ یہ روک ٹوک کی گئی تھی کسی مصلحت سے، مگر لوگ اس کی سختی کے متحمل نہ ہو سکے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہوا کہ لگے دیواریں پھانڈنے۔ نقب لگانے۔ نہ نگیں دوڑانے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پھاٹک کے چوہے کھول دینے سے اتنی خرابیاں نہ ہوتیں جتنی ان ناجائز اور شرمناک رستوں سے ہوتیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی جب پہلے دن ہمارے دوست سید صادق نے بھری کٹی میں اپنا

مدرسہ جاری کر رکھا ہو اور آپ بھی وہیں رہتے ہیں۔“

بی بی: ”ہو۔ میں اُن کے خاندان کے بہت لوگوں سے واقف ہوں لیکن وہ تو بہت بدنام ہیں۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنا مذہب بدل ڈالا ہو اور مسلمانوں کو دین سے بے دین کئے ڈالتے ہیں۔“

میاں: ”بس یہی بے دینی ہو جو تم اس تصویر میں دیکھتی ہو۔“

بی بی: ”نہیں۔ سننا ہو انگریزوں کے ساتھ کھاتے ہیں۔“

میاں: ”یہ بھی سچ ہو۔“

بی بی: ”پھر دین تو آپ سے آپ بدلا۔“

میاں: ”کیسی باتیں کرتی ہو کہیں دین بھی کھانے پینے سے بدلا ہو؟“

بی بی: ”کھانے پینے سے دین نہیں بدلتا تو کسی ہندو کو اپنے گھر کا پانی تو پلا دیکھو۔“

میاں: ”پھر کیا تم ہندی ہو؟“

بی بی: ”خدا نہ کرے میں کیوں ہندی ہونے لگی تھی؟“

میاں: ”تو بی بی یکم ہم مسلمانوں کا دین اب اُبو انہیں ہو کہ کھانے پینے سے جاتا رہے۔“

بی بی: ”پھر شہر میں سید احمد خاں کا اتنا غل کیوں ہو؟“

میاں: ”یہ تو اُن لوگوں سے پوچھنا چاہیے جنہوں نے غل مچا رکھا ہو۔ میں تو سید احمد کو اچھا تھا۔“

مسلمان سمجھتا ہوں۔ اپنے سے بہتر سید آل سول۔ مسلمانوں کے خیر خواہ۔ مسلمانوں کی بہتری چاہنے والے۔“

بی بی: ”تو یہ مرد ابھی اُن ہی کے دین میں ہو گا؟“

میاں: ”اُن کا دین کیا معنی؟ دین خدا کا۔ یہ شخص بھی مسلمان کچھ گھڑ پید ا ہوا اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو۔“

کتاب کی کتاب خط لکھا ہو۔ اس میں ایک حرفتین کے خلاف نہیں۔ جگہ جگہ قرآن کی آیتوں و حدیث کے حوالے دیتا ہو اور مسلمان کہتے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے سر میں کچھ سینک نہیں لگے ہوئے کلاس کے

سڑن نہیں ہیں گھر کی زمینداری ہو خوش حال باپ کا بیٹا ہو۔ لیاقت کا یہ حال ہو کہ آج ٹل پاس نہیں ملتے یہ بی بی لے پاس کر چکا ہو اور بھی پڑھ رہا ہو صورت دیکھو ابھی خاصی بھلے مانسوں کی سی تمھارے دوسرے دونوں دامادوں کے زیادہ شان دار۔ کوئی عیب نہیں نقصان نہیں میری صلاح مانو تو انکھ بند کر کے صادقہ کا ہاتھ پکڑ دو۔ پھلڑی جگہ نہیں ملے گی اور ایسی کے کیا معنی مٹیلے ہی کی نہیں۔ دیر لید درست آید اسی کو کہتے ہیں کہ بے چاری صادقہ اتنے دنوں بیٹھی تو خد نے اس کو بُر بھی اسی کی لائق کا دیا۔ اور مزہ یہ کہ وہ ریکھا ہو اس کے اُن ہی خوابوں پر جن کی وجہ سے کوئی اس کو پوچھتا نہیں۔“

بی بی۔ ”دیکھو صاحب۔ بیٹی جیسی میری بیٹی تمھاری جو سمجھ میرا سہ سو کرو میں صادقہ کے بلے میں ایسی عاجز آتی ہوں کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتی۔ میری آنکھوں کے آگے چلتی ہو بھرتی ہو اور میں ہوں کہ اس کو دیکھ دیکھ کر سہمی چلی جاتی ہوں کہ آہی کیا ہوگا اور کب تک بیٹھی رہے گی اور اس کے دل میں آپ کی سی کیسی باتیں آتی ہوں گی چھوٹی بہنیں اس کے دیکھنے گھر کی بیگمیں اور اسی کی تقدیر نہ کھلی۔ وہ تو یوں کہو کہ بیٹی ذات ہو اور سہ بھی نیک کہ اس اپنی سہیلیوں میں بھی ادھی بات منہ سے نہیں نکالی۔ ورنہ اور سری کی ہوتی تو ہر جیلے ہر بہانے سے کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ پر ہاں اتنا ضرور خیال کر لینا کہ کسی کو یہ کہنے کو نہ ہو کہ بیٹی کو کہیں بڑا نصیب ہوا تو کرستان کے گلے مڑی۔“

میاں۔ ”میں کیا خدا نخواستہ اپنی اولاد کا دشمن ہوں یا ہم نے یہ بیٹی کہیں کوڑے پر سے پڑی پائی ہو؟ دنیا میں رہ کر ناک تھوڑی کٹو لنی ہو پوچھو گ۔ تحقیق کر دو گا۔ چار کی صلاح لو گا۔ پھر بات سوبات۔ بس ذرا یہی انگریزی وضع دیکھ کر جی بچکا تا ہو ورنہ میں تو آج ہی جواب لکھ بھیجتا کہ ہم کو منظور ہو۔“

میر صاحب اپنے طور پر بہت چھانڈا پیام تو سید صادق کا، اور لوگ علی گڑھ کالج کا نام سنتے کے ساتھ خواہی مخواہی ذکر نکال کھڑے سید احمد خاں کا۔ کوئی کافر بتاتا، کوئی مرتد، کوئی نحسریٰ کوئی لاد مذہب، کوئی کرستان، صرف سید احمد خاں ہی کو نہیں بلکہ اُن کے کالج کے مدرسوں کو، طالب علموں کو، یہاں تک کہ کالج کے سٹے اور دھوبی اور چوکیدار اور بارچی کو۔ مگر جو عقل معاش رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو معاش پیدا کرنے کا سلیقہ سکھانا چاہتے تھے وہ سید احمد خاں کی اور اُن کے کالج کی مدح ہی کرتے تھے بعض کو بعض غفائد میں کلام تھا اور بعض کو وہ بھی نہیں۔

تو میر صاحب نے اپنے جی میں سوچا کہ مجھ کو تو سید صادق کا حال دریافت کرنا منظور ہے۔ اُن کے خط سے تو کوئی بد عقیدتی ظاہر نہیں ہوتی۔ اب رہیں دو باتیں ایک علی گڑھ کالج کا پڑھنا دوسرے انگریزی وضع رسولی گڑھ کالج بے شک سید احمد خاں نے کھولا، سید احمد خاں جلیا اور سید احمد خاں اُس کو چلا ہے ہیں۔ اور ان کو کالج کے انتظام میں بھی بڑا دخل ہو گا لیکن وہ مدرس نہیں لکچرار ہیں۔ خدا جلنے کس کے پاس کالج کی رپورٹ نظر پڑی تھی درسی کتابیں ہی تھیں جو دوسرے مدرسوں میں ہیں۔ تو سید احمد خاں کی وجہ سے طالب علموں پر کیوں بدگمانی کی جائے۔ اور یوں خدا بن کوٹھیو اور لگو بندوں حساب لینے تو جس کو چاہو، کافر بناؤ جس کو چاہو مرتد ٹھیکر آؤ۔ آدمی اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھ تو آپ سب سے بدتر ہو۔ ہم ہی ایسے کون سے عمل اچھے کر رہے ہیں کہ دوسروں پر حرف رکھیں۔ یہ تو لوگوں کی سرسری زیادتی ہے۔ ہاں انگریزی وضع دیکھ کر عورتیں ضرور دیکس گی اور لوگوں کو بھی باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔ سو ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ بے لطفی پیش نہ آئے سید صادق تو مجھ کو یہ کہنے کا منصب ہی نہیں کہ تم بضرورت اس کو ہمیشہ کے لیے یا تھوڑی دیر کے لیے بھی ترک کرو۔ اُنھوں نے اتفاقی طور پر خط میں اپنی کیٹی کے پریزیڈنٹ کی ایک لڑائی اپنی نسبت نقل کی جو پریزیڈنٹ نے ایک محل پر کہا کہ میں سید صادق کو ایسا ضابطہ اور متقل مزاج آدمی سمجھتا ہوں کہ یہ

مشکل سے مشکل بات کو بھی جی میں مٹھان لیں تو چاہئے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یا اُس کو پورا ہی کُراتا ریں۔ یہ بات ضروری ہو کہ سید صادق بیکر ساتھ فرزند تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور وہ مجھ سے عمر میں بھی بہت چھوٹے ہیں مگر بزرگی بقتل ست نہ بسال۔ کہاں وہ بی لے پاس اور کہاں میں کہ مڈل کا امتحان دینا چاہوں تو نہیں لے سکتا۔ خدا کے چچہ ہم لوگوں کی طبیعتیں ہی ان چیزوں کے مناسب نہیں بنائیں۔ مدرسے کے ذرا ذرا سے لڑکے حساب کے ایسے ایسے پیچیدہ سوال چُکی بچاتے ہیں حل کرتے ہیں کہ میں مہینوں غور کرتا رہوں تو نہ تنہا سکوں۔ ہمارے وقتوں میں تاریخ اور جغرافیہ اور طبیعیات اور ریاضی اور ہنریات کی باتیں کون جانتا تھا۔ فارسی میں زینچا بہار دانش پڑھ لی۔ عربی میں ہدایت النہج، خلاصہ مولوی بن گئے۔ پس میں جو سید صادق کو عقل سکھانی چاہوں تو میری نادانی ہو اُنھوں نے انگریزی وضع اختیار کی، تو سوچ سمجھ کر کی ہو گی اور کر لی ہو تو وہ اس کو چھوڑنے کیوں لگے غرض ان سے تو ترک وضع کی اُمید رکھنی ہی فضول ہو اور جیسے سید صادق ترک وضع کی اُمید نہیں دے بی ادھر والوں سے بھی توقع نہیں کہ اس وضع کے آدمی کے ساتھ وصلت کو جائز رکھیں۔ کہنے والوں کو کچھ نہیں، ممکن ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن بیٹی ذات کا سر ہواں موجود ایک چھوڑ دو دو نہیں۔ چھوٹی ہی سہی مگر میں تو بیبا ہی ہوں میں صاحبِ ولاد کیوں کر ہو سکتا ہو کہ ہر ایک گھر کے بسانے کے پیچھے اتنے گھروں کو اجازت میٹھوں اُدھر ایک تو پردیس اور پردیس سے بڑھ کر انگریزی وضع اور لوہر صادقہ کی عمر خواہوں کی جس سے اس کی نسبت علم واہمہ۔ عجب تردد کا مقام ہو ع کو نیم کل دگر نہ گویم مشکل۔

میر خسرو ای سچ میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں میاں مشیر آنکھیں شیرے اور خبر سرے دور کا رشتہ بھی تھا۔ دونوں ہم عمر اور کسی زمانے میں ہم مکتب بھی رہے تھے۔ دونوں میں گاڑھی دوستی نہ تھی تو چند اداں جنبیت بھی نہ تھی صادقہ کا حال شتہ دار تو رشتہ دار سرری جان پہچان لو کہ

بھی کسی پر چھپا نہ تھا۔ میسر و کو متروک دیکھ کر چھوٹے ہی مشیر نے پوچھا ”خیریت تو ہو؟ آج کچھ بہت ہی پریشان معلوم ہوتے ہو۔“

میسر و ”دیکھتے ہی ہونہ۔ دنیا میں خانہ داری کی بھی مٹی ہی ٹھوہر ہے“
مشیر ”ماشاء اللہ چشم بد دور نظر حال تو پریشانی کی کوئی وجہ ہی نہیں اور یوں تو دنیا کے رگڑے جھگڑے چلے ہی جاتے ہیں۔ اگر کوئی کار خدمت اس نالائق کے قابل ہو تو تم کو میرے ہی سر کی تم نہ مانیے میں ہرگز تامل نہ کرنا۔“

میسر و ”جزاک اللہ تم سے یہی توقع ہے۔ مگر بعض مواقع ایسے پیش آ جاتے ہیں کہ کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ تم کو میری بڑی لڑکی کا حال تو معلوم ہی ہے۔ علی گڑھ سے بلکہ علی گڑھ کا بھی کیوں نام لوں۔ بنارس سے اُس کا پیام آیا ہے۔ سب باتیں اچھی ہیں لڑکا ذات کا سید ہے، ابی اے یاس ہے خوش بھی ہے؟“
مشیر ”بات تو ڈر کر“ از برائے خدا آنکھیں میچ کر منظور کر لو۔“

میسر و ”ہاں میری بھی یہی رائے ہے اور منظور نہ کرو گے تو کیا کرو گے۔ کچھ یوں ہی سانچا لے کر پورے کل تھا سو اُس کو بھی میں نے جانے دیا۔ ایک بڑی مشکل واقع ہوئی ہے کہ لڑکا علی گڑھ کا چھپ چھپا ہے۔ عصبہ کی خبر تو خدا کو ہے مگر ظاہری وضع بالکل نہیں سید احمد خانیوں کی سی ہے۔ اس کو کیا کیا جائے؟ بھلا اور نہیں تو لڑکی کی مالک راضی کرنا تو مقدم ہے سو میں یہی بیجا سمجھ رہا تھا کہ مولویوں سے فتویٰ لوں و غلط کہلو آؤں کیا کروں۔“

مشیر ”مولویوں کی طرف سے تو ہاتھ دھور کیجئے۔ یہ مولویوں بات بات میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں جھگڑتے بھی ہیں یہاں تک کہ سارے شہر میں کوئی ایک مولوی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کی نسبت کفر کے فتوے نہ لکھے گئے ہوں۔ مسلمانوں میں جتنے مولوی ملتے گردہ۔ ایک کے پیچھے ایک بلکہ ایک کے ساتھ ایک نماز پڑھنے تک کار وادار نہیں بھڑکتا تو اس قدر ہر مکرید احمق کو

تو کوئی بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور میری نظر میں تو ایک مولوی بھی نہیں آتا جو انگریزی وضع کے جواز کا فتویٰ دے۔ اور کوئی مسئلہ ہوتا تو میں جیسا کہتے فتویٰ لکھوا کر لادیتا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ ایک وقت کی دعوت کر دو، اور مولوی صاحب کو چاہو کھلاؤ نہیں، ان کا حصہ ان کے گھر پہنچا دو پھر جیسا چاہو فتویٰ لکھوا دو، اور جیسا دینی دیر چاہو وعظ کھلاؤ لیکن انگریزی کے نام سے تو مجھے مولوی بدستے ہیں۔ جانتے ہیں نہ کہ یہی انگریزیت ایک ایسا دن دنیا جہاں سے مولویوں کا کھوجڑا کھو رہے گی۔ تو میری صلاح تو یہ ہے کہ مولویوں کا نام ہی نہ لو۔ ان سے تو کچھ ہونا ہونا نہیں اپنی قوت بیان کی کام میں لاؤ اور کسی قدر اپنا زور بھی دکھاؤ۔ ایسا بھی کیا ہو کہ تمہارا کہنا نہ چلے۔ بابا ان خوب خیال آ یا فرق ثانی شرط کر لو کہ نکاح کے لیے اپنے ملکی لباس میں آئیں۔ آخر سجدہ دار لوگ ہیں اتنی دیر میں کیا ہوا جاتا ہو پھر نکاح ہوئے پیچھے ان کو اختیار ہے۔“

بات معقول تھی آخر میرے خسرو کی یہی رائے قرار پائی کہ دھوم دھڑکاغل غبار اچھا نہ اری کچھ نہ کرو۔ اور چپ چپاتے نکاح کر دو۔ سید صادق آدمی ہے معقول پس ضرور رضامند ہو جائے گا۔ بڑا رضامند ہونا صادق کی مالک ہودہ ہاں کر لیں تو میں سید صادق کو خط لکھ بھیجتا ہوں ایک دن کیے چلے آئیں اور نکاح پڑھا کر جاہیں بی بی کو ساتھ لے جائیں اور جاہیں ہمیں رہنے دیں، جیسی ان کی مرضی چنانچہ ایک دن موقع پاکر میرے خسرو نے بی بی سے کہا: کیوں صاحب۔ وہ صادق کی بات کی کیا ٹھہری ہے؟

بی بی: ”ٹھہرتی ٹھہرتی کیا ہے کسی اس شہر والے کا پیام ہوتا تو میں سوچتا کرتی۔ اپنی آنکھوں سے لڑکے کو دیکھتی گھر کا چال چلن دریافت کرتی۔ اصل حقیقت کھلتی ہی کھلتی۔“

میاں: ”خط سے بڑھ کر اور کیا حقیقت کھلتی ہے؟ اس لیے چائے نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ اس قدر حال تو برسوں کے پاس رہنے سے بھی معلوم نہیں ہو سکتا اور خط کا دوسرے میں لیتا ہوں کہ اُس میں ایک حرف کی کمی بیشی ہی نہیں۔ بس جو رواد ہی سو بہہ۔ اب اس پر کہو کہ تمہاری کیا رائے ہو؟“

بی بی۔ ”یہ تصویر ہی دیکھ کر طبیعت رکتی ہو۔ اور کہیں جی اگر کہے سُنے سے لڑکا مان جائے اور ہمارے یہاں کا جوڑا بہن کر آئے؟“

میاں۔ ”مکن نہیں۔ ایسا تو بھول کر بھی خیال نہ کرنا۔ تم اُس کو کہتی ہو لڑکا! اچھی تم جیسے تو اُس کے ناخنوں میں پڑے ہیں۔ مجھ کو تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی کھانا آتا ہو کیا بتاؤں کہ وہ کس مُتے کا آدمی ہو۔ تمہارے شہر میرا اُس کی بیافت کے شاید دس آدمی بھی نہ ہوں گے۔“

بی بی۔ ”خیر تم آپ نہ لکھو تو کسی سے لکھو ابھی جو۔ دیکھو تو کیا جواب آتا ہو۔“

میاں۔ ”تم ان لوگوں کے دستور قاعدے سے واقف نہیں ہو۔ یہ انگریزی مزاج کے لوگ ہیں۔ اپنی عقل کے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ ہمارے دیس کے مسلمانوں میں سب سے پہلے یہ وضع سید احمد خاں نے اختیار کی۔ ساری دنیا ہی نے تو اُن کو چھپر ڈرا یاد ہم کیا ملامت کی گھر آدمی لائے کا اتنا تو پکا ہوئے تب کسی کام کا بیڑا اٹھائے۔ اُنھوں نے جو قدم بڑھایا تھا اُسی پر چمے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کو اپنی وردی پہنا دی۔ اور یہ مٹا بھی اُسی جتنے کے ہیں۔ اس کے کرکض کو کہنا ان کو بڑا ناہو۔“

بی بی۔ ”تم تو کچھ ایسے ڈرتے ہو کہ خدا کی پناہ۔ داماد صاحب کیا آتے ہیں گویا ہمارے حاکم بن کر آتے ہیں۔ اچھا میں اپنی طرف سے لکھواتی ہوں۔“

میاں۔ ”خواہ مخواہ بھی؟ میں آج ہی انکار لکھ بھیجتا ہوں۔ تم بھی لکھوایا کرنا۔“

بی بی۔ ”میری کیا جاتی کو غرض پڑی ہو۔ کرستان کو بیٹی لے کر کون اپنی ناک کٹوائے۔ اس مردے کو یہ نہ سوچھا کہ میں کس مُنہ سے ایک بھلے مانس کے گھر پیغام دیتا ہوں۔ اس کی بیافت کو لکھوں چھلسا۔“

نگوڑا بے دین! انگریزوں کا جھوٹا کھانے والا۔ اپنی صادقہ کے بائیں پاؤں پر کس دار کے پھینک دوں۔ پادریوں کے یہاں بہتری چاریاں بھری پڑی ہیں۔ ان میں گیا ہوتا جیسی روح ویسے فرشتے۔“

میاں۔ ”تم ایک مرد آدمی کو اس کے پٹھے پیچھے ناحق اتنا کہیں فضیحت کرتی ہو جس کے گھر میں

بیری ہوتی ہے پھر آیا ہی کرتے ہیں۔ نہیں کرنا منظور سیدھا جواب دے دیا۔
بی بی۔ ”مرد آدمی۔ ایسے ہی مرد آدمی ہوتے ہوں گے ہاتھ مارا بس چلے کو کوٹا دیکھو نہ کھائی
 بیٹی کو آنکھ بند کر کے دھکا دے دو۔“

میاں۔ ”ہاں جی ہاں میں تو اولاد کا ایسا ہی دشمن ہوں۔“
بی بی ایک یا دشمن کے سر میں سینک ہوتے ہیں در تم بے چارے کیا دشمنی کر دے؟ میں جیتی بیٹی ہوں۔
 تمھاری دشمنی کو کب چلنے دیتی ہوں۔ بس آج سے اس کی بات میں دخل دیا تو تم جانو گے۔“
 سیدانی کو جلال آیا تو کون روکے آخر بے چارے میر صاحب طرح دے کر ٹل گئے۔

نویں فصل

ماں صادقہ کی جدائی کے خیال سے کڑھتی اوپاں بی بی کو لٹی تھیں

ادھر تو جھگڑے پڑے ہوئے تھے ادھر جس رات صادقہ نے پہلا خواب دیکھا اس کے اگلے ہی دن
 ماں کو سامان خانہ داری نبھانا سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ بلکلاں نے پوچھا بھی کہ کیا ہو بات تو کہو بیٹا
 تو تمھیں کبھی بھول کر بھی آدمی بات نہیں کہی اور کہتی کیوں؟ کیا میرا سر بھرتا؟ تم ایسا کوئی کام ہی نہیں
 کرتیں۔ سارا گھر تم پر چھوڑ کر مہمان دخل دور دیاں میں بھی کھا لیتی ہوں کبھی کچھ دخل یا ہو تو تم ہی
 بناؤ رہے بھائی بہن۔ مجھ سے تو لڑ بھی لیں جھگڑ بھی لیں تم نے کچھ ایسا سدھا رکھا کہ کوئی تمھارے
 حکم سے باہر نہیں۔ تم اٹھاؤ تو اٹھیں اور بٹھاؤ تو بیٹھیں۔ باپ کا حال تم دیکھ ہی رہی ہو کہ تیرے چارے کے
 ٹکڑے نہیں توڑتے۔ اور میری ان کی تو کچھ افتاد ہی طرح کی بڑبڑائی کہ بات بات میں روک روک ہوتی رہتی ہو
 اور یہ اللہ بخشے تمھاری نانی کے ڈھنگ ڈالے ہوئے ہیں وہ کہا کرتی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مرد سے
 دے ہی نہیں سو تمھارے باپ ایسے ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں ان کو کچھ ہی کہہ لو ان کو کڑھ کر جواب دینا

نہیں جانتے۔ اور تم ہو تو بیٹی مگر خاص کر تمہارا اتنا لحاظ کرتے ہیں تمہارے ہاتھ سے پانی تک کے پینے کے روادار نہیں۔ تو بیٹی ایسا کیا قصور ہوا کہ تم گھر کی چیز بہت مجھ کو دکھائی سمجھاتی ہو؟“

صاوقہ۔ ”اما جان۔ نہیں یہ بات نہیں ہیں تو بال بال تم سب کی احسان مند ہوں اور اس گھر میں ایسی لالوں کی لال بن کر رہی ہوں کہ کیا کوئی بیٹی بیگے میں ہے گی مگر اما جان اچھی بات ہو تم کو بھی ہر ایک چیز کا حال معلوم ہے۔ خدا جانے کیا اتفاق پیش آئے کوئی چیز درکار ہوئی وقت پر جا کر نکال تو لاؤ گی۔ اب تو تم اتنا بھی نہیں جانتیں کہ نک کس کھڑے میں ہو اور بھی یا نہیں؟“

صادقہ کا چیز تو بڑا سوکھا ہوا طیارہ رکھا تھا اور صندوق اور کھڑوں کی انجیاں اس کے پاس تھیں اور یہی سارے گھر کی مالک مختار تھی۔ ہمارے بہت دنوں اس کی جھولنیاں نونے کے لیے منگوایا بھی

تھیں اب صادقہ نے واپس طلب کیا تو ہمراہ نے جواب دیا کہ مجھ سے سنا ایسے وعدہ خلاف ہوتے ہیں کہ ہر روز آج کل کرتا ہو۔ اب تک تو دیں نہیں اب کل سے میں کس سر پر ایک آدمی بٹھاؤں گی اور اگلے جمعے تک ضرور درآپ جھولنیاں لے کر آؤں گی میری جھولنیاں لیں ان کے ملاؤں تب واپس کروں جمعے کے دن صادقہ سب کو دے دلا کر کھانا کھائے بیٹی تھی کہ ہمارا جھولنیاں لے گئے آہنجی۔ وہ بہت سیرا غدر کرتی رہی صادقہ نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر کھانے پر بٹھایا کھانے کے بعد ہمارے دونوں جوڑیاں نکال صادقہ کے آگے ڈالیں کہ کو اپنی پہچان لو ہر چند صادقہ نے دیکھا کوئی تمہارا نہیں ہوتی تھی تاہم ہلکی جوڑی کو کہا کہ یہ ہمارے یہاں کی ہو گی ہمراہ بولی نہیں بھاری جوڑی تمہاری ہو بنواتی تو میں بھی اتنی ہی بھاری مگر اس وقت ہاتھ تلے روپیے نہ تھے۔“

صاوقہ۔ ”پھر تم بھاری جوڑی رہنے دو۔“

ہمراہ۔ ”آگ لگے مجھ پہنٹی کو تمہاری تم کو مبارک۔ آہی جھپکے کے بالے پہنٹے بھی وہی بن ہوگا کہ میں تم کو دوہن بنی دیکھوں گی۔“

صادقہ ”تم نے آخر دعائیں مانگ مانگ کر اس دن کو بلایا ہی بلایا“

ہمراز ”سیچ کہو؟ کہیں بات ٹھہر گئی کیا؟“

صادقہ ”ٹھہری ٹھہرائی تو نہیں مگر میں نے اوپر تلے تین خوابے دیکھے ہیں اس کے بعد صادقہ نے اپنے خواب مان کی تعبیر بتا کر اس خط کا آنا، ماں باپ کی تکرار، سارا قصہ ہمارا کو کہہ سنایا کہ تم چلتے ہوئے اماں کہتی جانا اور اُن کو سمجھا دینا کہ جہاں خدا کو منظور تھا میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے، ابا جان لڑیں جھگڑیں نہیں۔ اور مذہب کے شہے کو بھی دل سے نکال ڈالیں کہ یہ بات بے اصل جو لوگ ایسی اہمیت رکھتے ہیں ناحق ایک مسلمان کا گناہ سیٹھے ہیں۔“

آدمی کی طبیعت کا بھی عجب حال ہو ذرا سے میں خوش ذرا سے میں آزر دہ۔ صادقہ کی ماں یا تو صادقہ کے بیاہ کی دعائیں مانگتی تھی یا اب جو ہمراز نے صادقہ کا پیام جا کر دیا تو سنتے کے ساتھ منہ فقی ہی تو ہو گیا اور بے اختیار آنکھوں آنسو ٹپک پڑے۔ اس پہلے ایک چھوڑ دھوٹیاں بیاہ چکی تھی اور وہ خیر بہت آرام میں نہ تھیں تو چنداں تکلیف میں بھی نہ تھیں جیسی سخی غلام داریاں ہوتی ہیں ان کی بھی تھیں۔ مگر صادقہ کا بیاہ جانا تھا۔ ماں کو حقیقت میں معلوم نہ تھا کہ اس بیٹی کے ساتھ اُس کو کیسا تعلق ہو۔ یہ بیٹی اس کی بائیس برس کی رفیق تھی کہ ایک دن کو ماں سے جدا نہیں ہوئی اور رفیق بھی ایسی کہ جب ہوش سنبھالا ماں کو بلنگے اُترنے نہیں یاد۔ ایک گری یہ کرے۔ ماں گری یہ کرے مغلناہوں کا کام یہ ہے۔ بال بچوں کو ہلنے دھلا کے کپڑے بدلوائے۔ ان کی دوا درمن کھانے پینے کی خبر رکھے۔ گری بڑی بیزینتہ اٹھائے بیٹی کی بیٹی کی مصائب پھر اس کے بیاہ کے اٹکاف سے ماں کو بڑی بڑی ایذا میں نہ تھی اس کے لیے ماں کو دل ایسا ہو گیا تھا جیسا بچا چھوڑا ام جانا ہے۔ اب جو خدا خدا کر کے پیام بھی آیا تو پیردین کا نہیں معلوم بتا کر سے جاتے گا یا ساتھ ساتھ لیے پھرے گا اور انگریزیت کا پٹنا الگ۔ کون جانے کو دین پر بھی قائم رہے یا نہیں۔

غرض یہ روداد ماں کے روڈینے کو بس کرتی تھی۔ آخر میرے صاحب کو باہر سے بلوایا۔ بی بی کو روٹنے لیکر پوچھا
 ”خیریت تو ہے؟“

بی بی۔ ”ہاں خیریت ہی ہے۔ مگر میری صادقہ مجھ سے چھٹی۔ یہ بنارس کا جو پیغام آیا ہے اس کے آنے سے
 پہلے صادقہ اسی مردوے کو خواب میں دیکھ چکی ہے اور اُس کو اس کا نام تک معلوم ہو گیا ہے اور اس نے
 یہ بھی خواب دیکھا ہے کہ گو اس کا ظاہر انگریزوں کا سا ہو مگر حقیقت میں مسلمان ہے، صرف انگریزی
 کپڑے پہن رکھے ہیں۔ بس تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔“

میاں۔ ”دیکھو میں تو تم سے کہتا تھا۔ تم ہی نے شبہ کیا پھر اپنا دل کیوں ٹھوڑا کرتی ہو؟ اس دن کے بیٹے
 تو میں نے او تم نے مدتوں ناک لگڑی ہے۔ اب بدلنے غیب سے سامان کیا ہے تو منہی خوشی اس کو نصبت کرو۔“
بی بی۔ ”سہ ہے صادقہ کو منہی خوشی نصبت کروں! میرا تو کلیجہ منہ کو چلاتا ہے جس وقت ہمارے
 آکر کہا ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دل کو موسوس ڈالتا ہے۔ صادقہ بیٹی! تو پوتوں پہلے اور
 دو دودھ نہلاتے اور تو بوڑھے ہاگن ہو جیسے جیسے آرام تو نے مجھ کو دینے میں ایک ایک کے بلے
 ہزار ہا رکھ دیکھے خدا حافظ خوش رہو آباد رہو۔ مگر ماں کو اپنی جدائی کا داغ دسے چلیں اب میں
 تمہاری صورت کو بٹری ترسا کر دوں گی۔ برسوں تک تھکے تھے بریں نے یہ بھی تو نہیں جانا کہ گھر کدھر ہے
 اور میں کدھر ہوں۔ اب تمہارے گئے۔ پیچھے اس کھڑا ک کو کون سنہالے گا؟“

غرض بیٹی کی جدائی کے خیال سے ماں کا دل بھرا آیا تو کوئی آدھ گھنٹے میں حج کر سنہلا تب میرے صاحب نے
 کہا کہ تم نے ابھی سے صادقہ کو گویا ہوا کیوں فرض کر لیا ہے؟ کیا معلوم کہ طرف ثانی کا کیا ارادہ ہے۔ اس سے
 کائناتوں کے خدایاں عجب نہیں بنارس میں رہنے کی مرضی نہ ہو اور ابھی بڑھ رہے ہیں علی گڑھ میں
 رہنے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ اور مانا کہ بنارس ہی جانا ہوا تو یہاں تک برابر ریل کے کچ نام کو
 سوار ہو کر کل نماز عصر بنارس جا پڑھو۔ اور میں تو ایک سینیٹی بات جانتا ہوں کہ جب آدمی اپنی

انکھوں کے سامنے نہیں تو جیسا لگے ڈولی ویسا پردیس سچ کہا ہوا لکھ چیل پہاڑ اوجھل۔ اچھا رہی ہی دونوں لڑکیاں سی شہر میں موجود ہیں۔ ہماری طرف سے شہر میں ہوئیں اور بارہ ہوئیں تو یہاں ناجاننا خطہ تو ریل اور ڈاکا ورنار کی بدولت ہم تو سارے ہندوستان کو اپنا ہی شہر سمجھتے ہیں۔ اور پھر یہ تو ضیاء کو کس کے ساتھ رہا ہوا اور کون کس کے ساتھ رہ جائے گا۔ اس کی مثال ڈنچوگ کی سی ہو کجب تک ناؤ دریا میں چل رہی ہو مسافر ایک جگہ ملے بیٹھے ہیں۔ ناؤ کنسے لگی اور ہر ایک نے اتر اتر کر اپنا اپنا رستہ لیا۔ ناؤ کے مسافر ایک دوسرے سے پچھرتے وقت نہ ملتے اور نہ بچ کرتے، اس واسطے کہ وہ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے کہ یہ سنگت ساتھ بارہونے تک کا ہے۔ ہم لوگ اویلا کرتے اور فریاد مچاتے اس لیے کہ ہم نے غلطی سے ناؤ کو گھر فرض کر لیا ہوا اور گھر بھی ہمیشہ ہمیشہ کا گھر میرا ایک سنت میں ان کو فقیروں سے بڑی ارادت ہو۔ سوہ اپنی ایک نقل بیان کرتے تھے کہ مجھ کو فقیروں سے ملنے کی ہمیشہ سے دھت رہی ہو۔ سالک ہو مجذوب ہو کسی رنگ میں ہو مجھے ایک بار اس سے ملنا ضرور ہزاروں قسم کے فقیروں سے گزرے۔ جو بان میں ڈھونڈتا تھا کہ بھلا اور کچھ نہ ہو تو فقیروں سے مل کر ننھوڑی دیر کے لیے دل تو گداز ہو کسی میں نہ پانی بلایے ایک دن خاکی شاد ہمارے مکان کے تلے سے جا بسے تھے دو بانیں ان میں بھی بڑی ہی عمدہ ہیں۔ ایک تہجمے کے جتنے بگل سے مسواکیں کاٹ لائے ہیں۔ نماز کے بعد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جا بیٹھے جس کو ضرورت ہوئی اس نے مسواک اٹھالی کسی نے از خود کچھ دے دیا تو خیر و رد منہ سے نہیں مانگتے۔ بس یہی ان کی معاش ہو اور یوں کسی نے کچھ دینا چاہا تو کہہ دیتے ہیں کسی اپنا چ کو دو۔ میں تو کھاتا ہوں اور کھا سکتا ہوں۔ دوسرے کہ آندھی ہو مینہ ہو اندھیر ہو جالا ہو پانچوں وقت جامع مسجد کی اول جماعت میں موجود۔ خیر تو ہمارے مکان کے تلے سے نکلے تو میں نے سلام علیک کی۔ لکے پوچھے کیوں صفا کوئی درویش بلا ہا میں نے کہا تم کسی کو بتاتے ہی نہیں اور مجھے خدانے ایسی آنکھیں نہیں دیں کہ دیکھوں اور پہچان لوں۔ آہستہ سے لگے کہنے ان دنوں

ایک شخص آیا ہوا ہے۔ سقوں کے بھیس میں ہے۔ لاہوری دروازے کے باہر نہر کے پل سپیل پلایا کرتا ہے۔ اُس سے تو ملو۔ خاکی شاہ تو اتنا کہہ کر چلتے ہوئے اور میں سیدھا نہر کے پل پر پہنچا۔ دیکھا تو واقع میں ایک دیہڑا شخص لوگوں کو کھڑا پانی پلا رہا ہے اور اس کا انداز یہ ہے دیتا ہے کہ یہ سقا نہیں ہے اس پاس سقوں سے پوچھا تو سب نے انکار کیا کہ ہم تو اس سے واقف نہیں۔ غرض میں اس کی ٹوہ میں لگا رہا تو معلوم ہوا کہ اٹے کی مشین میں دھبلا شاک کے حساب سے ہر روز ہزار ڈیڑھ ہزار شکیں بھروائی جاتی ہیں وہاں یہ بھی ڈبائی تین آنے کا پانی بھرتے ہیں۔ رات کو یہ کام کرتے اور دن بھر سپیل پلاتے ہیں اور سبھی پنج کوئیوں کے پانی کی ہیں۔ میں نے اس شخص سے لگاؤٹ کرنی چاہی تو ہاتھ نہ دھرنے سے آخر میں نے ایک دن پنج کوئیوں پر چالیا اور تخلیہ پا کر کہہ کہ اگر تم کو کچھ خدا کا رستہ معلوم ہے تو اتنا مضائقہ کیوں کرتے ہو۔ پانی پلانے میں فیاضی اور خدا رستہ بتانے میں بخل۔ یہ سن کر رشک تو کندھے پر سے اتار کر رکھ دی اور تم دونوں زمین میں بیٹھ گئے تو کہنے کیا میں۔ کیا تمھارے پاس سول نہیں آیا کیا تم پر قرآن نہیں اُترا؟ اب کون سے رستہ بتانے والے کے نظر ہو؟ خدا کا رستہ کھلا پڑا ہے اور سب کو معلوم ہے اور تم کو بھی معلوم ہے۔ تم آپ تو سستے پر چلنا نہ چاہو اور رستہ بتانے والے کا یقین نہ کرو تو تم صرف بہانہ ڈھونڈتے ہو۔ کیا تم نے قرآن میں مرنے کا حال نہیں پڑھا اَللّٰہُ اَلْقٰی بَیْہَا فُجِ سَا لَہُمْ خَزَنَتُہَا اَلہِیَا لَکُمْ نَذِیْرٌ قَالُوْا اِبٰی قَدْ جِآءَنَا نٰذِیْرٌ کَذٰبٌ بٰنَا وَفَلَنَا مَا نَزَلَ لَہُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّ اَنۡہُمۡ لَافِی ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ کہ جب اُس میں کافروں کی کوئی ٹولی جھونکی جائے گی تو دُفین کے پیرے جو کی دالے ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں کیا تو جواب دیں گے ڈرانے والا آیا تو ہسی مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور خدانے تو کوئی چیز اتاری نہیں تم ہی گمراہی میں پڑے ہو۔ تم جو خدا کا رستہ پوچھتے پھرتے ہو تو اس کے بھی محی ہیں تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا یا پہنچا مگر تم کو اُس کے ڈرانے پر قناعت نہیں اور چاہتے ہو کہ اس سے بہتر کوئی ڈرانے والا ہو۔ تو غریب من یہ تو بہت ہی بُرا خیال ہے۔

اور کوئی مولوی سُن پائے تو ابھی کفر کا فتویٰ لکھ مائے۔ یہ سب بیٹے بیان کے دھوکے ہیں۔ ظالم نے کہاں دین کی آڑ میں جا کر غلہ مارا ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قی نازل ہوئی تھی بلا کم و کاست سب کو پڑھ کر سُنا دیتے تھے اور لکھواتے تھے۔ چنانچہ اس کا مجموعہ قرآن میں موجود ہے اس میں سے ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ کھٹا نہیں اور گھٹے کا بھی نہیں۔ ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک شوشہ اس میں بڑھا نہیں اور بڑھے کا بھی نہیں۔ کیوں کہ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور فرمایا جو وانا لہی حفظون قرآن میں ہمارے لیے روز قیامت تک پوری اور مکمل اور کافی ہدایت موجود ہے۔ وہ سب درودست کہتے تھے کہ سنے کی یہ تقدیر سن کر میں تو دنگ ہو گیا۔ اور میں نے اپنے جی میں کہا اللہ اکبر یہ تو کوئی بڑا شخص ہے اس بڑھ کر کوئی کیا درویشی کرے گا یہ تو علمی ریاست ہے اور یوں اس شخص نے اپنے تئیں مٹی میں ملا رکھا ہے۔ آخر میں نے کہا تو بھر پیری مریدی کوئی چیز نہیں تو اس کا ایسا معقول جواب دیا کہ بس تسلی کر دی۔ کہا نہ ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح کا نام ہے دین۔ مثلاً طہارت ایک تو ظاہر کی ہے کہ آدمی کے جسم پر لباس پُر اس پُر اس کے بیٹھے کھڑے ہونے کی جگہ پر گندگی غلاطت گھن کی کوئی چیز نہ ہو۔ اگر کسی نے غسل کیا وضو کیا صاف ستھرے کپڑے پہنے پاک جگہ میں کھڑا ہوا اس کا ظاہر درست ہو گیا۔ مگر خدا کی نظر میں وہ اتنا کرنے سے درست نہیں ہوا جب تک اپنے دل کو غصے اور لالچ اور غرور اور حسد کی گندگی سے پاک نہ کرے تب ہو کہ قسم نہ کھائے جھوٹ نہ بولے فحش نہ بچے کسی کی غیبت نہ کرے غرض دین کے یہ دو بڑے رکن ہیں ظاہر کی اصلاح اور باطن کی صفائی۔ قرآن میں دونوں کی ناکید ہے اور ایک ساتھ دونوں ہی کی تعلیم اور تعمیل ہونی چاہیئے۔ لوگوں نے غلطی یہ کی کہ دونوں شاخوں میں جدائی قائم کر دی۔ مولویوں نے تو بیا ظاہر اور اس پر اتنا زور دیا کہ لوگ باطن کو بھول گئے۔ مثلاً نئے باطن کو پکڑا اور ظاہر سے کی غفلت۔ نماز کے متعلق مولوی ان باتوں میں تو اختلاف کرتے ہیں امام کے پیچھے مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے یہ

پکا کر کھی جائے یا آہستہ، رفع یدین ہو یا نہ ہو۔ لیکن حضور قلب کے ان کے یہاں بحث ہی نہیں اور اگر اس کو شرط قرار دیا ہوتا تو عربی کی یوں نٹی ہی کیوں خوار ہوتی کہ کوئی دن کو عفتا شاید ڈھونڈ سے کہیں مل بھی جائے مگر عربی داں دو اکو بھی میسر نہیں آئے گا۔ خیر یہ تو مولویانہ ناز ہو کہ بھجویا نہ کچھو کچھو رکھ میں گئے، سجدہ کیا، تشہد پڑھا، سلام پھیرا، نماز ہو گئی، مشائخ کہتے ہیں نماز نام، حضور قلب کا اور وہ اس نہیں ہوتا کہ قبلہ کی طرف منہ کیا، نیت باندھی، خیال جم گیا۔ اس کے لیے چاہئے برسوں کا ریاضت ناکہ آدمی کو خیال جمانے کی عادت پڑے۔ مگر ظاہر کی اصلاح ہو یا باطن کی صفائی، دونوں کا اصل الاصول اول فیجے ہیں قرآن دوسرے فیجے میں حدیث۔ بلکہ قرآن اور حدیث کو بھی یوں سمجھو قرآن متن ہو اور حدیث اس کی تفسیر۔ مولوی باطن پر زور نہ دیں مگر ان کی تعلیم یہی دو چیزیں ہیں جن کے فیصلے سے حکم خدا اور رسول ہم تک پہنچا ہو۔ مشائخ چپکے چپکے کچھ ایسا کلمہ بایں گڑا بیٹھتے ہیں کہ ان کا کچھ بھید ہی نہیں کھلتا۔ اور انھوں نے سینہ سینہ ایک تعلیم بچا دی کہ مولویوں کی تعلیم سے الگ۔ اور اُس کو انھوں نے اپنے گروہ کے ساتھ خاص کر رکھا ہو گیا وہ راز ہو جس کو خدا نے عام مسلمانوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہا۔ سو بھائی اپنی سمجھ میں تو آتا نہیں کہ خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، دین ایک، پھر یہ میرا کجی نتیجہ یہ ہو اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ جو لوگ مولویوں سے ہدایت پاتے ان شروک کے معاملات اچھے نہیں اس لیے کہ ان کے دلوں میں نیکی کا بیج نہیں بویا گیا۔ دین کے ساتھ ان کی نسبت ایسی ہی جیسے قانون کے ساتھ وکیل کی کہ مقنن کی اصل غرض سے تو اس کو مطلب نہیں وہ جس طرح بن پڑتا ہو اپنے موکل کو قانون کے لفظوں کی گرفت سے بچانا چاہتا ہو۔ دوسری طرف شل کا گروہ رعایتی ہی جیسے بادشاہی جیلے کہ وہ خدا کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت جتاتے ہیں اور ان کے یہاں حکام شرع ظاہر محض نہیں تو بے قدر ضرور ہیں۔ اس پر میں نے پوچھا تو آپ کو کسی سے بیعت نہیں۔ کہا ہی نہیں، اور ہوگی بھی نہیں اور میں اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا۔ تم کو میرا بے میں نہ ہو کا ہوا ہی میں مختصر طور پر پڑنا حال بیان کرتے دیتا ہوں۔

اس سے تم سمجھ لو گے کہ میں کیا ہوں میں نے دیوبند کے مدرسے میں مدتوں طالب علمی کی ہے اور رسی کتابیں سب میری نظر سے گزری ہیں مگر میری طبیعت واقع ہوئی تھی غیور مولویت کی شان سے معاش پیدا کرنے کو میں پسند نہیں کرتا تھا اور مولویت کو کوئی پوچھنا بھی نہ تھا۔ مجبور میں نے ریلوے پر کنکر کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ اس میں ایسی ناجائز کارروائی کرنی پڑتی تھی کہ کرتا ہوں تو طبیعت گوارا نہیں کرتی اور نہیں کرتا تو اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔ ایک ن بڑے سویرے نماز صبح پڑھ کر میں کنکر کے ڈھیروں کو دیکھتا پھرتا تھا کہ استغیث میں معمول کے مطابق ریل طیارہ ہوئی۔ اسٹیشن پر جیسا دستور گھنٹہ ڈیرہ گھنٹہ چل پھل رہی یہاں تک کہ ریل روانہ ہو گئی۔ اس کا چلنا تھا کہ مجھے خیال آیا جس طرح اس ریل کی ابتدا اور انتہا ہے اسی طرح دنیا کا آغاز و انجام ہے۔ جس طرح ریل کی گاڑیوں کے درجے ہیں فرسٹ کلاس، سکند کلاس، اسٹریٹ کلاس، تھرڈ کلاس۔ اسی طرح کیا دینا کیا دین کئی کتاؤں میں لوگوں کے درجے ہیں۔ کوئی امیر کوئی غریب۔ کوئی بدبو کوئی نیک۔ جس طرح اسٹیشنوں پر روانگی سے پہلے لوگوں کو ٹکٹ دئے جاتے ہیں جن میں ایک مقام خاص تکیا کو سفر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کی تقدیریں ہیں عمر کے اعتبار سے رزق کے اعتبار سے اولاد کے اعتبار سے اور سب چیزوں کے اعتبار سے جیسی نسبت ٹیم کو ریل کے انجن سے وہیسی ہی یا اسی کے قریب قریب انسان کی روح کو اس کے جسم سے۔ جس طرح کوئی مسافر بیچ میں ریل پر سے اترنے اور اپنی حد سے بڑھنے نہیں پاتا اسی طرح ہم سے جبراً اذاجاء اجلہم لایستأخرون ساعۃ ولا یتستفقون کی تعمیل کرائی جاتی ہے۔ غرض ان خیالات نے میری دل پر ایسا ہجوم کیا کہ جہاں کھڑا تھا وہاں پر تک وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر انہی حالت پر آیا تو طلبے نیا کو بی نہ چاہا۔ اور اب میں اس حال میں ہوں جو تم دیکھتے ہو۔ چاہے اس کو فقیری سمجھو اور چاہے جنون۔ نہ مجھ میں خرق عادت ہے نہ کمرستہ در نہ اس

ملہ وعدے سے زیادہ دم۔

حال میں رہنے سے میں اپنے تئیں کسی طرح کا سختی سمجھتا ہوں۔ میں نے دنیا کو ویسا ہی سمجھا جیسی وہ ہے۔ اگر میں دنیا سے کسی قدر الگ ہو گیا ہوں تو یہ میری کمزوری ہے اور میں اس شان کو بدلنے ہی والا ہوں۔ تاکہ تمھاری طرح دوسروں کو دھوکا نہ دے سکوں۔

دسویں فصل

صادقہ کا بیاہ

یہ حکایت تمام کر کے مجھ سر رونے لگی تھی کہ مجھ کو یہ بات نا پسند ہو گئی تو تمھاری جمع خوشی تو ہوئی مگر میں اُمید کرتا ہوں کہ تمھارے دل کو اس کسی قدر تسکین بھی ہوئی ہوگی کیوں کہ آدمی کو خدانے ایسا ہی بنایا ہے کہ خیال کو اس کے رنج و راحت میں بڑا دخل ہے۔ تو آج میں سید صادق کو منظوری لکھے بھیجتا ہوں اور ہاں میری یہ بھی رائے ہے کہ تم دو بیٹیوں کو دنیا کے دستور کے مطابق بیاہ چکی ہو اب وہ سب بکھیر کر نکالیا ضرور ہے صادقہ ایسی سمجھ دار بیٹی ہے کہ وہ بھی اسی کو پسند کرے گی اور سید صادق یقیناً حد سے زیادہ خوش ہوں گے۔

بی بی! بکھیر کر نہ ہی والا کون ہو؟ کتنی تو صادقہ ہی کرتیں۔ اور آخر دونوں بہنوں کے بیاہ میں اندر باہر سارا انتظام انھوں ہی نے کیا تھا۔ مجھ سے تو کچھ ہونا ہوتا نہیں اور اب تو میرا دل ہی ٹھکانے نہیں بیٹی کو سر سے ٹالنا اور دھکے مار کر گھر سے نکالنا ہے۔ دن کے بدلے چپ چاپ تے رات کو ہو تو اُدرا چھا۔“

غرض میرے صاحب نے سید صادق کو لکھ بھیجا کہ ہم نے آپ کی درخواست بخوشی منظور کی۔ آپ نے اپنے خط میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ کسی کو رنج دینا گو وہ رنج بے اصل اور بلا وجہ مقبول ہی کیونہ ہو جائے نہیں رکھتا۔ آپ کی اس سلامت روی کے بھروسے پر استورات کی یہ تمنا ہے کہ حتی الامکان لوگوں کو

آپ اس کا موقع نہ دیں کہ آپ کی وضع ظاہر کی وجہ سے ہم کو رنج پہنچائیں۔ اور جو خیالات آپ کے خطا ہیں ظاہر کیے ہیں اُن ہی سے ملتی ہوئی یہ بات بھی ہو کہ ہم شرعی نکاح چاہتے اور اس کے لیے ہمہ وقت طیار ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو پانچ ہزار ہر مثل کے قبول کرنے میں کچھ عذر ہو گا۔ رقم خیر و زانیہ اس کے جواب میں سید صادق نے جیسے اُن کی عادت تھی پھر اپنے چند حکیمانہ خیال ظاہر کئے کہ میں نے دیدہ و دانستہ انگریزی لباس میں اپنی تصویر کھچو کر آپ کی خدمت میں بھیجی اور مقصود یہ تھا کہ انگریزی وضع اور تصویر کے بارے میں میرا خیال آپ پر ظاہر ہوا اور یہ نہ ہو کہ عام خیالات کا۔ تب بہت کچھ فرو ہو گیا ہو گا اور جیسا کہ وقت کا تقاضا ہو لوگ خود بخود انگریزی وضع اختیار کرتے چلے جاتے ہیں لیکن شروع شروع میں اس پر ایسا غل مجا نہ صرف عوام میں بلکہ عوام سے بڑھ کر خواص میں گئے یا انگریزی کپڑے پہن لینا یا انگریزوں کی طرح یا اُن کے ساتھ میز پر بیٹھ کر چھری کاٹے سے کھانا کھانا کر دلو ہو اور اس کے فتوے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ زمانہ جو سب کی عقلوں کو ٹھیک بند تیار ہو اس غلطی کی بھی اصلاح کرنا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کر رہا ہو اور کسی قدر کہ بھی چکا ہو تو کیا سید احمد خاں کو باؤے گتے نے کاٹا تھا کہ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنے تئیں انگشت نہا کر کیا نہیں نہیں لیکن سید احمد خاں کے درو کو ہر شخص نہیں پاسکتا۔ ان میں بڑی صفت یہ ہو کہ ہم سب سے پہلے زمانے کی رفتار کو بچانے اور مسالوئی آگاہ کر دینے۔ ان کی مثال مسلمانوں کے ساتھ ایسی ہو کہ گرمی کے دنوں میں ہمارے ہندوستان کے بعض مقامات میں ایسی سخت اُصلی ہو کہ خدا خواستہ آدمی کو لگ جاتے تو پھٹکا نہ کھائے ایسی ہی جگہ ایک شخص نے مئی جون کی ساری رات لغویات میں لہری کی صبح مچتے سویا۔ دن چڑھتا چلا آتا ہو اور وہ دھوپ میں کھلی چھت پر غفلت کی نیند پڑا سوتا آوا در لو کوئی دم میں چلی کی چلی۔ اس کا ایک فینق درو منہ اس کو جھنجھوڑتا اور چلاتا کہ خدا کے لیے کیا غضب کرتا ہو اُٹھ بھاگ۔ اور یہ شخص ہو کہ اُس فینق پر چھنجھوڑتا کہ کیوں میری نیند خراب کرتا ہو معلوم ہو کہ دھوپ کی تیزی اس کو سونے نہیں دے گی

اور یہ جائے اور اس کا اچھا جائے۔ مگر سب کا بھی تو ڈر ہے کہ کہیں سوتے کا سوتا ہی نہ رہ جائے اسی طرح جو کچھ سید احمد خاں کہتے ہیں مسلمان اگر دُنیا میں رہنا چاہیں گے تو کریں گے اور اس سے بڑھ کر کریں گے مگر ابھی نہیں۔ اچھی طرح مٹ لیں گے، پیٹ بھر کر خراب ہوں گے تب کہیں جا کر سمجھیں تو سمجھیں میں جانتا ہوں اور افسوس کرتا ہوں کہ سب لوگ کیوں نہیں جانتے کہ سید احمد کے دل میں انگریزی وضع کی ذرا بھی وقعت نہیں اور وہ سب بڑھ کر سمجھتے ہیں کہ وضع ہماری ملکی حالت کے بھی مناسب نہیں مگر ان کو اس وضع کے اختیار کرنے اور دوسروں کو اس کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مجبور کیا ہے دو چیزوں نے۔ اول یہ کہ انگریز ٹھہرے حکام وقت۔ ان کی نسبت سے ان کی کل چیزوں میں وقار آگیا ہے، از جملہ وضع میں بھی۔ تو مسلمان وہ وقار کیوں پسند کریں؟ دوسرے یہ کہ دنیاوی ترقی کے لیے جہاں تک ممکن ہو ہم کو چار دنا چار انگریزوں کے ساتھ سازگاری رکھنی اور ان کی پیروی کرنی ضرور ہو اور اس کی جہاں اور بہت سی تدبیریں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ان ہی کی زبان میں گفتگو کر سکیں، انہیں کے طور پر رہیں کہ اس اختلاف میں آسانی ہوتی ہے۔ اور ان دو غرضوں کے علاوہ ایک اہم مطلب اور ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کو ہندوؤں کے دھرم کی طرح چھوٹی موٹی بنا رکھا ہے ذرا ٹھیس لگی اور گملا یا اور یہ خیال ان کو پسینے اور ابھرتے نہیں تیار یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ منہ سے کہتا اور دل سے اس کا عقیدہ رکھتا اور عقیدہ نہ رکھے گا تو اس آزادی کے زمانے میں منہ سے کہنے ہی کیوں لگا ہو ٹپلون پہننے ہو اور مسلمان ہو۔ مینر پر چھری کانٹے سے کھا رہا ہو اور مسلمان ہو۔ انگریزی زبان بول رہا ہو اور مسلمان ہو۔ غرض اس کا سارا ظاہر انگریزوں کا سا ہے اور مسلمان ہو۔ میں بھی ذاتی آسائش کے امتبار سے تو انگریزی وضع کو پسند کرتا نہیں مگر مصلحتوں کے خیال سے نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ جن کی نیت خیر ہے ان کو تحسین کا مستحق جانتا ہوں مجھ کو معلوم ہے کہ اس وضع کے لوگ نفرت سے دیکھے جاتے ہیں

اور مذہبی خیالات کے تزکیے کو ابھی مدتیں چاہئیں اور میرا مطلب اُسں پیدا کرنا ہی نہ دشت لانا۔ تو آپ پورا اطمینان رکھیں کہ سوائے اُسں زینت کے جو مردوں کو شایاں نہیں آپ مجھ کو اُسی شان میں دیکھیں گے جس شان میں آپ مجھے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جو خوشی مجھ کو اپنی درخواست کے منظور کیے جانے سے ہوئی اُسں دو چند بلکہ زیادہ اس بات سے ہوئی کہ آپ شرعی طور سے اس کام کا سر انجام کریں گے۔ میں ان یہودہ اور لغو اور لالینی مصارف کا جو ایسے مواقع پر کیے جاتے ہیں سخت مخالف ہوں اور اس دستور کو من جملہ اسبابِ فلاس مسلمانان سمجھتا ہوں۔ اور اگر میں کسی اجنبی محض مسلمان کے یہاں بھی سُن باتا ہوں تو مجھ کو قریب قریب ویسی ہی ایذا ہوتی ہے جو اپنے ذاتی سرمایے کے نقصان سے ہوتی۔ افسوس ہے کہ مسلمان جو ان دنوں سب سے زیادہ محتاج ہیں ایک پیسہ بھی جھوٹی شے اور نو دین اگر ضائع کریں مہر کے بلے میں میری یہ سائے ہے کہ اگر مسلمان مرد اور عورت میں نسبت مساوات کو قائم رکھیں جو شارعِ اسلام دالوجال علیہن درجۃ کے لحاظ سے اُن میں قائم رکھنی منظور تھی تو مہر جتنا کم ہو بہتر لیکن ہم لوگوں نے اُس نسبت کو قائم نہیں رہنے دیا اور ملکی دستورات نے عورتوں کے بہت سے حقوق چھین لئے ہیں اور سوائے اس کے کہ مہر زیادہ کیے جائیں عورتوں کے باقی ماندہ حقوق کی حفاظت کی اور کوئی تدبیر نہیں۔ پانچ ہزار روپیہ اگرچہ میری حیثیت موجودہ سے زیادہ ہے مگر مجھ کو اُس کے قبول کر لینے میں کچھ بھی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے آج تک اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی بلکہ میں نے اُن کے ہوتے اپنا کوئی ارادہ ہی نہیں کھا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ والدین میرے سچے خیر خواہ ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں میری بہتری کے لئے۔ تو میں نے اپنا دستور یہ رکھا کہ جو فرمایا تمہیں سے سر و کار رکھا۔ کبھی یہ بھی تو نہ بوجھا کہ اس کا بغرض یہ اب جو میں نے اس تعلق کا خیال کیا تو ساتھ ہی جی میں یہ بات بھی ٹھہری کہ میں کام اپنی ہی بلند اور اپنی ہی تجویز سے

کر دوں گا۔ اور میں اس کو اپنا سخی انسانیت سمجھتا ہوں معلوم نہیں کہ والدین اس کے اتفاق رائے کریں یا نہ کریں۔ لیکن اگر کریں بھی تاہم میں اس آزادی کے عمل میں لانے کو نافرمانی ہی سمجھتا ہوں اور میں نے اپنے لیے اس جرم کی یہ سزا تجویز کی ہے کہ اپنے ننہیں تمام حقوق فرزند سے محروم رکھوں اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت میری حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مجھ کو کلج سے اسکا لرشپ ملتا ہے اور وہ اتنا ہے کہ میں اس کے اپنی مختصر خانہ داری کو بخوبی چلا سکوں گا۔ نوکریاں مجھ کو اب بھی ملتی ہیں۔ جب تک امتحان کے مرحلے طے نہ کروں کوئی سی نوکری بھی اختیار نہیں کر سکتا اور معلوم نہیں کہ آئندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے۔ مگر دنیا بامید قائم میں نے اسی غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ مجھ کو معاش کی طرف سے فلاح البالی ہو اور ان شاء اللہ ہوگی اور ضرور ہوگی۔ پس اگر پانچ ہزار میری حیثیت موجودہ سے بہت زیادہ ہے میری حیثیت آئندہ سے کم اور بہت کم، اولہ چونکہ میں خیال کا آدمی ہوں کہ برابر کے فیچے میں مرد کو عورت کا عورت کو مرد کا پائندہ رہنا چاہیے مجھ کو عورت ہر کے زیادہ کر دینے کا موقع ملے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ اس بات سے میں زیادہ مرسلت کی ضرورت ہو۔ اور میں آج کے پندرہویں دن اپنے چند دوستوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوں گا اور شرعی معاہدہ ہو جانے کے بعد ایک ہفتہ رہ کر تنہا کلج کو واپس آؤں گا۔ اور جب تک امتحان سے فلاح ہونے کے بعد میرا معاملہ مکسبونہ ہو اس انتظام کو جاری رکھوں گا۔ راقم۔ سبید صادق۔ از بنارس۔

ایسا ہی ہوا کہ روز مقرر پر سبید صادق اور ان کے دوست ہندوستانی بھلے مانسوک لباس میں شام کو آئے۔ نکاح ہوا دونوں دوست اسی رات نو بجے کی گاڑی میں واپس گئے سبید صادق ایک ہفتے تک ٹھہرے ہیں۔ ان میاں بی بی کے حالات بھی شروع سے آخر تک بڑے ہی بکا رآمد دل چسپ ہیں۔ دونوں بھی خاصی پٹی عمر میں سیلے گئے جب کہ دونوں سینھے تھے کہ بیاہ ہے کیا چیز صادق کے خیالات اس کی تعلیم کی وجہ سے اور صادق کے اس کی جبلت افتاد مزاج کے سبب ایسے ایک دوسرے سے

ملے ہوئے تھے کہ وہ جو ایک جان و ذوالب کہتے ہیں بس ان دونوں پر صادق آتا تھا۔ دونوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کو خوش رکھیں۔ بھلا پھر ان میں سازگاری تو اور کن میں ہو؟ ایسا نہیں ہوا کہ راہ چلتے ایک ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو بقدر امکان جانا سمجھا۔ اور جانے سمجھے پیچھے میاں بی بی بننے پر راضی ہوئے۔ پس حقیقت میں ان کا ایجاب قبول البتہ ایجاب قبول تھا۔ وقت پر تو اعلان ہوا مگر چھپانے کی چیز نہ تھی اور چھپاتے ہی کیوں آخر لوگوں کو معلوم ہوا اور معلوم ہوا تو کھڑکھڑاس کا چرچا تھا۔

گیارہویں فصل دلی کے مسلمانوں کی سوسائٹی

میر خسرو معمولی طور پر بیڑی کو بیاہتے تو شہر میں ان کے عزیز و اقارب سے آشنا جان پہچان کر لے کر ہالہ دہنہ راہ آرمی جاتے۔ یا اب گلی گلی کو چہ کو چہ ایک ڈھونڈ وراسا پٹ گیا مولوی تو ایسی باتوں کو ہی میں لگے بہتے ہیں، ان کو رسالوں کے واسطے مضمون، فتوؤں کے لیے مسئلہ و عظیم بیان کرنے کو قصہ ہاتھ آیا سید صادق شہر سے اپنے بڑے لکھنے میں لگے ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان مسلمانوں کے مذہبی خیالات سے آگاہی نہ تھی۔ تھی اور بہت کچھ تھی مگر وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ یہی تعصب مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کا مانع ہے۔ اب جو انھوں نے دلی سے ایک تعلق پیدا کیا اور یہاں کے لوگوں نے نہ بد رفتی سر ہو کر اپنے تئیں پہچنوا یا تو انھوں نے جانا کہ شاید روئے زمین پر کہیں مسلمانوں کا مذہبی حالت ایسی ردی نہ ہوگی جیسی دلی کے مسلمانوں کی۔ انھوں نے دیکھا کہ اس بدنصیب شہر کے بدنصیب مسلمانوں کو محاربات سلطنت اور ضعف سلطنت اور ذوال سلطنت اور زخار ۸۵۷ء کے غداری وجہ سے جیسے جیسے صدمے پہنچے وہ ان کو سینکڑوں برس تک پینے نہ دیتے

مگر یوں کہو خدا کی کچھ ایسی مہر کی نظر تھی کہ انگریز حاکم دقت سے اور ماں باپ و لاد کی کیا پروا کرے گی جو انھوں نے رعیت کی پرداخت کی۔ اور ان کی عمل داری میں رعیت اس قدر آسودہ ہوئی کہ کبھی کسی وقت میں نہ ہونی ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کی کچھ ایسی مت ماری پڑی کہ یہ لگے انگریزوں سے بگمائی رکھنے۔ نتیجہ یہ ہوا اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ دوسرے لوگ بازی لے گئے اور یہ منہ دیکھتے دیکھتے ہی ہے۔ بھلا کہیں خدا سے بندے کی ضد چلتی سنی ہے، ہٹ گئے، برباد ہو گئے، جیتے پھر بھی سب نہیں، ہزاروں میں ایک دھ، وہ بھی دلی میں نہیں کہ یہ اپنی اُسی پُرانی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں پر خدا کا خاص غصہ ہے، نعوذ باللہ من غلبہ اللہ اور وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ بلا سے یہ کہیں غارت ہو چکیں کہ مسلمانوں کے سر سے بلا ٹلے جس کم جہاں کی مصیبت یہ ہے کہ آپ بگڑے سو بگڑے یہ نادان دوست دوسرے مسلمانوں کو بھی سنورنے نہیں جیتے معصومین تو ڈوبنا ہوں مگر تم کو بھی لے ڈوب لو گے۔ یہ سچ ہے کہ بننا بگڑنا سب کچھ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے۔ لیکن خدا بیٹھ رہا یا شیریں کر آدمیوں کو نہیں پھاڑتا پھرتا۔ اور نہ سانپ کے جون میں اگر ڈستا۔ بلکہ عادت آہی یوں جاری ہے کہ جو کچھ اُس کو کرنا ہوتا ہے ہمارے دل میں ایسے ہی خیال الہی ہوں اور ہم ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا فائدہ یا نقصان بھلائی یا بُرائی بہتری یا بدتری سب کچھ کہتے ہیں اور اپنے ہی تعلق سے تحسین یا ملامت کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور پھر ان نہ اتنے پھر بھی نہیں جگہ سے رُکڑ تو سر کے اور اٹھاؤ تو اُٹھے۔ بلکہ ایک حد تک فاعل مختار ہے۔ اور خدا نے کسی کو اس حد کا علم نہیں دیا تو خواہی نہ خواہی سارا بوجہ انسان ہی کو اٹھانا پڑتا اور ہر صورت سے وہی ملزم ٹھہرتا ہے تو ہم ہی بتاؤ مسلمانوں کو بگڑا دیکھ کر مسلمانوں سے کہیں تو اور کس سے کہیں مطالبہ علمی کی وجہ سے یہ صادق کے مزاج میں تو ایک طرح کی عزت پسندی آگئی تھی اور حقیقت میں وہ ملاقات کا چور تھا۔ لوگوں کی جیسی عادت ہو طرح کی اس کی توجیہات کرتے۔ کوئی کہتا مغرور ہیں، کوئی سمجھتا انگریزیت چرگئی ہے ہندوستان میں

نفرت رکھتے ہیں، کوئی خیال کرتا عقائد بگڑے ہوئے ہیں کیا منہ لے کر مسلمانوں میں بیٹھیں لیکن چاہیے کلاس خیال سے اس کی ملاقات سے کنارہ کشی کریں کیا مذکور۔

دلی میں کتنے لوگ ایسے بے کار پڑے پھرتے ہیں جن کو دنیا اور دین کا کوئی کام کرنے کو نہیں صبح ہوئی یہ خدا جانے کہاں سے کوئی ڈیڑھ پہر رات جاتے جاتے بیوی کے ڈر سے گھرتے چھینکے پرے روٹی اتارنا سوڈھے تلے سے سالن کی پیتلی نکال، سچا کچھا کھاپی منہ لپیٹ پڑے۔ سویرے آتکھ کھلے کیا خاک غرض جیسے دیر کھڑے تھے ویسے ہی دیر کر اُٹھے۔ منہ ہاتھ دھویا بالوں میں کنگھی کی تیل ڈالا سرمہ لگایا۔ پان کھا چھڑی رومال ہاتھ میں لے چلتے ہوئے کسی کام سے نہیں کسی خاص شخص کی ملاقات کو نہیں، جس کسی جان پہچان کے گھر چلا جا ہا موجود ہوئے بلکہ جان پہچان کی بھی کیا ضرورت ہے۔ معلوم ہونا کافی ہے کہ مردانی بیٹھک ہے تقریب ملاقات کو تالیاں کرتا ہے کہ بندہ بہت دنوں سے آپ کی شاد و صفت میں کشتاقت ملاقات تھک کر کل موٹو ہوا اتفاق یہ سرت تو آج حاصل ہوئی لکھی تھی ہر چند ارادہ کیا نہ پڑا اس وقت اتفاق سے ادھر گزر رہا تو طبیعت بے اختیار ہو گئی۔ اسم شریف ہے

صاحب خانہ۔ بکترین کا اہل نام تو میر خورم علی خاں ہے۔ بچپن میں پیارے چٹین چٹکتے تھے اور جہاں بیٹھا ہوں یہ میری سسرال ہے اور جب یہ تعلق ہوا ہے یہیں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے یہاں لوگ مجھ کو شاہنشاہ دولہا پکارتے ہیں اور چونکہ اپنی بولی میں کچھ تانکے تنگ بھی ملا لیتا ہوں میزورون کے نام سے مشہور ہوں۔“

نئے ملاقاتی (جن کا نام خواجہ سلطان تھا) ما شاء اللہ جیسا سنتے تھے اس کل ہزار چہند پایا۔ ہائے زمانہ ہی قدر ہنر کا نہیں ورنہ آپ جیسے بالکمال آدمی کے دروازے پر تو ہاتھی جھوٹے ہوتے۔ کیوں حضرت وجہ معشیت تو یہی کراہ وغیرہ سے ہو گئی۔ آخر کتنے ایک کی آمدنی ہے؟“

شاہنشاہ دوٹھامیر خورم علی خاں موزوں۔" اے جناب کیا آمدنی ہے۔ یوں تو نئی شکر کے نگر سے لے کر چھوٹے درہینے تک کی لین کی لین یہ سب اپنی ہی جائداد تھی تو مقررات ملاؤ لیکن طبیعت واقع ہوئی تھی لا اباالی، پوچھنے کو کبھی روپیہ سمجھا نہیں، وہ جائداد تو ہاتھ سے نکل گئی۔ اب گھر کے لوگوں کے نام چند دکانیں قاضی کے حوض پر ہیں درہنری منڈی میں چار ہزاری آپنے سنا ہوا ایک باغ ہے، بس یہ کل کائنات ہے۔ کچھ خدا کی برکت سے گزر رہے چلا جاتا ہے۔ بزرگوں کے وقت سے مہاجن لگا ہوا ہے، جو ضرورت ہوئی کہلا بھیجا۔ آدمی ہے بھلا مانس کسی بات میں آج تک تو عذر کیا نہیں درہن میں تو اس ریوڑی کے چکر میں کر سڑی ہو گیا ہوتا۔

خواجہ سلطان۔ "نصیب اعداء آپ کی تقدیر میں جو بلاؤں کی رکابی لکھی ہے اسے ہی کی قسمت پر شکر ہے اور آخر تک ایک شان سے گزری ہے۔ ان شاء اللہ اسی طرح گزرے جائے گی۔"

موزوں۔ "جی ہاں میں تو فکر کو پاس نہیں لے دیتا۔ دوست آشنائوں میں ہنس مل کر اپنا وقت گزار دیتا ہوں۔ مجھ کو خبر نہیں ہوتی کہ کس وقت صبح ہوئی اور کس شام ہوئی۔"

خواجہ سلطان۔ "بس کیا عرض کروں بجنسہ میری بھی یہی خصلت ہے، سرم و تفاوت نہیں۔ گویا ہم دونوں کے مزاج ایک سانچے میں ڈھلے ہیں اور تعجب ہے کہ ہم دونوں میں آج تک معرفت کیوں نہیں ہوئی۔"

موزوں۔ "آپ صورت آشنائوں میں۔ بار بار چلتے پھرتے آپ کو دیکھا ہے طبیعت تو میری بھی پٹائیں کرتی تھی۔ مگر وہی آپ کا فرمانا کل امور مہون باوقافہ۔ حضرت کا نام نامی ہے۔"

خواجہ سلطان۔ "فقیر کو خواجہ سلطان کہتے ہیں۔ اور آپ کی پشت پر جو یہ کم نخت سیڑیوں کی لگا ہلاتی ہے، اسی میں غریب خانہ ہے میں تو پہلے میرے عشق کے کوچے میں رہتا تھا۔ مالک مکان کم نخت سیلے مروٹ کہ صرف سوایا ڈیڑھ سال کا کر رہا تھا قس سے چڑھ گیا تھا، لگا سخت تعاقب کرنے مجھ کو ہوا ناگوار بہری برسات میں مکان چھوڑنے کا ارادہ کیا وقت پر ادھر کوئی مکان اپنے ڈھب کا ملا نہیں، آخر اسی مکان میں

آ رہا۔ خانہ داری خدا کے فضل سے ذرا زیادہ ہو۔ مکان ہونا چاہیے گنجائش کا اور یہ سائیں تو اس غلامی پر
موزوں۔ آپ کے کچھ خیال ہی نہ کیا ہوگا۔ ورنہ چاہتے تو بہتر سے مکان اپنی ذات کے کر لیتے ہوتے۔
خواجہ جناب بزرگ تو کچھ ایسے قناعت والے لوگ تھے کہ جو ملا کھالیا، جو سیر یاہن کیا۔ انھوں نے
دُنیا میں بہت پاؤں پھیلانے چاہتے ہی نہیں۔ رہا یہ عاجز تا تو والد مرحوم نے اپنے اوپر تکلیف ہی مگر میری
آنکھ کبھی طرح کامیل نہیں آنے دیا۔ اور میں نے اُن کی بدولت وہ عیش کیے کہ جب کبھی یاد آجاتے ہیں
روئیں روئیں سے مانگتی ہو۔ اور اب بھی اُن ہی کی بدولت عیش نہیں تو خیر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہو
تکلیف بھی نہیں۔ ہم دہی بھائی ہیں تھے ہمیشہ کو انھوں نے ایسی جھی جگہ دیکھ کر دیا لان کی سہولت
بہت کچھ مدد ملتی ہو اور ادھر میرے ایک برادر سستی رجواڑے میں نوکر ہیں، وہ اپنی بہن کی خبر
لیتے رہتے ہیں اور نہ کیوں پس اپنے اسی دکن کے لیے ہوتے ہیں، قیامت میں تو کوئی کسی کو بخوانے ہی
کا نہیں بغرض آپ کی دعا سے مجھ کو تو کسی طرح کا ترود کرنا پڑتا نہیں۔ دو وقت گھر میں گئے اور
کھانا کھالیا۔ خانہ داری کے جھگڑوں سے میری طبیعت اُٹھتی ہو اور میں نے گھر میں کہہ کھا ہی کچھ بھی
کر میں جس وقت آؤں کھانا طیار پاؤں سو وہ نیک سخت اس کا اہتمام رکھتی ہو جب تک
والدہ زندہ رہیں وہ میری ضرورتوں کی خیر نیتی رہیں۔ اب اُن کی جگہ یہ عورت ہو زندہ دکاہ نے
نہ کبھی ہاتھ پاؤں بلایا اور نہ جیتے جی بلائیں۔

موزوں۔ ”بس تو ہماری آپ کی صحبت خوب بنے گی۔“

قیس خنگل میں کیلا ہو مجھے جانے دو۔ خوب گزے گی جو ان سٹھیں گئے دیوانے دو۔

اس کے بعد دونوں میں در بہت سے سوال جواب ہوئے۔ پہلی پہلی ملاقات میں ایک دوسرے

آنے کھلے کہ سارا اچھا حال انھوں نے اُن کا اور انھوں نے اُن کا کھو دکھو کر دریافت کر لیا۔ بس ایک
عورتوں کے نام پوچھنے کی نوبت تو نہیں آئی اور وہ بھی شاید بس سب سے کمزوروں گھر کھانے کے پتے

بُلاؤ سے پر بلاؤ اچلا آتا تھا صلیبے روزانہ دو وقت ملاقات کی قسم تھی ہو کر دن کے ایک بجتے بجتے
مجبوری خواجہ سلطان خست ہوئے گھر گئے اور وہی ٹھنڈی ردی جا ہوا سالن جو ان کی تعمیر کا
تھا کھا، تو اس کا حصہ بی، پھر سوئے تو دو گھنٹی دن رہے کی خبر لی جلگے اور پڑے پڑے سرٹھا کر
چُنڈھی چُنڈھی آنکھوں کو دھوپ کو دیکھا تو گھبرا کر اُٹھے اور یہ ان کے نصیبوں کی دوسری صبح ہوئی اُٹھتے
کے ساتھ پہلے گھر کی ماما بچھا جمعے کے صبح کا نکلا نکلا دُپہر پیچھے گھرا آیا، تم کیا جانو کس کام میں تھا ذرا فی ما
لیٹا، بندہ بشر ہو آنکھ لگ گئی تو تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جگا دتیں مگر تم کو تو سوائے کھانا پکانے کے اور کئی کام کو
ہاتھ لگانے کی قسم ہو، آواز دینے میں بھی کچھ زبان تھکی جاتی تھی،

ماما تو میاں کے پیچھے جھاڑو ہو کر چٹنی مگر بی بی لقمہ توڑ بول پڑیں کہ خیر ہو خواہی سچا ہی خدا
واسطے ماما کے سر کیوں ہوئے؟ بچوں نے اتنی اودھم مچائی تو تمھارے فرشتوں کو خبر تک نہ ہوئی
ماما کیا تمھارے کان میں جا کر ڈھول بجاتی ہے؟

میاں: پھر تم نے میری بات میں دخل دیا ہے؟

بی بی: ”ہاں ہاں دیا اور سو دفعہ دیں گے۔ ہزار دفعہ دیں گے تم ہمارا آدمی سے بولنے والے کون ہوتے ہو؟
مُنہ لگائی ڈومنی گلے آں پتال۔ ماماؤں کو نکالنا ہی جانتے ہو یا کبھی اتنی عمر میں کوئی ماما بلو کر بھی
دی ہو؟ ماما نہیں ہوتی تو نصیبت تو ہمارے دم پر پڑتی ہو، تمھارا کیا ہوئے اور پکی بیکانی نکلنے کو بیٹھ گئے؟“
میاں: میں نے نکالنے کو تو نہیں کہا۔ ماما تم ہی خدا لگتی بات کہتا۔ ہاں اب کیوں بولو گی، مگر بی بی
شہ سے دے کر تم کو کسی اور کے کام کا تو رکھنے کی نہیں؟

بی بی: چلو جب تمھارے گھر دسے نوکری کرنے جائے گی تو تم نہ کھنا اند تم یوں بھی کیوں رکھنے
لگے تھے تم اللہ رکھے رکھو گے غلام، رکھو گے باندیاں؟

میاں: ”تم کچھ اپنے بھائی کے برتے براتنی ہو گی تو میں کسی کا دیں نہیں بستا۔ وہ کچھ دیتے ہوں گے تو

تم کو دیتے ہوں گے مجھ کو تو خدا نے تمھارے یا ان کے ٹھکانے بھی شرمندہ نہیں کیا اور دیکھ کا خدا میرے دولہا بھائی کو سلامت رکھے جن کی بدولت میں جاہوں تو تم جیسی چار اور کر لاؤں“

بی بی۔ ”گوارے بے غیرت! بہنوئی کے کھوٹے پر کو دتے ہوئے شرم نہیں آتی؟“

وہ تو ماما ہی بی بی کو ٹال کر کوٹھے پر لے گئی نہیں تو خوجم صاحب کے پٹھے بی بی کے ہاتھ میں ہوتے اور بی بی کی چٹیا خوجم صاحب کے ہاتھ میں۔ مگر یہ کہ خوجم صاحب بھی دل کے بہت ہی صاف۔ ان کا غصہ پانی کی سی ایک لہر ہوتی تھی، ادھر آتی ادھر اترتی۔ بی بی کو ٹٹے تک پہنچی بھی نہ ہوں گی کہ انھوں نے منہ ہاتھ دھویا، گنگھی کی، شام کی سیر کے کپڑے پہنے، پٹاری کھول پان بنایا اور بٹھن کے باہر کوچلے۔ چلتے چلتے پکار کر کہتے گئے کہ شام کو ٹٹے کے کباب دریا کھانے کی ملائی منگا رکھنا، میکھنا بھولنا مت۔“ اور دن تو نے بانسوٹ لے کر قاضی کے حوض ہوتے ہوئے چاڈری وروہاں سے بڑے دریت کے تین نو ضروراد کبھی چار پھیرے بھی ہو جاتے تھے۔ آج جو کسی قدر دیر ہو گئی تھی تو وہی پھیروں میں جھپٹا ہو گیا اور بازار کے چلنے والوں کو کوٹھوں پر کا ادنیٰ جی طرح دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خوجم صاحب کو خیال تو آیا کہ سیر موزوں وعدہ کیا ہو چلیں ان ہی کے سر ہوں گے گنجے شطرنج کے پرانے ٹھکانے بندھے ہوئے تھے۔ ان کا معمول ناغہ کرنے سے اپنی بھی ایک طرح کی ہنسی ہوتی تھی کہ کل برابر باتیں کھائیں، سہو پر نادری چڑھوائی، آج بھاگ کھڑے ہوئے۔ ناچار اپنے قدیم کھٹے پر جاسو جو نہ ہوئے خوجم صاحب کا بیٹھ بیٹھ چھا ہی بے چارے اپنی طرف سے بہتری ہی جلدی کرتے تھے۔ مگر بازی پر تو کسی کا بس نہیں چلتا، اڑی تو اڑی۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو بارادہ چھا نہیں چھوڑتا کہ ایکے بازی لے جاؤ تو جانوں۔ جتنے کی چٹھی تو نہیں ہو کہ دینی آئی تو اب نہیں کھیلتے عرض ہر چہ قصہ کرتے تھے بارہ بجے سے ادھر کبھی چھٹکارا ہوا ہی نہیں۔ اور بی بی کے ساتھ اور بگاڑ ہی کا ہے کا تھا۔ مرد ہو کر نکلتے، اور اس پر گھر کے بہنے سبے کا یہ حال کہ مسافر بھی بھٹیاری کی سرے میں شام سے اُترتا ہو۔

اور سویرے لوٹے تو ادھی بجے اور نہیں تو ایک بجے دو بجے لیکن ہم کو تو موقع نہیں ورنہ اس نیک بخت کو ضرور سمجھاتے کہ کیوں اس غم میں گھٹی جاتی ہو شیخ شخص گھمڑی پڑا پڑا کیا کرے گا۔ سینے کا پینس پر رونے کا یہ نہیں۔ ہاں دن بھر اس کو گڑ گڑانے کو حقہ اور چائے کو پانی دیتے جاؤ۔ تو تم جانتا پانی تاکو ہی کا خرچہ چا۔ اور ہر وقت کے پاس سنے سے دو برتن ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑکھڑائی گھٹتے ہیں ایسے آدمی سے تو جتنی دیر الگ ہو دینی دیر کو نت سے بچو۔ آنکھوں دیکھتے تو صبر نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی تہاں لنگر نہیں لولا نہیں، اباج معذور نہیں، اندھا نہیں، ہر انہیں، اور کمانے کے نام کوئی قبیحی کا لائنہ نیلے ہاتھ پاؤں۔ خواجہ سلطان کے طور کے احمدی بنے شہر میں بہتر ہے ہی بھرے بڑے تھے اور یہ لوگ اگرچہ اور سب باتوں میں تو احمدی ہوتے ہیں مگر چل پھر کر اپنے ڈھب کے آدمی ڈھونڈھ نکالنے میں بڑے چالاک۔ سید صادق کو تازہ وارد دس کر دھڑکے لیکن سید صادق میں اور ان میں کوئی وجہ نہ سمجھ سکتی تھی ہی نہیں، کسی کی والنگی اور پہلی ہی ملاقات میں پناہ مانگنے کے ذریعہ ہے۔ ان کے جلسوں میں ذکر تکرار کے تو ہر طرح کے سہتے ہی ہیں سید صادق کے بارے میں ان لوگوں کی یہ رائے تھی کہ آدمی تو قابل ملاقات مگر خاصان علی گڑھ کے نیچری نے کیا پڑھ کر کان میں پھونکے یا ہو کہ یار لوگوں کے بٹے پر چڑھنے والا نہیں میں خسرو بھی اس کا ظاہر حال دیکھ کر گرے ہیں، اب پتہ چل گیا ہے۔ یہ عمر اور ایسا مردہ دل کہ کتنی ہی لگدڑی کہ فوج نہیں داس نے تو ملاؤں کو بھی مات کیا ہو، آدمی کی صورت سے عجیب ہو۔ اس کو لاری چاکری کیا خاک ہو سکے گی سوہ ہاتھ ہی نہیں ہرنے دیتا ورنہ ہم تو دو تین ملاقاتوں میں اس کو اپنے طور پر کہہ دیتے اس کی جھجک کر دے۔ اس کو علم جلس سیکھتے کہ اس کے دروازے پر بھی ایک چنگھٹا رہتا ہے عجیب گور مغز آدمی ہو کسی چیز کا مذاق نہیں۔ گنجفہ شہنشاہ، چوسہ، پتنگ، بیٹری، مرغ، سار، شعر و سخن، بیہوش تاشا، اسے کیاں ہیں اس کو یہ ہر طرح سے ٹولا اس عزیز کے کان پر جوں بھی تو نہ چلی رخا جانے کس ملک کا جانکوا کیا کر آیا ہو یاں صورت شکل تو ایسی بانی ہو کہ ہزاروں میں ایک جی چاہتا ہو کہ بیٹھے دیکھا کیجئے۔ مگر تمہارا رشتہ ان کی جگہ ہو پس دیوالی کی مورت

جان نہیں منہ میں زبان نہیں۔

خیال بلا دوسرے تو خدے بید صادق کا چھپا چھڑایا اور آج کیا چھڑایا اس کا چھپا اُس دن سے چھوٹا ہوا تھا جسے یہ علی گڑھ کالج میں داخل ہوا کھیل تو لڑکوں کو وہاں بھی کھلاتے جاتے ہیں اور ایسی ناکید سے کہ جیسا پڑھنے کا انتہام دیا بلکہ اس سے بڑھ کر کھیلنے کا۔ مگر کھیل کھیل میں فرق ہو۔ ایک تو ہمارے یہاں کے کھیل ہیں جن میں سے اکثر بے سود اور بے سود ہوتی خیال کے طعنے بد اخلاقی کی تنہید۔ کابلی کی تعلیم۔ اور بعض میں جو کچھ دماغی فائدے نکل سکتے ہیں مثلاً گننے میں حلف کی ترقی، چومر شطرنج میں غور اور غوض کی عادت، تو ان میں بڑی فہانت یہ ہو کہ دنیاوی معاملات میں ان سے مطلق مدد نہیں ملتی۔ اگر کوئی شخص گننے چھا کھیلنا ہو تو اس کے بغیر بھی اس کو پیسوں کی یادداشت اچھی ہو۔ لیکن بازیوں کے ورق یاد رکھنے سے کتابوں کے ورق تو کیا صفحہ بلکہ دو چار سطریں بھی یاد نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح بڑے سے بڑا شطرنج کے نقشے میں خوب طبیعت لڑتا ہو مگر ایک سیدھا سا مقدمہ اس کے سامنے بیان کر دو تو سمجھ نہیں سکتا۔ تندیہ سچے کا کیا اپنا سر۔ غرض ہندوستانیوں کے جتنے کھیل ہیں سب مکمل ہو چکیے وقت اب مدرسے کے کھیلوں پر نظر کر دو نری جسمانی ریاضت اور تفریح طبع کے علاوہ دماغی زحمت کا کچھ دخل نہیں کیوں اوقات درس میں جتنی دیر پڑھنے میں مصروف ہے بس دماغی محنت تھیری ہو لی کھیل میں بھی شطرنج کی طرح سوچنا پڑے تو دماغ کہاں تک اس فشار کو دفا کر سکتا ہو اور اگر جسم بالکل کام نہ لیا جائے تو جس طرح گھوڑا تھان پر بندھے بندھے ہڈے موترے نکال لاتا، بادی میں بھر جاتا، دانہ نگھاسا اچھی طرح مضام نہیں کر سکتا، تھوڑی دور چلنے سے ہانپنے لگتا، کوس دو کوس دوٹا نا چاہو تو دوڑ نہیں سکتا یہی حال دماغی کا ہو کہ اگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کام نہیں لیتا تو اگر کوئی بیماری اس کو نہ بھی تائے یہ کیا تھوڑی بیماری ہو کہ وہ پاہج ہو جاتا ہو اسی آرام طلبی کے نتیجے میں کہ ہماری عمروں کے اوسط گھٹتے اور ہماری نسلیں کم زور ہوتی چلی جاتی ہیں نیز کابل کے

بٹھانوں اور لوگوں کے ساتھ تو ہم ہندوستانی کرٹیں کیا مقابلے کریں گے اپنے ہی ملک کے یہاں تو کبھی شہر میں نہ ملکتے ہیں تو ان کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے کہ آہی یہ بھی آدمی ہیں جن کی کاٹھیاں لمبے کی اور ہاتھ پاؤں پتھر کے ہیں معلوم ہے کہ ساگ بھاجی اور جوار باجرے کی روٹی کے سوائے اور کچھ نہیں کھاتا۔ مگر یہ آنکھوں دیکھی بات ہے ایک دیہاتی سوسوسا سوسن کی چوبلی گڑی ہائے بیے چلا جا رہا تھا۔ شہر کی بھڑ دیکھ کر ریل بد کے گاڑی کا ایک پیسہ نالی میں جاتا رہا بیلیوں بہتیرا زور مار پیسہ جگہ گھسے گاڑی بان نے اتر کر کم کاسہارا انگبات کی بات میں گڑی کو ایسا دھکا دیا کہ بیچ شڑک میں نہ دیہاتیوں کا پانی نہ شہر لوہے کا مارا لحم نہ ان کا جینا اور نہ ہمارے با دام پتے۔ بے شک شہر اور دیہات کی اب ہوا میں بھی بہت بڑا فرق ہے مگر دیہاتیوں کی توانائی اور ان کا ناشائین برحمت کی وجہ سے شہر کی ایک تو کثرت آبادی کی وجہ سے اب ہو آخر اس پر غمت و مشقت نذر جس کو دیکھو بدن پر بوٹی نہیں اور بوٹی ہو تو کہاں سے ہو مایہ چلے کو کبھی کھل کر بھوک نہیں لگتی اور بے ہونے کچھ بے اشتہا کھا لیتا ہے تو قسم نہیں ہوتا اور جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ اکھڑا ہوا قبضے چڑھے ہیں، دیکھنے کو موٹے ٹانے، داؤ پیچ بھی خوب رواں۔ مگر اصلی بل بوتہ تو ان میں بھی نہیں۔

اس پر ایک حکایت یاد آئی ہے کہ جن دنوں قلعہ بادشاہ تو سلطان کو سولہ اوقات گزاری کے اور کوئی کام نہ تھا۔ نئے بیٹھے بیٹھے ان کو ایسے ہی مشغے سو جھٹے تھے کہ سارا کچا رہیں بیٹریں ٹپ رہیں یا شطرنج کھیل رہے ہیں یا اس کی دھن ہے کہ کوئی ایسی قسم کا کھانا بکولیتے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ایک صاحب عالم کو پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کا بہت شوق تھا بہت پہلوانوں کے رات بندھے تھے اور انھوں نے ایسی ایسی جوڑیں طیار کی تھیں کہ رجواڑوں میں جا جا کر شتیاں مارتے تھے۔ ایک مصاحب یہ جو بھی کہ ان دنوں لاتی میوہ فروخت کرتے ہوئے ہیں، کسی لاتی کو ایک پہلوان لٹوایا جائے۔ صاحب عالم اس ایجاد کو سن کر ہنسر گئے اور فرمایا بھائی واللہ تحت کی قسم یہ کیا بات پیدا کی ہے!

معمولی کشتیاں دیکھتے دیکھتے جی اُٹا گیا۔ ولایتی کی کشتی میں مہرہ تو خوب آئے گا دیکھیں وہ بیچ کا کیا توڑ کرتا ہے۔ داروغہ جی دنیا ان کو ایک دو سالہ اور بھائی تم ہی اس کشتی کا اہتمام بھی کرنا اور میں حضوریں بھی عرض کروں گا۔ سرفراز فرمائیں گے۔“

مصاحبؒ پیر و مرشد سرفراز فرمانا کیسا بہت محفوظ ہوں گے اور خانہ زاد نے جو کچھ عرض کیا ہے حرف بحرف اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ سرکار کو تو معلوم ہے کہ جناب عالیہ کے آجیاصہ کی خدمت غلام کا خالہ جان کو ہے۔ وہ کل بھی کہتی تھیں کہ جناب یکم صاحبؒ بھی تاش کھیل رہی تھیں دیکھتے کیا ہیں کہ حضور والا تشریف لیئے چلے آئے ہیں۔ جناب عالیہ کے ساتھ تھلیہ ہوا تو خالہ جان اپنے کانوں حضور کو سرکار کا نام لے کر فرماتے سنا کہ ساری دایں درنگ زیب کی سی ہیں سپاسیانہ مزاج واقع ہوا ہے اور شوق بھی ہیں تو اس قسم کے اگر موقع ملا تو یہ لڑکا انگریزوں ملک بانی اگلو کر رہے گا۔“

اتنا کہنا تھا کہ صاحبؒ عالم نے بڑے نکل کی طیاری کا حکم دیا اور صاحبوں کی بنائی نہیں معلوم ظالموں نے کیا تدبیر کی۔ ایک اکھڑ خوشی ولایتی کو کچھ فے کر شاہی پہنوان کے ساتھ لڑنے کو راضی کر لیا۔ ولایتی کو ہم نے بھی دیکھا تھا چہ تو یہ ہے کہ ماہے دہشت کے نظر نہیں پھرتی تھی۔ آدمی کاسے کو تھا ایک دیو تھا۔ بالوں کی لیٹیں کنھوں تک لگی ہوئیں۔ میلے کثیف کپڑے۔ چار چار پانچ پانچ گز سے مست فحشہ کی سی بو ایسی سخت کہ ناک دی جلے پیٹھ پر سینگ کا مشکیزہ۔ ادھر پوٹا اور ادھر مشکیزے سے چہرہ کی آواز چلی آئے۔ خوشنوا انکھیں ڈراؤنی صورت۔ لوگ جو اُس کو بہلا پھسلا کر لائے تھے اُس کے گرد اگر دیسے معلوم ہوں جیسے بڑے آدمی کے آگے بچے اور یہاں اکھاڑے میں پہلوان پڑے جھوم رہے تھے۔ کوئی ڈنڑیل رہا ہے اور کوئی تین سواتین بن کی جوڑی کے رومالی ہاتھ اس خوب صورتی اور صفائی سے ہلار رہا ہے کہ سائے تاشائیوں کی لٹکی اُس کے بندھی ہے کوئی لیزم کی کثرت کر رہا ہے، کوئی سنٹھی کے کرتب دکھا رہا ہے۔ اتنے میں غل ہوا کہ

وہ پٹھان آیا۔ جو اُس کو لاکر اکھاڑے کے پاس کھڑا کیا اُس کا پھیلاؤ دیکھ کر پہلو انوکلی رنگ قی ہو لایا کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ موت کے مُنہ میں جاتے۔ اور ولایتی ہو کر زمین میں اتنی پالتی مائے ہینگے مشکیزے کا گاد نکیہ بنائے نظر حیرت و تعجب سب کو بیٹھا دیکھ رہا ہو اور ان پہلو انوکلی پٹھانوں کا تماشا کر رہے ہیں لکھاڑے کا اُستاد اگرچہ تھا تو عمر سے اُتر ہوا مگر اُس کا بدن ایسا مقرب تھا اور اُس کو ایسے ایسے داؤ گھات یاد تھے کہ یکایک کوئی اس سے لڑنے کی ہامی نہیں بھرتا تھا مگر وہ خوب جانتا تھا ع فرہی چیزے دکر آماں جنیرے دیگرست پُا اُس نے چپکے سے صاحبِ عالم کے پاس جا کر عرض کیا کہ آج تک آپ کے اکھاڑے نے کسی سے بچا نہیں دیکھا اور اُستاد کی برکت ہمارے یہاں کے چٹھے بھی اپنے وقت کے بزم و اسفند یار ہیں، لیکن سرکارِ اجرس چاقو کو قسانی کے بُغض سے بھڑتے ہیں ساری عمر ہم نے سرکار کا نم کھایا، حکم کی تعمیل میں مجالِ عذر نہیں پھڑکے تو نہیں مگر اس کے ہاڑ تو ملاحظہ کیجئے کہ کھائی دونوں ہاتھوں میں سانی شکل ہو سرکار کو جان ہی لینی منظور ہو تو بسم اللہ اس کو بچا ہوا آدمی پھٹکا بھی تو نہیں کھانے کا۔ اونٹ کی پکر کو اس کی پکر سے کیا نسبت۔

صاحبِ عالم سمجھے تو سہی مگر سارے میں غل مجو اچکے تھے کس طرح کشتی کو ملتوی کر دیتے؟ بارے لوگوں نے ولایتی سے کہا کہ آغا ان لوگوں میں سے جس کے ساتھ تمہارا جی چاہے کشتی لڑو۔

آغا۔ ”ہم سب کے ساتھ لڑے گا۔“

اب تو پہلو انوکلی دم میں دم آیا کہ خیر ایک کی دار و دو۔ اُستاد اور شاگرد سارے کا سارا اکھاڑا کیلے کو بسٹ پڑا جو جو داؤ پیچ یاد تھے سب ہی نے چلوائے۔ آغا ہیں کہ تطبیہ زجا بخند، لہجے کی لاٹ کی طرح گڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے نادانی یہ کی کہ آغا سے گتھ گئے اُس لمحے موقع پایا کہ تو اس نفل میں دبا اور دوسرے کو دوسری نفل میں اس نے تو اپنے نزدیک آہستہ ہی سے بایا تھا مگر اُن میں کا ایک آج تک کو بے پھر تباہی اور دوسرا مدتوں خون تھوکتا رہا اُسنا اچھا تو ہو گیا ہو مگر جاڑے کے فلوں میں

مارے پیسلیوں کے درد کے بجائے سے سانس نہیں لیا جاتا۔

خیر نبی آدم میں یہ ولایتی پٹھان تو اور ہی نسل کے ہیں اور ان کی یہی بات حاصل کرنی تو مشکل بلکہ محال ہو مگر اس کی عقلی دلائل موجود ہیں کہ اگر ہم اپنے طرز زندگی میں صفائی کے قاعدوں کی پوری پوری رعایت کریں اور جسمانی ریاضت کی عادت ڈالیں تو آئندہ کی نسلیں بہت بہتر ہو سکتی ہیں یہ سچ ہے کہ ہم لوگ گرم ملک کے رہنے والے ٹھیرے۔ ہم کو خد نے محنت کے لیے پیدا نہیں کیا اور نہ ہم سے محنت کا تحمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر شادہ محنت نہ ہو تو جس قدر برداشت کی جاسکتی ہے وہ بھی سود و اکی ایک دوا ہو اور بھرنہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ اور علی گڑھ کالج میں جو لوگ کوس محنت لی جاتی ہے تو خدا نخواستہ کچھ پتھر توڑا ہی ڈھلوائے جاتے یا لکڑیاں توڑا ہی چروائی جاتی ہیں۔ یہی کو دیکھنا دودھ ہو جس میں ان کے اعضا چست چالاک ہیں جس کو عادت نہیں اس کو شروع شروع میں ذریعہ محنت بھی ناگوار گزرتی ہے لیکن آہستہ آہستہ ایک حد اعتدال تک عادت ڈالی جائے تو آرام سے زیادہ اس میں راحت ملتی ہے جس کو یقین نہ ہو ہماری خاطر سے زیادہ نہیں ایک چلہ اس صلاح پر عمل کر کے دیکھئے کچھ فائدہ معلوم نہ ہو تبھی اُلا ہنا دینا۔ لیکن لوگوں نے اس کو کچھ ایسا عیب سمجھ کھا کر جہاں تک ہو سکتا ہے کوئی ہل کر اپنے ہاتھ سے پانی نہیں پینا چاہتا۔ اور طالب علموں کے حق میں تو ایسی سختی ہو کہ گویا پڑھنے اور لکھنے میں سیر ہو اور اتنا نہیں سمجھتے جس کے بدن میں توانائی نہیں اس کے دماغ میں طاقت نہیں ہول میں قوت نہیں عقل میں تیزی نہیں ذہن میں رسائی نہیں کبھی دیکھا ہو روگی ماں باپ کی اولاد جو بچال تن درست ہا کہیں سنا ہو مگر جانی ہوئی کہتی ہے ہرے بھرے شاداب غرض سید صادق نے کھیل بھی کھیلے تھے مگر وہی کھیل جس مقصود تھی ریاضت اور تفریح اور وہ بھی قاعدے سے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ، استادوں کے ساتھ، سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ۔ اس کو نہ یہاں کے کھیل آتے تھے اور نہ وہ ایسے جلسوں کو پسند کر سکتا تھا۔ پس حقیقت میں وہ ہندوستانی

سوسائٹی کے قابل تھا اور نہ ہندوستانی سوسائٹی اس کے لائق۔ اُس کی طبیعت ڈھونڈتی تھی وہی کالج کی صحبتیں کہ پڑھنا ہو تو، اور باتیں ہیں تو، اور کھیل ہو تو، نام وقت کسی نہ کسی شغل میں مصروف ہو اور شغل بھی مفید اور دل چسپ۔ تعلیم کی تعلیم اور تفریح کی تفریح۔ ہندوستانیوں میں اگر ایسے مذاق ہوتے تو یہ روز بھر ہی کیوں بیٹھ آتا۔ سید صادق کو معلوم تھا کہ طالب علمی کے بعد ہندوستانی سوسائٹی کو اور کھنا بچھونا بنانا پڑے گا اور اسی غرض سے اُس نے خانہ داری ہی کا تعلق پیدا کیا تھا۔ مگر یہ ایک تعلق سوسائٹی کا کام تو نہیں ہے۔ سنا۔ بلکہ اس کے ہوتے سوسائٹی کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ پس چاروناچار اس کو لوگوں سے ملنا پڑتا تھا۔ آدمی کہاں تک کتاب دیکھے اور کب تک عورتوں کی طرح گھر کی چار دیواری میں بند رہے۔ فلی جیسے شہر میں سید صادق کو معدومے چند اپنے ہم خیال بھی کیوں نہیں مل سکتے تھے آخر برسوسک انگریزی تعلیم ہو رہی ہو اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آدمی ش سکول میں نہ ہی کہیں بھی انگریزی پڑھے اور اُس کے خیالات بالکل ویسے کے ویسے ہی ہیں جیسے فی زمانہ عام مسلمانوں کے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے یا ان کو بظاہر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور بعض بھر پھڑپھڑا ہوتے ہیں کہ جو ان کے دل میں ہو وہی ان کی زبان پر نہ ہو۔ لیکن اتفاق سے سید صادق کو اتنے کے ساتھ ان ہی لوگوں سے سابقہ پڑا جن کو اس کے خیالات چھو بھی نہیں گئے تھے۔ یہ تو کیوں کہ کہیں کہ سید صادق کو ہندوستانی سوسائٹی کا حال معلوم نہ تھا۔ وہ ہندوستانی سوسائٹی میں پیدا ہوا۔ ہندوستانی سوسائٹی میں اس پرورش پائی اور وہ بھی ہندوستانیوں میں کا ایک ہندوستانی تھا مگر اس نے ہوش نہ بھالا اعلیٰ گڑھ کالج میں۔ پس سوسائٹی کے متعلق اس کی معلومات بیشتر کتابی تھی کہ وہ اخباریں کتابوں میں ہندوستانیوں کے حالات پڑھتا رہتا تھا۔ اب جو لوگوں کو ملا جلا تو جانا کہ کچھ جانتا تھا اُس کے واقعات سے اتنی بھی تو نسبت نہیں جتنی چھٹانک کو ہے۔ اس کے خواب خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں نے مذہب کا یہ حال کر رکھا ہو کہ اُس میں اور دنیا میں اس طرح کا یہ ہرگز دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتے خصوصاً انگریزی

عمل داری میں خدائے توندوں کی مصلحت اس میں سمجھی کہ لکڑیوں کو وقت کا بادشاہ کر کے دنیاوی عزت اور دنیاوی دولت کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں دیں اور مسلمانوں کا حال یہ ہو کہ باوجودیکہ نصاریٰ اہل کتاب بھی ہیں ان کے ساتھ کھانا پینا، عیسائی مذہب کی عورتوں سے نکاح کرنا کہ دنیا میں سیل جول و ردوی ملاقات کے یہی طریقے ہیں، قرآن میں ان سب باتوں کی اجازت صاف صاف موجود ہے نصاریٰ کی مع بھی ہو اور یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ امن و انصاف اور سائش اور آزادی غرض ہر طرح کی راحت جیسی ان کی عمل داری میں ہونے لگتی ہوئی اور نابکسی دوسری عمل داری میں ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے مسلمان ہیں کہ ان کے سائے سے بھاگتے ہیں۔ ان کی زبان سے نفرت، ان کے علوم سے نفرت، ان کی وضع سے نفرت، ان کی طرز و روش سے نفرت جس کا ضروری نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان روز بروز مفلس و ذلیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جتنے ذریعے معاش کے دنیا میں مل رہے ہوتے ہیں سبھی میں تو مسلمان دوسری قوم کو سہٹے ہیں۔ کیا نوکری کیا تجارت کیا زمینداری کیا دستکاری کیا کچھ لکھ اور جو دوچارے اس لم کو سمجھا ہو اور اب بچتائے اور اپنی دنیاوی حالت درست کرنی چاہتے ہیں ان کو اپنے ہی بھائی بند جن میں نہیں لینے دیتے کہ دنیا کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھے۔ عاقبت خراب کی، ان کا بانی بنیاد نہیں ان سے رشتہ ناظر نہ درست نہیں۔ اور جو لوگ اس طرح منہ بھر بھر کے دوسروں کو برا کہتے ہیں وہ اگر اپنے نفس کا احتساب کریں تو پائیں گے کہ ان ہی کے خیال کے مطابق دوسروں کی آنکھ میں ناخن نہ تو ان کی اپنی آنکھ میں ٹیٹ، دوسرے کو خارش ہو تو ان کو کوڑھا دوسرے کو خفقاں ہو تو ان کو خون و جھون بھی مطبق۔ مگر خدانے دلوں پر مہر لگا دی ہو۔ ان کو دوسرے کو عیب دیکھنے سے فرصت نہیں کہ اپنے عیوب پر نظر کریں۔ اپنی نجات سے ایسے ملن ہیں کہ عشرہ ہمشہہ کو بھی ایسا اطمینان نصیب ہوا ہو گا کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بشارت کے بھی وہ لوگ مرتے دم تک خدا کی بے نیازی سے ڈرتے ہی رہے اور ان کو شاید کبھی بھول کر بھی خیال نہیں تاکہ ہم کو بھی خدا کے یہاں چل کر کچھ جواب ہی کرنی ہو۔ اصل میں تو

کونے کھد روک اچھی طرح واقف نہیں۔ مے پیچھے یہ لغاف کھولا جائے گا اور اس وقت معلوم ہوگا کہ خط میں کیا لکھا ہو۔ اب تو جس کا جی چاہے لغاف نے کو خوش نما بنا کر لوگوں کو گردیدہ کرے مگر یہ لغاف ہی کے دن کا۔ کفن کے میلے ہوتے دیر بھی لگتی ہو اور یہ تو آج نہیں رکھا اور تیسرے دن بھانڈا بھوٹا۔

بارہویں فصل

صادق اور مذہب

سید صادق کا خیال یہ تھا کہ جو لوگ دنیا میں پھنسے ہیں وہ تو خیر مگر جو دین کے پیشوا کہلاتے ہیں ان کے مذہبی خیالات ضرور اپنے اور عمرہ اور پاکیزہ ہونگے۔ اور اس کا ارادہ بھی تھا کہ طالب علمی کو اس کی حد تک پہنچا کر جب میں سوسائٹی میں آؤں گا تو ایسے ہی لوگوں کو صحت رکھوں گا۔ اگرچہ ہم اس کی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اس نے طلبہ دین کو دنیا کے بعد رکھا کیوں اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس نے اپنے نزدیک دنیا اور دین کو دو سمجھ رکھا تھا حالانکہ اسلام کا بڑا اصول یہ ہے کہ دین اور دنیا میں بواور گل کی نسبت ہے۔ دین کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ دنیا کو نیکی کے ساتھ برتنے کا نام دین ہو اور بس۔ لیکن وہ ایک نوجوان آدمی تھا اس کی دینی معلومات بہت محدود تھیں۔ ہم نے بھی بوڑھے ہو کر اتنی بات سمجھی اور اگر اس کے کان میں کسی نے ڈالی ہوتی تو وہ بھی سمجھتا مگر ڈالنے والا ہی کون تھا؟ سو میں ننالوے آدمی تو اس خیال کے ہیں کہ دنیا اور دین ایک دوسرے کی ضد میں جیسے آگ اور پانی۔ بہر کیف سید صادق کو ابھی مذہب سے ایک طور پر قطع نظر ہی سا تھا کہ دلی کے لوگوں نے زبردستی اس کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ وہ اس کے پاس آتے ہی غرض سے تھے اس کو جو ادب مجلس کا جی میں سکھائے گئے تھے وہ یہ تھے کہ بے تقریبی سے ملومت اور ملاقات میں اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ جس سے ملنے جاؤ اس کی فرصت کا وقت ناک کر جاؤ کہ اس کا کسی طرح کا حرج نہ ہو،

اور ضرورت زیادہ اُس کے وقت کو مشغول نہ کرو، اور کسی کے ذاتی اور خانگی معاملات میں جیسے عقائد نہی وغیرہ کو وہ تمہارا کیسا ہی دوست کیون ہو، گزر بھول کر بھی خل نہ دو مگر جو لوگ اس طے کو آتے تھے وہ کسی تقریب کے محتاج نہ تھے، جس وقت جی میں آئے بے تکلف موجود ہوئے۔ کُنڈی کھڑکھڑائی یا نام لے کر پکارا اور پھر ڈٹے تو ایسے ڈٹے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے اور پہلی ہی ملاقات میں مائے سوالوں کے گُور کر دیا۔ کوئی راز نہ تھا جس کی ہندی کی چند ہی نہیں پوچھی۔ یہ بہت ہی زنج ہو تا تھا اور باوجود ضبط کئے کسی کسی وقت ناخوشی بُشہرے سے بھی ظاہر ہو ہو جاتی تھی مگر ملنے والوں کی دور بردار۔ وہ اس کی کھیلانی ہنسی کو مذاق میں اُڑا دیتے تھے۔ اور مصیبت یہ تھی کہ آپ ہی تو کھو کھو کر کرید کر اس کی رائے دیتا کرتے اور اگر ایک حرف بھی اُن کے خلاف اس کے منہ سے نکل جاتا تو کا فر بناتے، مرتد ٹھہراتے، اور سارے شہر میں اس کا دھونڈور اُپٹیتے سوا لگ۔ اور اُس وقت تک اس کی اپنی دینی معلومات بھی کچھ ایسی اعلیٰ صبح کی تھی اور اعلیٰ درجے کی ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ اُس کی عمر بڑی کیا تھی اور جو تھی اُس میں یہ ہمہ تن کالج کی پڑبائی میں مصروف رہا اور ہمہ تن مصروف رہنا تو جیسے جیسے امتحان اپنے پاس کئے اس کے اچھے سے بھی ہونے لپڑہ ایک عقلی مذہب رکھتا تھا جو بات اس پوچھی جاتی اپنی رائے سے کچھ نہ کچھ نہ لکھتا جواب نہ دیتا اور اسی کی پیروی کرتا۔ اُسی پر جارتنا اتنی غلطی تو اُس کی بھی تھی کہ اُس کو عقل پر زیادہ اعتماد تھا جی لے پاس ہو کر اُس کو یہ تو سمجھنا چاہیے تھا کہ دنیا ہی کی باتوں میں بڑے بڑے عقلمندوں کو دیکھتے ہیں ایک کہتا ہے تودو کہتا کہتا ہونیست۔ اس بڑھ کر انگریزوں کی عقل و دانش کا کون معتقد ہوگا اور ہزار عقلمندوں کے عقلمند پولیٹیکل گروہ جو سلطنت کا انتظام چلا رہے ہیں۔ سوان کا تو حال یہ ہو کہ ایک کہتا ہے دن تودو کہتا ہے رات۔ ہاؤس آف کامنز یا پارلیمنٹ کا کونسا اجلاس جس میں تو تو میں بن نہیں ہوتی۔ آج لبرل زور پکڑتے ہیں تو کل کانسر ویو یا زاری لے جاتے ہیں۔ یونینسٹ، پیارنارٹ، گلیڈسٹون، ہام کو تو کم بختوں کے نام بھی نہیں آتے، کتنے فرقے پید ہو پڑے ہیں ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ یا مثلاً ڈاکٹر جو عیسائی خدائی کا دعویٰ

کرتے ہیں بیماریوں کو تو اپنے بس میں کر ہی چکے اب موت کے پیچھے پڑے ہیں کسی طرح اس کو اپنے قابو میں لائیں۔ بیماریوں کو بھی دیکھا وہی پھوٹ دہی خنکات ایک کہتا ہے بعض بیماریاں اُڑ کر لگتی ہیں اٹھوٹے زور سے دے کر قارطیہ چلا دیا۔ دوسرے معتقد ہیں کہ تعدیہ امراض کوئی چیز نہیں ضرور اہمہ ہی داہمہ ہے غرض ان عقلمند لوگ باتوں جان ایک مصیبت میں ہو کس کی مائیں اور کس کی نہ مائیں۔ تعجب نہ کیے معاملہ میں جو اکثر مشاہدے پر مبنی ہیں عقل انسانی کا یہ حال ہو تو دین کی باتوں میں جو انسان کی آئندہ زندگی متعلق ہیں عقل انسانی اگر غلطی کرے یا ستر سے سمجھے ہی نہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہو بس سید صادق میں یہ بڑی کسرتی کہ وہ ہر جگہ عقل و ذرا فی چاہتا تھا جو بات اس کی سمجھ میں آتی اُس کو جھٹلانے لگتا۔ ایک طور پر اس کا کہنا بھی سچا تھا کہ انسان جو تکلف ہوا تو اس عقل کی وجہ ہوا اگر اس میں عقل نہ ہوتی تو یہ بھی اور جانوروں کی طرح کا ایک جانور تھا، عذاب ثواب دونوں کبری آدمی کے پیچھے جو عاقبت کا جھگڑا لگا تو اسی سے لگا کلاس کو عقل دی گئی ہو۔ نیک بد کی تمیز رکھتا ہو تو جس عقل کی وجہ سے اتنی ساری ذمہ داری کلمے بڑی اسی کو دین میں حطل کر کے بٹھا دیتے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے تو بنایا آدمی اور ہم نہیں جانور اُس نے تو دین نکمیں اور ہم باندھ لیں اوپر سے بٹی دوسرے قرآن میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور دوسرے دوسرے غلط عقائد والوں کے ساتھ مناظرے میں مباحثے ہیں اور خدا جگہ جگہ ان لوگوں کو بل کالیشعرون افلا یعلمون افلا یعقلون کا الزام دیتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کے لئے علم و عقل کو ہادی بنانا چاہیئے۔ ادھر یہ لوگ جو اس مذہبی تکرار میں کرنے لگے تھے وہ کہتے تھے دین کے آگے عقل کا نام ہی نہ لو۔ اگر نرمی عقل سے کام چلنا تو خدا کیا ہیں ہی کیوں تازنا یا پیغمبر کی کس لیے بھیجتا؟ شیطان سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہو گا کہ وہ سب فرشتوں کا است و تھا خدا نے آدم کو پیدا کر کے کل فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو شیطان اپنے علم کے غرور میں آ کر لگا جھٹلنے لگا آخر میں خدا نے اسے مار ڈالا اور اسے جہنم میں ڈال دیا۔

لہٰذا آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو بنایا آگ سے اور اُس کو بنایا مٹی سے۔

علم و عقل کا انجام یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کو زندہ کیا جب لوگ اصولوں میں مختلف ہوں تو ان میں اتفاق ہو کیا خاک و نیچو یہ تھا کہ بات میں تکرار بات بات میں حجت اگرچہ صادق کی ممت مسلموں کے متعارف فرقوں میں کسی فرقے سے ملتی ہی نہ تھی مگر اس کو اپنے سے زیادہ مسلمانوں کی باہمی اختلاف ناگوار تھا کہ ان میں جزئیات اور فرعیات اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے اختلاف کے سبب اس قدر بھڑک اٹھتا تھا کہ ایک رسول کی امت ہونا کیسا ان کا بس چلے تو ایک خدا کے بندے ہونا بھی ان کو منظور نہیں ان کی اختلافات کی بدولت ایک مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ آئے دن یوانی اور فوجداری کے مقدمے اترتے رہتے ہیں۔ لگے تو خیر بندی ہوئی سو ہوئی لگے لگائے رشتے ناپے چھوٹے چلے جاتے ہیں تو کیوں کر کہیں کران کا مذہب ایک ہو۔ اور اگر جد اجداد مذہب ہوتے تو اس بڑھ کر اور کیا کرتے جواب کہ یہ ہیں یہ سید صادق یہ حکایت بیان کرتے وقت یقین جان کر ماننا رو دیا کہ ایک سجدہ کا امام تھا غیر مقلد اور نازی کھڑی یعنی بعض مقلد بعض غیر مقلد۔ ان دونوں فریقوں میں جہاں فقیہ دین اور امین باجہ اور اصاق السوق اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے اختلافات میں ایک سلسلہ مختلف فیہ یہ بھی ہو کہ غیر مقلد سجدے کے بعد جلتے سترحت کر کے دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہو اور مقلد جلتے سترحت نہیں کرتا مقلد مقلدوں نے حجت نکال کھڑی کی کہ امام کی اطاعت فرض ہو نہ کہ تو نماز باطل۔ ہاں امام جلسہ سترحت میں ہوتا ہو کہ ہم کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس امام کے پیچھے ہماری نازیکیسے ہو سکتی ہو۔ چاہا کہ امام کو معذور کریں غیر مقلدوں نے کی اُس کی حمایت مقدمہ لڑا اور لڑنا ہی تھا حاکم تھا اگر نیز اُس نے فہم مقدمہ کی غرض سے نازی کی نقل کرائی اور حجر کی تعیین کے لیے زیر و بم کی مسودوں میں آمین کہلو اگر کسی سید صادق کہتے تھے کہ بدقسمتی سے میں بھی گواہی میں پکڑا گیا تھا مقدمہ ہو چکے پر فقیہین نے ٹھانیان ٹیٹل اور میں نے طے نیچے کے کھانا بھی نہیں کھایا مجھ کو یاد تھی وہ بات کہ کسی یہودہ تعصیٹر طے نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کرنی چاہی مسلمانوں کو علم ہوا تو اس سرے سے اُس سرے سے تنگ ایک غل مسلح گیا۔ بلکہ

کان تک خبیثی اور سختی کے ساتھ ممانعت کر دی گئی۔ اللہ اللہ ملکہ کو عیسائی ہو کر اسلام کا اتنا پاس اور خود مسلمانوں کا یہ حال! کیا فرق ہو سکتا ہو پیغمبر صاحب کی نقل میں اور نماز کی نقل میں؟ وہ رسول خدا ہیں تو یہ فرض خدا ہی مگر مسلمان ہی اپنے دین کی ہنسی اڑوانا چاہیں تو اس کا کیا علاج۔

سید صادق مذہبی تکرار کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ یہ تکرار باتوں شروع ہو کر بہت جلد مکوں اور لاتوں پر جا پہنچتی ہو اور خدا جانے کیا اسرار ہو گا اور تکرار میں تو رفع ہو بھی جائیں مگر مذہبی تکرار کبھی مٹی سی ہی نہیں اس کو کامل یقین تھا کہ مسلمانوں کو تنزل کے جہاں درباب ہیں انہیں سب سے بڑا سبب مذہبی اختلاف ہو کہ یہ ان میں یکدلی اور اتفاق کے پیدا ہونے کا مانع ہو اور چاہے مسلمان دنیاوی علم و لیاقت ایجاد و صنعت دستکاری و حرفت استقلال و محنت تفتیش و تلاش کل صفتوں میں اہل یورپ سے بڑھ بھی جائیں مگر بدون اتفاق کے فلاح قومی ہوئی نہیں۔ تو اس نے اپنے تئیں بڑی نفرین کی کہ تشریفات مسلمانوں میں پہلے ہی سے سلگ رہی تھی میں نے اگر اس کو بھڑکادیا۔ اس نے ملاقات میں کمی کرنی چاہی مگر لوگوں نے برستی کو پٹتے تھے اور کبھی یہ بھی خیال کرتا تھا کہ گو اس وقت میں نے اختلاف کا ایک پہلو اختیار کر رکھا ہے مگر میرا اصل مطلب رفع اختلاف ہو اور اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تو مسلمانوں کے سسے میں سے ایک بڑا پہاڑ ٹل جائے گا اور وہ آسانی کے ساتھ ترقی کر سکیں گے۔ سید صادق تو بڑی سوچ سمجھ کا آدمی تھا اس نے دلی میں تعلق کرنے وقت اس بات کا خیال کیا تھا کہ وطن کیا چیز ہو اور مستقل سکونت کے لیے آدمی کو کسی خاص جگہ کا پابند ہونا مناسب بھی ہو یا نہیں۔ اور ہر تو میں کو کسی جگہ کو اختیار کروں۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ مکان مقصود اصلی ہو آسائش، اور وہ جیسی شہر میں میرا سکتی ہو دیہات میں ممکن نہیں۔ شہروں میں ہر قسم کا آدمی موجود ہر طرح کی چیز مہیا، بے شک دیہات میں بھی خاص خاص فائدے ہیں جو شہریوں کو نصیب نہیں جیسے آب و ہوا کی عمدگی، دیہاتیوں کی سادہ اور بے تکلف زندگی، ان کی شرافت۔ یعنی غور سے

دیکھا جائے تو انسانی فطرت کا رنگ اہل دیہات میں زیادہ جھلکتا ہو نسبتاً اس شہر کے برقی دیہاتی بھی آدمی کی اولاد مگر پھر بھی ان لوگوں میں اتنی خرابیاں نہیں ہیں جتنی شہریوں میں مگر ویسے ہی دیہات میں عقلی ترقی کے سامان نہیں۔ شہریوں کے ناشائستہ حالات رومی خیالات دیکھ کر سید وق کا دل دیہات کی طرف کو جھکتا تھا مگر طالب علمی کا روگ ایسا اُس کے پیچھے لگا تھا کہ یہ شوق بے شہر کے پورا نہیں ہو سکتا تھا پس اُس نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ رہو گنا تو شہر میں۔ یوں تو وہ خود بھی شہری تھا مگر اُس نے تجویز سے بیاہ کیا کہ ملے غیرت کے آپ ہی آپ بنارس کے رہنے کا بھی عہدہ کر لیا۔ بنارس چھوڑا تو اس کی نظر دلی پر پڑی کہ یہ بھی بڑا اور بادشاہی شہر ہو۔ مدتوں اس سلطنت پر بادشاہ جہاں پہلے اس کا نقشہ جمایا اس کے بعد لوگوں کو بسنے کا حکم دیا تو اس کی آبادی بہت ہی خوش قطع واقع ہوئی جو لال قلعہ اور جامع مسجد اور چوک یہ تین چیزیں تو اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ اور یوں شہر سے لے کر قطب مٹا تک چھ سات کوس کے گردے میں ایسی سی عمارتوں کے بے شمار کندر بڑے کیے دیکھ کر خدا یاد آتا ہی بڑے بڑے بالکمال لوگ اس سرزمین میں ہو گزرے ہیں اور اگرچہ بہار کا موسم کل گیا مگر ایسا بھی کیا ہو کہ ہوا میں ذرا سی بھی مہاباقی نہ ہو۔ زبان جیسی یہاں کی مستند ہو کہیں کی نہ نہیں سکتی۔ لوگوں کی وضع بھی بھلے مانسوں کی ہی ہو۔ منہ پر مقطع ڈاڑھیاں بیچے بیچے انگرکھے تنگ موہر کی پاجامے مگرٹنے کھلے ہوئے مسجدیں بلترت اور سب آبادیوں کے اعتبار سے اگر دلی کو ہندوستان کا مکہ مدینہ کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ اُنکی کھسی کئی دفعہ مگر رفت و رہی کی وہی جھنڈے کے غدر کا البتہ بڑا جھکولالہ بیچا مگر یہی سری کا شہر تھا کہ تنوع اور بیجا پور کی طرح اجڑا نہیں۔ خیر صوبہ پنجاب کا صدر مقام نہیں ہی دلی تو ہو۔ اس بہتر رہنے کے لیے کوئی جگہ ہوگی۔ اور ابھی میرے رہنے رہنے ہی کیا ٹھکانا ہو۔ میں ناگہانوں کے لیے تو اتنی عمر ضائع نہیں کی۔ محنت سے پڑھا ہو، امتحان پاس کیے ہیں تو اسی دن کے لیے کہ بڑی سے بڑی لوگری کروں امیر ہو جاؤں خوش حالی سے زندگی بسر کروں اور لوگوں کو دکھاؤں کہ عمدہ تعلیم پانے کے نتیجے ہوتے ہیں تو

نوکری پیشہ کی جہاں نوکری وہیں اس کا وطن ملے پھر بھی آدمی کو چاہیے کہ کسی ایک جگہ کا ہو ہے چلے پھر اپنے ٹھکانے آگے۔ اور دنیا بامید قائم، آخر میں کبھی تک بھی نیشن لوں ہی کا تو اگر ساری عمر ٹھکانا چلوانا پڑا اس وقت بڑی وقت پیش آئے گی اور ابھی سے سامان جمع کر چلوں گا تو اسایش ملے گی بغرض کوئی نہ کوئی مقام مستقل سکونت کے لیے متعین کرنا ضرور ہو کر وہاں کے لوگوں کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو ورنہ وقت پر اس ہمدردی اور مدد کی توقع کی جائے۔

ایسے ایسے خیالات سے سید صادق نے دہلی کی بود و باش جی میں ٹھیرائی تھی مگر وہاں کے مذہبی اختلافات دیکھ کر تو اس کو بڑی ہی وحشت ہوئی اور اس کی طبیعت دو چار دن کے لیے آنکھ میں بھی مضائقہ سا کرنے لگی۔ مگر دل برداشتگی کے ساتھ ایک بڑا فائدہ بھی ہوا کہ اس کو مذہب کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس کی سی عمر اس کی سی بافت کے آدمی کو یہ تو نہیں کہہ سکے کہ وہ مذہبی اختلافات سے بالکل بے خبر تھا۔ علی گڑھ کالج جس میں اس نے پڑھا تھا کھولا تو کیا دنیا وی تعلیم کی غرض سے مگر مسلمانوں نے زبردستی مذہبی بدگمانیاں کر کے شروع سے اس کے ساتھ مخالفت کی اور جب تک مسلمانوں کی مذہبی برچول کی عادت نہیں جاتی اور وہ کیا جلتے کی علی گڑھ کالج کی نسبت بدگمانیاں ہوتی ہی ہیں گی پس مجرد علی گڑھ کا طالب العلم ہونا دلالت کر رہا ہو کہ وہ اختلاف کے جنگلے میں نہ رہتا تھا تو ناشائی ضرور تھا اور ایسے ہی تماشائیوں کی سی اس کی توجہ بھی تھی۔ اب جو ہر قسم کے لوگوں سے خود اس کو سوال جواب کرنے پڑے تو اس نے دیکھا کہ مباحثے اور مناظرے کے لیے طبکار نہیں اسے دینیات کی کتابیں دیکھنی شروع کیں مطلق سلام کی طرف سے تو اس کو اطمینان تھا کہ اس سے زیادہ سادہ اور سلیس و آسان اور قریب الفہم و فطرت انسانی کے ٹھیک مطابق کہی سب باتیں مذہب کی حقانیت کی شناخت ہیں اور کوئی مذہب نہیں اسلامی فرقوں کے باہمی اور اندرونی اختلافات میں اس کی عقل البتہ چکر میں تھی کہ یہ کیا آپس میں لڑے مرنے اور ایک دوسرے کا فرور مرتد بنانے ہیں اس نے اپنی طرف سے ہتیرا چاھا کہ کوئی ایسا منصف مزاج آدمی ملے جو اپنی کہے

اور دوسرے کی سُننے اور بالمشافہہ گفتگو ہو ہوا کہ حق معلوم کر لیا جائے لیکن کسی کو اس ٹھیک نہ پایا۔ دودو باتیں بھی سیدھی طرح نہیں مٹنے پاتیں کہ فریقین آپس سے باہر ہو جاتے ہیں اور ان میں کج فہماری تو غیر نہیں رہتی

تو کوئی خروسان شاطر بھنگ در افتادہ باہم ہمتنقار و چنگ

پس کتاب بینی کے سوائے اور کیا چارہ تھا۔ مگر کتابیں بھی تو اکثر ان ہی لوگوں کی لکھی ہوتی تھیں اور بعض تو ان میں اس قدر بے تہذیب کہ اگر کسی غیر مذہب والے کی نظر پڑ جائیں تو اسلام کے مقابلے میں اس کی ایک جھٹ ہاتھ آئے۔ اور مذہب اسلام اس قدر عمدہ مذہب ہو کر جو نہیں پھیلتا اور دوسرے مذہب والے اس کثرت سے اس کو اختیار نہیں کرتے جس کثرت کے ساتھ ان کو اختیار کرنا چاہیے کیا خبر یہ کہیں ایسی ہی کتابوں نے ان کو نہ بھڑکا دیا ہو۔ ایک پادری جسٹا تو ہم سے کہتے تھے کہ مجھ کو دریافت کرنا منظور تھا کہ

اسلام میں کہاں کہاں پانی مٹاؤ سنی شیعوں کا اختلاف میرا سنا ہوا تھا میں نے دونوں کی ایک ایک کتاب منگو کر دیکھی۔ اسلام کی ادھی بُرائی شیعوں نے بتائی تو دوسری ادھی سنیوں نے تو صادق نے بھی یہی غلط راستہ اختیار کیا اور بچائے اس کے کہ اطمینان ہو تو سنی ہو، اور شکوک بڑھتے گئے کیوں کہ ان لوگوں کے مناظرے کا معمولی طرز یہ تھا کہ کسی نے ان میں ایک عجیب نکالا تو انھوں نے اس میں ایسے ہی یا اسے بھی سخت دو کال کھڑے کیے

تو یہی بات ہوئی کہ حامد نے محمود کو چھڑا کر تیری نکلیں میں ناخنہ ہر محمود کو لازم تھا کہ اپنی صاف اور بے عیب نکمہ لوگوں کو دکھا کر حامد کو چھوٹا کرتا، وہ لگا حامد کی آنکھ کلینٹ دکھانے اس آنکھ والوں کی نظر میں محمود تو لوسا کا دیسا ہی عجیب دار رہا و حامد بھی اس کے ساتھ ہیں کیا مذہب میں اس طرح کی چھان بین ہی ٹھیک نہیں اس کے

طبیعت تشکی ہو جانی ہے اور شک اور مذہب میں ہو بڑے

پیرھوں فصل حق کی مذہب

صادق نے کتابیں تو دیکھنی شروع کیں اسلامی فرقوں کے اندرونی اور باہمی اختلافات کی وجہ سے

اور وہ جا پھنسا دوسرے مذاہب کے جھگڑوں میں۔ اور اب ہم نے اس کی یہ تماشہ دیکھا کہ عقل کی بھول بھلیوں میں جھٹکا جھٹکا پھرتا تھا اور نکلنے کا راستہ نہیں سوچ پڑتا تھا۔ اس پر ایک قس ایسا بھی گزرا کہ وہ دوسرے کسی مذہب ہی کا معتقد نہ تھا اور دل میں کہتا تھا کہ شروع سے آدمی مذہب کے خیال کے پیچھے پڑے ہیں اگر مذہب حق نفع میں کوئی چیز ہوتا تو اب تک انسان کی نظر سے مخفی نہ رہتا اور ساری دنیا میں کبھی کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا۔ دنیا جتنی پرانی ہوتی جاتی ہو مذہبوں کا شمار بڑھتا چلا جاتا ہو جس چیز کو اتنی مدت ڈھونڈا جائے اور ڈھونڈا بھی جائے تو ایسی کاوش سے کہ کوئی فرد بشر اس کی جستجو سے فائدہ نہیں اور وہ نہ ملے تو اس کے بھی معنی ہیں کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب لا اپنے ہی تئیں برسر حق سمجھتا ہو اور حال یہ ہو کہ نیک و بد بھی جگہ ہیں۔ کیوں کر مان لیں کہ ایک شخص خالص ڈرتا ہو اور غریبوں پر نرس کھاتا اور کسی کی ایذا نہیں دیتی چاہتا معاملے کا صاف دیانت دار امانت گزار مزاج میں شغی نہیں غرور نہیں۔ وہ صرف اس حد تک کہ خاص طور سے عقیدے نہیں کھتا اور نہیں کھتا تو اس وجہ کہ وہ اپنے دل سے اُن کو ٹھیک نہیں سمجھتا کیوں کر مان لیں کہ ایسا شخص جہی ہو ابد الابد کے لیے جنوب عذاب الہی۔ اور خدا کو بھی کس نے دیکھا ہو۔ یہی نہ کہ دنیا میں کوئی چیز بے نہیں بنتی اور بنائے والے کون؟ ہم ہی آدمی، تو جو چیز ہم میں سے کسی نے نہیں بنائی، جس نے بنائی وہی خدا یہ دلیل ظاہر ہے تو بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہو لیکن اس کو منطق کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں ترتی۔ کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ اس کی جگہ ہم کیوں کہنا چاہیے کہ آدمی کے بنائے کی کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی۔ وہی لفظوں کی کمی بیشی میں بات کیا سے کیا ہو گئی۔ نہ دعویٰ رہا اور نہ دلیل۔ اور کوئی چیز بے بنائے نہیں بنتی اس میں تو خدا بھی آگیا تو گویا ہم ایک ہی سانس میں خدا کو مانتے اور اسے کرتے بھی ہیں جن شخص کی چیز کے آپسے آپ ہو جانے پر اچنبھا کرتا ہو بڑا چنبھا یہ ہو کہ وہ خدا کے ہونے پر اچنبھا کیوں نہیں کرتا اور دنیا میں اگر مثلاً ایک بات سے معلوم ہوتا ہو کہ خدا ہو تو دوسرے ظاہر ہوتا ہو کہ نہیں ہو ہم ہزاروں

لاکھوں آدمیوں کو مبتلائے مصیبت دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مصیبت ان کی کسی بدکرداری کا نتیجہ نہیں ہو چکی ہے اور زرا۔ یا ایک عام مصیبت موت ہی کی ہے جس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یکدم خدا کے نہیں ہیں اور نہیں بنے چاہئیں اور فرض کرو کہ خدا ہو تو مگر خدا کا ہونا چاہتا ہو کہ دین نہ ہو کیونکہ اگر خدا ہو اور اسے جیسا چاہا دنیا کو بنایا تو وہ دنیا کے خلاف کیوں چاہنے لگا اور اگر چاہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی کہ ایک شخص گھڑی بنے اور بنا کر اس میں ایک کیل ٹھوکے کہ چل سکے ہم کو بے ہماری درخواست کے پیدا کیا اور چند در چند ضرورتیں اور خواہشیں ہمارے پیچھے لگا دیں پھر ہم کو ان سے روکنے اور باز رکھنے کے معنی کیا؟

یہ میں یہ صادق کے چند خیالات جو اس نے عقل کی راہ نمائی سے ہم پہنچائے تھے اور جن کو ہم نے نقل کفر کفر بنانے کے بھرپور پر مجبور کر دئے اور لرزے لرزے لکھ دیا ہو۔ خدا لکنا ہوں کو محاکمے اور ہمارا مقصد اس بات کا دکھانا ہو کہ عقل بھی کسی بات پر جبر نہیں کر سکتی تو اس کو بنایا اور خدا ہی نے اس کو سمجھنے کی طاقت دی۔ اگر خدا کا فضل دستگیری نہ کرے تو یہ عقل آدمی کو اندھے منہ دفن میں جا کر لے۔

اور پھر جو بیماری پلٹا کھانا تو سوچنا کہ چاہے خدا کے کرنے سے ہو اور چاہے آپس آپ ہو انسان کی ہستی ہی کیا ہو بہت بہت جیسا تو ساٹھ ستر برس۔ اور سینکڑوں ہزاروں میں شاذ نادر کوئی ایک بیکار بھی گھسیٹ لے گیا تو کس طرح کہ بے لکڑی کے سہارے کے چار قدم چلا نہیں جاتا یا وہ ڈالتا ہے کہیں اور پڑتا ہے کہیں، سر اس کے جھٹکے جھٹکے گھٹنوں میں لگا ہوا، آنکھوں کو دھندلا دکھائی دیتا ہو، کانوں سے اونچا سائی دیتا ہو، کچھ عجیب طرح کی بولی بولتا ہو کہ نہ اردو ہو نہ فارسی نہ عربی، دنیا کی زبانوں میں کسی سے نہیں ملتی، اپنے منہ سے تو سیدھی بات نہیں نکلتی اور لوگ نہیں سمجھتے تو ان پر جھجھکتا ہو۔ بات ابھی کہی ہو اور ابھی ذہن سے اتر گئی، ہنوکا بڑھ گیا ہو، ہر چیز کو جی چاہتا ہو کہ کھالوں، دانٹ نہیں چبائے کلبے سے، اور گھڑیوں پیلہ پیلہ کر کوئی چیز خلق سے اتار بھی لی تو ہانمہ نہیں۔ اب گھر والوں کا دم ناک میں ہے پوتیاں پڑتیاں

ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور بکار بکار کر دعائیں مانگتی ہیں کہ بڑھا کہیں مر چکے تو باپ ملے۔ اس پر پوتہ بولتی ہے کہ
 ہوا تم اس طرح منہ بھر بھر کر بڑے میاں کو کیوں کوستی ہو؟ یہ مر جائیگے تو قیامت کے روز یہ کون جیسے گا؟
 اتفاق سے نواسی آئی ہوتی تھی یہاں، آخر تو خون کا جوش بوتا ہو، اس سہارہ ہو کی اور لگی کہنے لگا

ڈر دیا یہ سب ان ہی کے دم قدم کا ظہور ہو اور یہ سارے آتے تھے ان ہی کی کمائی میں ہو رہے ہیں۔
 باؤ کو تو ایک پیسہ لانا بھی نصیب نہیں ہوا۔ تم لوگ جس ہنڈیا میں کھاؤ اسی میں چھید کر دو۔ نانا آئے تو
 آپ اپنی مٹی خوار کر رکھی ہو۔ اماں خدا ان کو بہشت نصیب کرے اسی تمنائیں مر گئیں ہیں سینکڑوں
 دفعہ ہاتھ جوڑے وہ اس گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ورنہ میں تو ان کو اپنی آنکھوں پر بٹھاؤں
 اور اپنے ہاتھ سے ان کی ٹہل کر دوں لیکن ہم تو سدا کے بدمت ہیں، ہماری تقدیر یہی کہاں تھی بزرگوں کی
 خدمت کرتے؟

پوتہ ہو۔ ہاں لو ابچ کہتی ہو۔ ہم تو ایسی ہی نمک حرام ہیں۔ ہماری طرح آٹھ پہر گھر میں ہو تو
 جانو کہ بڑھے نے سارے گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہو۔ ان کو تو دن رات کی تمیز پاتی نہیں سوتے پڑے ہیں تو
 اسن ہو۔ ادھر آنکھ کھلی اور پکارنا شروع کیا۔ کڑا کے کے جھٹنے آدھی رات اور مہاوٹ برس رہا ہو
 اور لوٹدی کی طلب ہو۔ نہ جاؤ تو تمھارے بھائی جان لٹنے کو موجود تم چاہو شوق سے لگا دینا ہم سے تو یہ
 بوڑھے پیچھے نہیں پالے جاتے؟

غرض بڑے میاں اپنے گھر میں ہیں تو اس قدر عزت کے ساتھ جن کو عمل سیکھائی اب وہ
 منہ در منہ کہتے ہیں کہ تم سترے بہترے ہو گئے ہو جن پر حکمرانی کی بات بات میں ان دن پڑتا ہو۔
 جن کی خدمتیں کہیں اب وہ پانی پلاتے ہوئے بڑھاتے ہیں۔ اپنا پیسہ ورنہ ہی دست نگر غرض زندگی ہو
 موت بدتر ہے۔ پر عذاب سروس بردبال۔ ابھی کبھی ہو بھی چکے گی۔ اور غرض کیا لادمی کی بڑی سے بڑی عمر بھی
 ہوئی اور کون بڑھاپے کی اینڈیں اور کلینیں بھی پیش آئیں تو بھی ساری مہر دیاں ایک طرف اور ناباک طرف

دنیا میں یہی تو سب سے زیادہ عجیب بات ہو گئی تھی کہ گزر جاتی اور بری بھی گزر جاتی یعنی انجام سب کا ایک ہی سہ کتنے مفلس ہو گئے کتنے تو نگر ہو گئے خاک میں جس دم ملے دونوں برابر ہو گئے پس حقیقت میں آدمی خواب دیکھ رہا ہے میں، کوئی اچھا کوئی بُرا نہ لکھ بند ہوئی جس کو کہنا چاہیے کہ لکھ گھڑی کچھ بھی نہ تھا

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا اس قسم کے خیالات ہجوم کرتے تو یہ صادق کو دنیا کی طرف سے ایسی بے لی پیدا ہوتی تھی کہ کمال کا امتحان اور کسی لوگري، کس کی بی بی اور کدھر کے تعلقات سب کے چٹخو و لغرض ان دنوں یہ صادق انٹاری کی ترازو بنا ہوا تھا کبھی دھڑکا پتہ جھکا گیا کبھی اُدھڑکا اور اس کی سبب یہ تھا کہ عقل سے اُس کی بساط کا زیادہ کام لینا چاہتا تھا اور خدا کو لے یہ دکھانا منظور تھا کہ ہم نے تمھاری جتنی تعصب کو دبی رہتے تم سے کم بہتر سے تم سے زیادہ) اور نہ مذہب کے لئے اتنی عقل کی ضرورت اور جتنی کی ضرورت ہو اُس سے کم نہ اور عورت اور عالم اور جاہل و رشتہ بری اور دیہاتی کسی کو محروم نہیں رکھا اور یوں پاپنے اور کوئی چیز لازم کو تو تمھاری خوشی، پھر تم سے فتنی ہی باز پرس ہو گی تمھارے دنیاوی متحانوں میں بھی بعض چیزیں اختیار کرتی ہیں چاہے ان میں امتحان دواور چیلنج نہ دو لیکن از خود دنیا جا ہو گے تو نمبر میں رعایت نہ ہو گی درہمانیۃ ابتداء

ماکتبناھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوہا حق (عائیتنا فالتینا الذین امنوا مہم اچھو کہینونہم شت

دین کا وہ درجہ جو ضروری ہو ایسا سہل کھا گیا ہو کہ ہر ایک آدمی اُس کو بدون کسی زحمت کے پاس کر سکتا ہو۔ اس پر بھی لوگ فیمل ہوتے ہیں۔ مذہب کا کچھ ایسا خواص ہو کہ جتنا چھانو تو تنہا ہی کر کر لے، جوں جوں تمھارے توں توں گدلا۔ اور اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہو کہ دین ہو اور بڑھو کل اور مکتب کے

لہذا دین سے ایسا ہو کہ ایک رہبانیت کمال کھڑی کی جو ہماری طرف سے اُن پر فرض نہ تھی۔ رہبانیت سے اُن کی غرض خدا کی رضا جوئی تھی اور بس تو اس کا ناہ جیسا کہ چاہیے تھا نہ ہو سکا پس جو ان میں پائے گئے تھے اُن کو جڑ ملے اور اکثر توبہ کا درس۔

بندی بچوں کی یعنی بوڑھی عورتیں اور مکتبے بندی بچے دل کے بھوئے اور طبیعت کے صاف ہوتے ہیں جس طرح کورا کپڑا رنگ کو خوب پکڑتا ہو بھوئے دل و صاف طبیعتیں دین کی باتوں کو جذب قبول کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ حجاب الہی کو کھاتا تو اس کی بھی یہی وجہ ہو کہ بہت سیانہ بی بی دینی کو گمراہ کر دیتی ہو غرض سید صادق پرورین کے اعتبار سے کچھ وقت اسی طرح کا گزرا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگل میں بٹھکتے پڑے پھرے۔ بہتیری ٹھکیں دوڑتے اور ہر روز صبح سے شام تک چلتے، آخر کار پھر کر وہیں آکھڑے ہوتے جہاں چلتے تھے مگر تھا کیا کہ طلب تھی صحیح اور تلاش تھی سچی اس سوچ میں سچ چال ہو گیا تھا جیسے کوئی مہوت دیکھتا ہو اور نظر نہیں آتا، اُسنتا ہو اور سمجھنا نہیں بہتیری کوشش کر کہ یہ خیال دل سے دور ہو کر سوتے جاگتے ہمہ وقت ہی تصویر پیش نظر تھا کسی چیز میں طبیعت نہیں لگتی کسی بات جی نہیں بہلتا۔ کتاب کے کڑھٹھا، ہر چیز طبیعت پر زور دیتا ہو، طلب علم نہیں ہوتا لوگ باتیں کر رہے ہیں اس کو خبر نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ ضروری میں خلل پڑنے لگا اور چندے اس کے خوف رہا کہ میں ایسا نہ ہو مجھ کو جنون ہو جائے اور سارا بڑھا لکھا غارت ہو۔ نیند تو اس کی مدتوں اُچھٹی ہوئی تھی ہی ایک رات آخر شب ہی خیال میں بڑا کروٹیں بدل ہاتھ لگا کر اپنے بستر پر ہو کر دعا کی کہ خدا اگر موقع میں تو خدا ہی ہو گیا تمام اہل مذاہب سمجھ کو ملتے ہیں تو مجھ کو اس درجہ سیرت سے نکال اور حق بات میرے دل میں نہ آئے۔ ابھی پورے لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکلے تھے کہ برابر کے پلنگ بچھا دوئے وازدی کیا تم جاگے ہو؟ صادق ”ہاں جاگتا ہوں۔ کیوں خیر ہو؟“

صاف ”ہیں نے ابھی ایک بڑا لمبا سا خواب دیکھا ہے جیسے تم کسی قیمتی کپڑے کی ایک نہایت سفید شیرازی پہنے ہو ایسی کہ میں آج تک ایسا سفید کپڑا دیکھا نہیں۔ جا بجا اُس پر سیاہی گری ہوئی ہو اور تم دعاؤں کے چھڑنے کی فکر میں ہو اور تم کو ایک طرح کا بیچ اور بیچ کے ساتھ نا اُمیدی بھی ہو کہ ہائے کسی عہد شیرازی تھی اب اس کے دھبے کیا چھوٹیں گے تم نے بہتر سے جتن کئے اور جس جو تدبیر بتائی آزمائی، دھبے پھیلے

اور پہلے سے زیادہ بڑھا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ تم نے انا اللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چاہا کہ شیر ذنی کو اتار بیٹنگوں۔ اتنے میں تو ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ یہ دھبے ٹی سے چھوٹے گئے مجھ کو اس کا طریقہ معلوم ہو میں تمھارے ہی ہاتھوں کے اس کو صاف کر دوں گا اور شیر ذنی جیسی اصل میں تھی ایسی ہی کلائے کی گھبراہٹ میں اس کے بعد تو سوتے ہی میں خود بخود خواب کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ شیر ذنی تمہارا دل ہوا دیا ہی کے دھبے تمھارے مذہبی شکوک میں اور ٹی سے مراد ہو خاکساری پھر کیا دیکھتی ہو کہ جیسے تم میں انگریزوں میں اسی طرح کی مذہبی بحث ہونے لگی جیسی تم لوگوں سے کیا کرتے ہو۔ جو جو بحث ہوتی جاتی ہو شیر ذنی کے دھبے ہیں کہ سنتے اور کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سید غ دوڑ ہو کر شیر ذنی اچھی خاصی اُجلی نکل آئی گویا اُس بڑیا ہی گری ہی نہ تھی۔ اور تم اس کہن کہ بہت ہی خوش نمئے ہو اور کہتے ہو کہ بس اب میں اسی کو چھپنے رہوں گا اور جو دیکھتا ہو شیر ذنی کی تعریف کرتا ہو کہ سچا انسان لکھا گیا ہے اور دھوبی نے کیسا اچھا دھویا ہے۔ وہ بحث جو تم میں دران بزرگ میں ہوئی مجھ کو لفظ بلفظ یاد ہو اور یہ قاعدہ ہو کہ جہاں جہاں مگر خواب کی بات مجھ کو بھولا نہیں کرتی۔ وہ بحث اتنی لمبی ہو کہ جسے بیان کرنے میں کئی دن میں ختم ہو مگر خواب میں تو یہ ماجرا جہاں تک میں خیال کرتی ہوں شروع سے آخر تک اودھ گھنٹوں طے ہو ہوا گیا تھا۔ صادق تو مذہب کے معاملے میں بے چین تھا ہی سنتے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور چاہا کہ اسی وقت سے اپنا زہر اگل چلے۔ اس پر صادق بولی کہ سچ صادق ہو چکی ہو میں غلط نہ رہوں تو تم بھی ضرور تو کفار ہو لو پھر طینا تک باتیں کریں گے اور یہ جھگڑے ایک دن کے تو نہیں ہیں جتنی باتیں ہیں خواب میں دیکھی ہیں کئی ہفتوں میں جا کر طے ہوں تو ہوں۔

صادق نے اپنی معمولی ناز پڑی مقرر ان کی تلاوت کی اور خانہ داری کے متعلق جو کچھ کہنا سنا تھا کہا سنا اور یہ صادق ہیں کہ پہلے سے آکر جسے بیٹھے ہیں۔ بلے جب صادق سب باتوں سے فراغت پا چکی تو صادق سے مخاطب ہو کر بولی کہ خدا کے ہزاروں لاکھوں بھید ہیں جن میں آدمی کی عقل کچھ نہیں کرتی

اُن میں سے ایک بھید خواب ہو اور خاص کر میرا خواب کہ میں بچپن سے خواب دیکھتی ہوں جیسا کہ سب دیکھتے ہیں۔ یہ خوابوں میں تین باتیں بڑے اچھے کی ہیں۔ ایک تو اس آج تک جھوٹا خواب نہیں دیکھا، آگے کی خبر نہیں۔ دوسرے خواب دیکھا کہ تو خواب ہی میں اُس کی تعبیر بھی دکھائی دے گئی اور خواب میں نہ دکھائی دی تو جگہ گئی ہی سمجھ میں آگئی اور وہ اب تک غلط نہیں نکلی، آگے کی خبر نہیں غرض مجھ کو اب تک کسی سے تعبیر پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی، آگے کی خبر نہیں تیسرے یوں سینکڑوں باتیں دیکھتی ہوں سنتی ہوں اور بھول بھی جاتی ہوں مگر خواب کی ایک بات بھی آج تک مجھ کو نہیں بھولی، آگے کی خبر نہیں۔ نہ صرف میں اپنے خوابوں کے معاملے میں حیران ہوں بلکہ جو سنتا ہوں حیران ہوتا ہوں بعض خیال کرتے ہیں کہ اس کے سر پر کچھ ہو حالانکہ خوابوں کے سوائے میں کوئی بات اپنے میں نہیں باقی۔ اور تم نے بھی کوئی بات نہیں بتائی ہوگی اور ان شاء اللہ بائیس بھی نہیں ہیں۔ ہر چند چاہا کہ مجھے خواب دکھائی دیا کریں بلکہ عاصی کی مگر خدا جانے کیا صلت ہو خواب آئے بدون نہیں رہتے بعض ان خوابوں کی وجہ سے مجھ کو بڑی مقدس سمجھتے ہیں اور جہاں تک میں خیال کرتی ہوں میں ایک معمولی طور کی عورت ہوں ہاں نماز روزہ جیسا کچھ بن پڑتا ہو کرتی رہتی ہوں ور میں بہتری عورتوں کو جانتی ہوں جو نماز روزے میں مجھ سے کہیں بڑھ کر ہیں مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ بچپن مجھ کو جھوٹ سے بیٹھ بیٹھ لوگوں کو برا کہنے سے، مچھلی سے، لڑائی جھگڑے سے، غرض کسی کو کسی طرح ستانے لیا نہ بچانے سے نہ نفرت ہی میری اتنی عمر مجھے آئی میں نہیں سمجھتی کہ میں کسی کو ناراض کیا یا کسی کا دل دکھایا ہو۔ میں سچ کہتی ہوں کہ میں خدا سے زیادہ اس بندوڑ کو تو رہی اس واسطے کہ میں جانتی تھی کہ خدا بڑے نیاز اور غفور الرحیم ہے، اگر میں اس کا کوئی قصور کروں گی تو اس کے معافی کی امید ہو۔ نیلے محتاج اور اسی سبب دل کے تنگ ہیں، اگر ان کا کوئی حق میری گردن پر رہ گیا تو مجھ سے اس کا بدلہ نہیں لے سکتا۔ اچانک سے کسی کو میرا ماں باپ، بھائی بہن، رشتہ دار پاس پڑوس، جان بچان میں امید کرتی ہوں ان میں سے کسی کو میرا شکی نہیں پڑے گی کیوں کہ میں سب کو رضا مند رکھنے کی کوشش میں لگی رہی ہوں۔ جب شی دی بیاہ کا چہرہ ہوا

میں نے اچھی طرح جی میں ٹھان لیا کہ جس طرح ہو سکے تم کو راضی رکھنا اور یہ تمہاری مرضی کے نکتہ نہ توڑنا۔ بار بار مجھ کو شبہ ہوا کہ میں جو بندوں کے حقوق کو خدا کے حقوق پر مقدم رکھتی ہوں میری یہ بات کہیں خدا کو بری نہ لگے۔ بلے رات جو میں نے خواب دیکھا اور جو میں اب تم سے بیان کرنا چاہتی ہوں اس دل کو پوری تسکین ہو گئی اور اب میں سمجھ کر یہ اہل دین داری تمہی میں اس پروردگار کے صنفے جاؤں جس نے اپنے نفل سے مجھ کو اس کی سمجھ دی۔ اب میرا خواب سننا چاہو تو اس کے دور سے میرا بکالت یہ کہ جیسی جیسی باتیں تم میں اور ان بزرگ میں ہوئی ہیں ان کو قلم بند کروں۔ یا میں بولتی جاؤں اور تم سمجھ جاؤ۔ یا میں تمہارا پہلا سوال لکھ کر تمہارے حوالے کیے دیتی ہوں تم اس کو دیکھنا ست جب میں یہ بیان کر دوں تو میرے لکھے ہوئے سے ملا لینا اگر مطابق پاؤ تو جاننا کہ سارا خواب سچا ہو اور جو کچھ میں کہتی ہوں ان بزرگ سے سنی ہوئی کہتی ہوں۔“

صادق سارا خواب لکھنے میں تو بڑی دیر لگے گی مجھ سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔ اور پہلا سوال لکھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری نسبت ایسا شبہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے دست بنا کر ایک بات بیان کر دو گی اور جھوٹ موٹ لکھ دو گی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہو اور اس بحث میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہوں گی جو میں جانتا ہوں کہ تمہاری سمجھت باہر میں۔ پس مطلق جواب تمہارے خواب کی تصدیق ہو جائے گی۔“

صادق لیکن یہ چاہو کہ میں اور باتوں کی طرح خواب کو دو ہزار دوں تو یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ چھوٹے چھوٹے خواب تو خیر ایسے بڑے خواب جن کے بیان کرنے میں ہی لفظ نقل کرنے پر تپتے ہیں جو میں نے خواب میں سنے تھے ذرا شکل سے ادا ہوتے ہیں۔ پھر دماغ پر ایک طرح کا بوجھ پڑتا جو اس کی کیفیت میں بیان نہیں کر سکتی۔ اتنا بڑا نہیں مگر اسی طرح کا ایک خواب میں اپنے ہاؤس کے لیے دیکھ چکی ہوں۔ اُن کا امتحان ہونے والا تھا اور بہت پریشان تھے مجھ کو خواب میں پہلے سے سوالات معلوم ہو گئے اور میں نے اُن کو وقت سے پہلے لکھ کر بھیج بھی دیے تو بڑی شکل سے لکھے گئے تھے۔ پس مجھ سے زبان بھی اہلو اوگے تو کوئی دن لگیں گے اور میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ اس دماغی بوجھ کی برداشت نہیں کر سکوں گی۔“

صادق ”یہ تو زبانی بیان کرنے سے لکھنا ہی بہتر ہو گا کہ خواب کی تحریر یا دوست ہی ہے گی؟“
صادقہ ”ہاں میں بھی لکھنے ہی کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ تم میرے پاس بیٹھے رہو اور میں تمہارے روبرو لکھتی جاؤں۔ تم ساتھ کے ساتھ دیکھتے جانا۔ میرا لکھنا بیان کی جگہ ہو گا اور تمہارا دیکھنا سننے کی جگہ۔“
صادق ”یہ ٹھیک ہے اور اس کو سوال و جواب کے طور پر لکھو۔ یعنی جو کچھ میں نے کہا ہو سوال اور جواب بزرگ نے فرمایا ہو جواب۔“

اس کے بعد صادقہ نے اپنا خواب قلم بند کرنا شروع کیا۔ وہ پہلے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے اور بعض اوقات مانگے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرتی اور پھر اُس کو لکھتی۔

چودھویں فصل

صادقہ کا مذہبی خواب

خدا اور اُس کی وحدانیت اور صفات کا عقلی ثبوت

سوال۔ پہلے مجھ کو اس سے تو مطمئن کیجئے کہ خدا ہے۔

جواب۔ اطمینان کی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اطمینان تو آدمی کو اپنی آنکھوں کے دیکھ کا ہوتا ہے، ایک اطمینان دوسرے کے کہے کا ہوتا ہے، ایک اطمینان عقلی گواہی کا ہوتا ہے کہ دیکھا نہیں سنا نہیں مگر دل ہو کہ آپ ہی آپ تسلیم کر لیتا ہے کہ ہاں یہ بات اسی طرح ہے۔ لوگ عید کے چاند میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہوا یا نہیں تو اس صورت میں اطمینان کے دو درجے ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ مطلع صاف ہوا اور ہم اپنی آنکھ سے وضع طور پر چاند دیکھ لیں یا ہم آپ نہ دیکھیں تو معتبر آدمی جنہوں نے وضع طور پر چاند دیکھا ہے گواہی دیں۔ یا مثلاً دُنیا میں ہزاروں شہر ہیں جن کے دیکھنے کا ہم کو اتفاق نہیں ہو گا مگر تاریخ جغرافیہ کی کتابوں میں ان کا بیان نقشوں میں ان کا نام اور موقع لکھا ہوا موجود ہے اور بہت آدمی ان میں ہو بھی آئے ہیں تو ہم کو اطمینان ہے

کہ ہاں یہ شہر انہی جگہ بنے زمین پر ہیں۔ تو اس طرح کا اطمینان خدا کے بارے میں نہ کسی کو ہوا اور نہ کسی کو ہو۔ لیکن اطمینان کا تیسرا ذریعہ یعنی عقل کہہ دی ابھی باقی ہوا اور اگر ضرورتوں میں اس کے بھی ویسا ہی اطمینان ہو جانا ہو اور ہونا چاہیے جیسا آنکھوں دیکھے سے مثلاً ایک غلطی ہمارے سامنے پیش کی جائے تو اگر شہم خیال نہیں کرتے لیکن کریں تو اس کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ آپت آپ نہیں بن گئی بلکہ کسی کے بنائے سے بنی ہو۔ رہی یہ بات کہ کیوں ہمارے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہو کہ کوئی چیز بنائے نہیں بنتی اس کا سبب دھاسا جواب ہو کہ خدا نے ہمارے دل سے ہی بنائے میں جیسے آنکھ رنگ کا ڈول کو، نزدیک دور کو، ناک بو کو۔ زبان مزے کو۔ کان آواز کو۔ جلد بدن سرد گرم کو، سخت نرم کو پچھائی جیسے ہی عقل چیز سے بنائے فالے کو پچھاتی ہے، نہیں ہو سکتا کہ آنکھ، سمیع و سلاست ہو اور آدمی چیزوں کا رنگ روپ نہ پچھائے۔ اسی طرح ممکن نہیں کہ انسان معمولی عقل بھی رکھے اور اس کا مقصد ہو کہ دنیا کے کارخانے کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہو جس کو خدا کہتے ہیں۔ ہمارے نظیری جو اس ایک خدا کا کہتے ہیں اور اس حد سے بڑھ کر معطل۔ آنکھ سینکڑوں کوس کی چیز نہیں دیکھتی، کان سینکڑوں کوس کی آواز نہیں سنتے۔ اسی طرح عقل کے کام دینے کی بھی ایک حد ہے، ہم دنیا کے کارخانے کو دیکھ کر عقل کے ذریعے سے آنا جانتے ہیں کہ اس کا کوئی بنانے والا ہو اور ایک ہو، عیسے پاک، ائمہ صاف، منترہ، قادر ہو، علیم ہو، حکیم ہو، رحیم ہو، انجی حنی، عمدہ سے عمدہ صفیں خیال میں آسکتی ہیں وہ ان سب کے متصف ہو کیوں ان سب باتوں کا تہم کو اسی دنیا کے کارخانے سے ملتا ہو مثلاً اگر کئی خدا ہوں تو اسی تو کیا بات ہو کہ ان میں کبھی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا اور اختلاف ہوا تو لڑائی ٹھہری ضرور ہو کہ ایک ہمارے اور ایک جیتے تو جو باراہہ بیچارہ خدائی سے معزول بندوں کی لڑائی نے دنیا کا کیا حال کر رکھا ہو۔ اگر کئی خدا ہوں اور پس میں لڑنے لگیں تو ان کی ٹکر کو کون سنبھالے بغرض دنیا کے کارخانے کا انتظام دلات کر رہا ہو کہ یہ ایک لڑے کا محکوم ہو اور یہی حال ہو خدا کی کل صنعتوں کا۔ بس عقل کے ذریعے سے ہم آنا ہی جانتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیے اور ایسا ہونا چاہیے

اور وہ ہوا اور ایسا ہی ہوتا ہی معرفت انسان کو ہوا اور اتنی ہی ہوتی ہے اور اتنی ہی اس طلب کی جاتی ہے۔ انسان اس آگے قدم رکھنا چاہے تو وہ اس بلے میں اس زیادہ کامیاب نہیں ہوگا جیسے وہ آنکھ سے پس دیا اور دیکھنا چاہے یا سینکڑوں کوس کی چیز کو بے مدد و درہن دیکھنا چاہے پہلی اور مکروہ غلطی جو انسان ہوتی ہے یہ کہ وہ یا تو عقل سے بالکل کام لینا نہیں چاہتا یا چاہتا ہے تو اس کی بساط سے بڑھ کر کام لینا چاہتا ہے۔

سوال - تو کیا سارے آدمی جو خدا کے قائل ہیں ایک ہی درجے کی معرفت رکھتے ہیں۔
جواب - بے شک۔ مگر یقین یقین میں فرق ہے۔ اب یہ کہو کہ مثلاً موت ہی ایک چیز ہے کہ اس بڑھ کر کوئی دوسری یقینی چیز ہو نہیں سکتی۔ لیکن لوگوں کا کیا حال ہے کہ اس تصور کو ذہن میں لانے ہی نہیں جانتے اور نہ سمجھتے ہوتے تو دنیا کا یہ رنگ نہ ہوتا۔ پس موت کے یقین کے معنی یہ ہیں کہ اس انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی سب آدمیوں کا حال یکساں نہیں ہے بعض شاید دن رات میں ایک لمحے کے لیے موت کا بھی خیال نہیں کرتے اور بعض شاید کوئی منٹ موت کے خیال سے خالی نہ ہو۔ خلیفہ عمرؓ بن عبد العزیز کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے گھر میں ایک سرداب کھدوا رکھا تھا۔ سلطنت کے مشاغل سے فارغ ہو کر بالائزہم ہر روز کچھ دیر کے لیے موت کا خیال تازہ رکھنے کی غرض سے سردابے میں جا کر بیٹھتے۔ زیارت قبور کی بھی غرض یہی ہے کہ قبروں کو دیکھ کر آدمی موت کو یاد کرے اور سمجھے کہ ایک ایک ان نہری بھی اپنی نوبت ہوتی ہے لیکن آدمی ایسا بے حیا ہے کہ عبرت کی جگہ بزرگوں کے مزاروں پر سیلوں کے جگمگے ہوتے ہیں یا خدا سے حق و قیوم کی عوض طلب مزدوروں کی پرستش کی جاتی ہے۔ قبر پر تو قبریں ہم نے تو لوگوں کے بنانے کے ساتھ دیکھا ہے کہ کچھ تو بچ میں ہیں اس سلسلے کی میت مرجانے سے ان کی کچھ غرضیں فانی ہوتی ہیں، کچھ تقسیم تر کر دیا اور غم غمی کی پوچھ میں ہیں، کچھ الہائے آسمان کے لیے ساتھ ہوئے ہیں کہ کل کلاں کوئی یہ نہ کہہ بیٹھے کہ اتنا تو بیکار شہر ایسی محبت ملاقات چار قدم میت کو کندھا لگاتے یا مٹی دیتے نہ بن پڑا کیا مضافۃً جینا مرنا بھی کے ساتھ ہو سکتا ساتھ پیڑ بھڑکتا تو

بغیر کچھ ہرگز دلوں کو ٹولو تو کسی ایک کو بھی اس خیال نہیں کہ یہ ہوا تو کیا ہو کہ ہم ہی جیسا ایک آدمی سمجھتے
یا ایک پھونک نکل گئی تو کچھ نہ تھا۔ اور یہ منزل ہم سب کو پیش ہے، ہمیں معلوم کرنا وقت بلاوائے اور سارا
ڈھوڑا دھرا کا دھرا رہ جائے۔ بعینہ یہی حال ہے خدا کی معرفت کا کہ اس انکار تو ہمیں ہو سکتا کیونکہ انسان
کی بناوٹ ہی اس قسم کی توقع ہونی کہ خدا کو فائدہ نہ ہو اور اس چارہ ہی نہیں مگر بعض تو ایسا ماننا مانتے ہیں کہ
گو یا خدا کو انکھوس دیکھ سکتے ہیں اور بعض اس حد نہیں ٹھٹھکایا کرتے نہیں بن پڑتا اور ان دو حدوں کے
درمیان بے شمار درج ہیں۔ کوئی ہر وقت مستغرق کوئی اس کلم کوئی اس بھی کلم یہاں تک کہ کوئی پاگل کے قد
سوال خدا کے مانتے سے اس کا نہ ماننا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جب ہم کو ایسا خدا ماننا پڑتا ہے جو
آپسے آپ موجود ہوگی ہر تو کیوں ہم دنیا ہی کو مان لیں کہ وہ آپسے آپ موجود ہو گئی ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض ہے انسان کے دل کی بناوٹ پر کہ کیوں دُنیا کے آپسے آپ موجود ہو جائے تو قبول
نہیں کرتا اور کیوں خدا کے مانتے سے اس کی تسکین ہو جاتی ہے۔

سوال۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرد بشر خدا سے منکر نہیں اور منکر ہو نہیں سکتا پھر مشرک اور بت پرست
اور دہریئے یہ کیا ہیں ؟

جواب۔ بے شک جس طرح کوئی آدمی جانور نہیں ہو سکتا، درخت نہیں ہو سکتا، پتھر نہیں ہو سکتا۔
اسی طرح کوئی آدمی خدا سے منکر بھی نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہونا اور خدا کا قائل ہونا لازم ملزوم میں جب تک
آدمی آدمی ہے وہ خدا کا بھی ضرور قائل ہو ایسا ہو نہیں سکتا کہ آدمی ہو اور خدا کا قائل نہ ہو تو مشرکوں
کو منکر خدا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں اور مشرک کئی خدا کے قائل ہیں تو ان کو منکر خدا
کیوں کہ کہا جا سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگ خدا کا مفہول قرار دینے میں ورائس کی صفات میں غلطیاں
کرتے ہیں۔ چاہیے خدا سمجھنا کسی کو اور سمجھ لیتے ہیں کسی کو۔ چاہیے سمجھنا کیسا اور سمجھ لیتے ہیں کیسا۔
اسی وجہ سے وہ منکر خدا سمجھ جاتے ہیں۔ اور ایک اعتبار سے الزام ہو بھی و اجبی۔

سوال آپ کو معلوم نہیں ہزاروں آدمی ہیں جو سرے سے خدا ہی کے قائل نہیں۔

جواب مجھ کو معلوم نہ ہو مگر جتنے لوگوں کو منکر خدا خیال کیا جاتا ہو ان میں سچے ایک بھی ممکن ہے منکر خدا نکلے گا۔ ان میں بہت سے ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو سرے سے اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے وہ کھانے پیتے سو رہتے اور جانوروں کی طرح اپنی زندگی کے دن تیر کر دیتے ہیں ان میں بہت ایسے لوگوں کو گن لیا جاتا ہے جو اس سبب کہ انہوں نے سچے طرح غور نہیں کیا خدا کے بارے میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں۔ اور بڑی بات یہ کہ لوگ خدا کے حکم کی وجہ بھی نہ پاتے اور نہ کبھی کرتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص معاذ اللہ منکر خدا ہو یا اس کی جناب میں ستائشی کہے یا اس کی حکم مانے تو دنیا میں اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ نہ اس پر سختی کرتی، نہ وہ بیضہ کر کے مرنے، نہ اس کے گھر میں آگ لگتی۔ اسے اور بھی مغالطہ واقع ہوتا ہے اور کوئی کوئی مالا لاق خدا کے ساتھ کھیل کرنے لگتے ہیں لیکن یہ اُن کا خلع نفس ہے جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو خدا کے آگے کڑا کر دے لگتے اور اسی فطرت کھل پڑتی ہے فرعون پر کیا گزری تھی وہ دنیاوی خوش حالی کے غرے میں لکیر ہوئی علیہ السلام کی تصدیق ہی تئیں خدا کہتا رہا جبکہ ٹوٹے اور اپنی دماغی اس پر ثابت ہوئی تو چاروں جانب سے خدا کا اقرار کرنا پڑا اور بول اٹھا امنت ان لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین اور اپنے حواری پر کیا موقوف ہوئے حضرت عباسؓ نے خود فرعون پر اگر سچے اور سچے چنانچہ انسان کی طبیعت کو خداتہ بہر کوں جان سکتا ہے تو تصنیف تصنیف نیکو کندریاں وہ ان کے بارے میں فرماتا ہے اور یہی مضمون دوسرے مفسرین پر بھی کئی جگہ قرآن میں آیا ہے حتیٰ اذ الکنزہ فی الفلک وجبرین اہم لہ ابجد کو بھی یقین ہو گیا کہ جس خدا پر یہ اسرار نازل ہوئے ہیں وہی خدا ہے اور اب میں بھی اسی کو مانتا ہوں لہٰذا یہاں تک جب تم ناؤ میں بیٹے ہو اور وہ لوگوں کو یا دوافق کے ساتھ لے کر روانہ ہوتی ہو اور لوگ خوش ہوں میں یہاں تک اٹا کہ جھوٹا ناؤ ہو اور لوگ لہر پر تے لگی ہوں اور خیال مینا ہو کہ اب تو گھبرائے تو خداتہ بڑے خلوص ساتھ دعا میں لگتے ہیں کہ اگر تم کو اس سے نجات ہو تو تم میرا لہا لٹاؤ میں بھی جب خدا ان کو نجات دے گا تو وہ خوش ہو گا میں بھی خوش ہو گا اور حق ناروا بتاؤ کرے لگتے ہیں۔ گو یہ بتاؤ تم سے حق میں ضرر و نقصان کی زندگی میں اس کا فائدہ اٹھاؤ پھر تم کو ہمارے پاس لوٹ کرنا ہو تو تم کو بتاؤ میں تم کو بتاؤ میں کیا کرتوت کرتے رہے ہو۔

بریح طیبیۃ و فرحوا بہا جاء تہا ریح عاصف جاء ہما الموح من کل مکان و ظنوا انہم لایط بہم
 دعوا اللہ فخلصین لہ الذین لئن انجیننا من ہذا لکنون من الشاکرین فلما انجاہم
 اذہم یغفون فی الارض بغير الحق یا ایہا الناس انما انبغیکم علی انفسکم فمناجیۃ الحیوۃ الدنیآ
 اتم الینا مرجعکم فنبئکم بما کنتم تعملون سنتے ہیں کہ جو مجرم بڑے چالاک اور سیانے ہوتے ہیں
 ان کو شراب پلا دیتے ہیں کہ عقل فساو پر سے ان کا اختیار اٹھ جائے اور وہ نشے کی حالت میں سارا کچا حال
 ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ تو جو شخص خدا سے انکار کرنے کا مجرم ہو اُس کی شراب ہو مصیبت کہ جب مصیبت
 پڑے گی اور اس کو اپنا عجز معلوم ہو گا ممکن نہیں کہ وہ قرار نہ کرنے لگے۔ اور یہ شراب کسی کو زندگی میں نہ
 پلائی گئی تو مرتے وقت ضرور پلائی جائے گی۔ دعوات سکوت الموت بالحق تو ایسا انکار کیا سند ہو سکتا ہو
 مصیبت پٹے اور خداوند آئے تو جانیں۔ اور یہی تو حکمت ہے کہ بزرگانِ دین نے تکلیف واریز اور تنگدلی میں
 رہتے ہو بس نہ کیا۔ جو کلاس بہتر کوئی تازیانہ غفلت ہو نہیں سکتا۔ آدمی ہو اور خدا سے منکر ہو ایسا ہر جیسے
 پتھر ہو اور اوپر سے گرایا جائے اور زمین پر نہ گرے۔

سوال۔ اگر آدمی منکر خدا ہو نہیں سکتا تو پھر شرک کیسے پرستی پر تاسو شوغب کیوں اور قیغ غیغ غضب کیسے
 جواب۔ بس یہی بی اے پاس کیا کر لیا کہ صاوق جھینپی۔ مگر صاوق نے کہا میں جانتا ہوں کہ یہ
 تم نہیں کہہ رہیں بلکہ دوسرے کہنے کی نقل کر رہی ہو بے شک سچے تامل ہے لفظ لکھو جو ان کے منہ سے نکلے
 اور جب میں برسرِ غلط ہوں تو ان بزرگ کو یہ اور اس زیادہ کہنے کا حق ہو تو صاوقہ ذری کی ذری
 رگ کر لکھ چلی، میں کہہ چکا ہوں کہ میں بت پرستوں اور مشرکوں کو منکر خدا نہیں سمجھتا۔ اس عقیدے
 کے لوگ خدا کو تو مانتے ہیں مگر خدائی کے مصداق کی تعین میں غلطی کرتے ہیں۔

سوال۔ اچھا پھر اس میں خدا کا کیا ججے ہو۔

جواب۔ خدا کا تو ذاتی کچھ بھی جج نہیں۔ اگر ساری دنیا اس مخرف ہو بیٹھے اور اس کی خدائی کی

قابل نہ ہو تو بھی وہ خدا ہے، اور تو بھی وہ دنیا جہان کا خالق ہے اور تو بھی وہ دنیا جہان کا پروردگار ہے اور تو بھی وہ عظیم ہے، اور تو بھی وہ قادر ہے مثلاً روز روشن میں قناب پڑا چمک رہا ہو اگر ساری دنیا آفتاب سے آنکھیں موندے اور کہے کہ آفتاب نہیں، وہ یہ روشنی آپسے آپ ہو رہی ہو یا آفتاب کے سوائے کسی اور چیز کی ہو تاہم آفتاب آفتاب ہو۔ مگر ماں ہم جو چیز بتاتے ہیں ہر ایک چیز کی کوئی نہ کوئی غرض غایت ہوتی ہے مکان بناتے ہیں، بنے کے لیے، کپڑا بناتے ہیں ستر عورت اور سردی گرمی سے بچنے کے لیے، اسی طرح خدا نے جو ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات دنیا میں پیدا کی ہر ایک مخلوق کے پیدا کرنے کی کوئی غرض غایت ضرور ہے جو بعض مخلوقات کی بعض اغراض کو انسان سمجھتا بھی ہے اور اکثر کو نہیں سمجھتا شاید آگے کو سمجھے یا نہ سمجھے اور دنیا جو ترقی کر رہی ہے، نئے نئے علوم ایجاد کرتے چلے جا رہے ہیں، نئے نئے فنون نئی نئی کلیں نئی نئی صنعتیں اس کے معنی بھی یہ ہیں کہ آدمی مخلوقات عالم کی اغراض غایات سے افسینت پیدا کرتا ہے، اجارہ ہے، معلوم نہیں خدا کو اس حد تک انسان کا واقف کرنا منظور ہے انسان نے سٹیم (بھاپ)، اور الیکٹریٹی (قوت برقی)، اور چیزوں کے کیمیائی خواص اور کیا اور کیا معلوم کر کے اپنے کتنے کام نکالے ہیں۔ اور کیا سب فی ہم مسلمانوں کی طرح جاہل اور بلیصیب ہیں۔ بالکل سچ کو دیکھو کہ ہم کو ان کے مقابلے میں اپنے تئیں جانور کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہو کیا کچھ کر گزرتے اور کیا کچھ کر رہے ہیں اور کیا کچھ آگے کو نہ کر سکتے۔ تو خدا نے جو انسان کو ایک خاص طرح کا مخلوق بنایا ہے اس کو عقل دی اس عقل کی بھی غرض غایت ہونی ضرور ہے اور وہ نہیں، مگر علم یعنی اپنے تئیں جاننا اور اپنے سوائے اور چیزوں کو جاننا کیوں کہ اگر وہ جانے گا نہیں دنیا میں اپنے اختیارات کیوں کر عمل میں لائے گا، دنیا کی چیزوں میں تصرفات شرف الخلوقات کس طرح بنے گا، خلافت الہی کا بار کس نے پر اٹھائے گا، پس علم انسانی کی سچہ یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں جاننے اور اپنے تئیں جاننا تو خدا کو جاننا میں صرف نفسہ عقداً صرف ذریعہ تو جس مصلحت خدا نے انسان کو پیدا کیا، جس مصلحت اس کو عقل دی، اسی مصلحت خدا یہ بھی چاہتا ہے کہ انسان اپنے تئیں جانے اور اپنے تئیں جانے کا تو خدا کو جاننے کا پر جانے گا۔ اگر انسان کے پیدا کرنے سے خدا کا کچھ حج تھا تو انسان کے اپنے تئیں

نہ جلتے یعنی خدا کو نہ جاننے سے بھی اس کا حرج ہو تو اس میں قباحت کیا ہو خدا کو جاننا شرط انسانیت ہو۔ اگر انسان نے اتنی موٹی بات بھی نہ جانی کہ میں اپنے اعضاء سے بیدار نہیں ہو گیا، اپنے اعضاء سے زندہ نہیں ہوں، اپنے اعضاء سے مرد ہو گیا نہیں، اس کے لیے سوچنا چاہیے کہ میں ہی تو اسے جانا ہی کیا اور وہ جانے ہی کا کیا ہا، یعنی خدا نے اس کو بنایا انسان اور اسے بننا چاہا جانور اور جانوروں میں اس کا گھبراہٹ اور گھمبیر بھی بدتر و غرض جس طرح خدا نے انسان کو انسان بنایا اس کو آنکھ دی کہ دیکھے، کان دیے کہ سنے، ناک دی کہ سونگھے، زبان دی کہ مزہ لے، بولے یا یہی طرح خدا نے انسان کو عقل دی کہ اس سے کام لے اور عقل کا پہلا کام ہو کہ خدا کو پہچانے پس اگر خدا انسان چاہتا ہو کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے تو وہ حقیقت میں اپنے حکم کی تعمیل چاہتا ہو کہ میں اس کو انسان بنایا، یہ انسان بنے مسئلہ ہو ذرا نازک، بہت غور کرنے سے ذہن نشین ہوتا ہو تبین باتیں ہیں، خدا کو نہ ماننا خدا سے غافل ہونا خدا کے صدق کی تعین میں غلطی کرنا۔ میرے نزدیک پہلی قسم بحث سے خارج ہو، یعنی ممکن نہیں کہ آدمی خدا کا قائل نہ ہو جیسے ممکن نہیں کہ آنکھ صحیح و سالم ہو اور نہ دیکھے، کان صحیح و سالم ہوں اور نہ سنے۔ ہاں دوسری قسم میں کثیر الوقوع میں یعنی لوگ اکثر خدا سے غافل ہیں اور صدق خدا کی تعین میں غلطی کرتے ہیں بلکہ صدق خدا کی تعین میں غلطی کرنا یہ بھی ایک طرح کی غفلت ہی ہو۔ ذرا بھی تامل کو کام میں لاؤ تو اس غلطی کی اصلاح ہو جاتی ہو اور دل بولنے لگتا ہو کہ یہ عرصہ یا جہل یا غفلت، یہ غمیر یا بزرگان دین، یہ قریب یا بیت یعنی خدا کے سونے جتنی چیزیں ہیں ان میں کسی کو خدا بننے کی صلاحیت نہیں ہو کہ وہ ہو تو، فطرت اللہ ہو تو، انسان کی خلص طور کی بناوٹ سمجھو تو، بات ایک ہی ہو۔ وہ جو تنکے کی الجھل پہاڑ بنا ہو بس ہی حال دیر کل ہو۔ لوگوں نے بات کا بٹنگر بنا رکھا ہو، ہو پہلے کچھ بھی نہیں، اگر دو دو کا چار ماننا چاہو تسلیم کرنا چاہو سمجھنا انسان کے لیے کوئی تعریف کی بات ہو تو یہ شک اس کل خدا کو ماننا خدا کو تسلیم کرنا خدا کو پہچاننا بھی تعریف کی بات ہوئی چاہیے۔ خدا کو ماننا تسلیم کرنا پہچاننا تو تعریف کی بات نہیں ہاں ماننا تسلیم کرنا پہچاننا یعنی

براہمت کا انکار البتہ الزام کی بات ہے، غرض آدمی منکر خدا تو ہو نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ دیوانہ اور سلوب العقل ہو اور دیوانہ و سلوب العقل ہوا تو وہ بے چارہ معذور و مرفوع القلم ہے۔ ہاں انسان سے خدا کے بارے میں غفلت ہو سکتی، خدا کی مصداق کی تعین میں غلطی ہو سکتی اور ہو سکتی کیا کثرت سے ہوتی ہو۔ اور اسی غفلت کے دفعیے اور اسی غلطی کی اصلاح کے لیے پیغمبر کے آنے کی ضرورت تھی اور وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے۔

سوال۔ اگر یہی دین ہو تو کچھ بھی نہیں۔

جواب۔ دین یہی ہے اور یہی بہت کچھ ہے اور یہی سب کچھ ہے۔

سوال۔ ہر ملک اور ہر زبان کے کتب خانوں میں دینی کتابوں کے انبار کے انبار لگے پڑے ہیں تو آپ کے نزدیک یہ سب فضول ہے اور اختلاف دین نے جو دنیا میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے کہ آدمی آدمی کو کھائے جاتا ہو۔ یہ سب بے اصل محض ہے۔

عقل انسان کی نارسائی

جواب۔ سنا صاحب اس طرح کی پریشان گفتگو سے تو کچھ ہونا ہونا نہیں۔ پہلے پہلے آپ کے درمیان دو باتوں کا قرار دیا ہو جائے۔ اول یہ کہ انسان کی عقل اور اس کے علم کو آپ محدود سمجھتے ہیں یا نہیں

سوال۔ ذرا اس کی تصریح کیجئے

جواب۔ میرا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو انسان کو علم دیا ہے اور علم حاصل کرنے کے لیے اس کو عقل عطا فرمائی ہے یا یوں بھی نہ ہی کہ خدا نے دیا ہے اور خدا نے عطا فرمائی ہے بلکہ انسان جو عقل رکھتا ہے کیا وہ اس درجے کی قوت ہے کہ ہر ایک بات کی اور ہر ایک چیز کی کُنہ کو دریافت کر سکتی اور اس کا علم جامع اور شامل اور کامل ہے اور کوئی چیز کوئی واقعہ انسان کی عقل کی گرفت سے خارج نہیں۔

سوال۔ چونکہ زمانہ روز بروز ترقی کرتا اور نئے نئے علوم نئے نئے فنون ایجاد ہوتے چلا جاتے ہیں عقل انسان کے لیے کسی حد کا قرار دینا مشکل ہے۔

آشنائش کے لیے سجایا گیا ہوسہ

جو خانہ ہستی میں ہر انسان کے لیے ہو آراستہ یہ گھر اُسی مہماں کے لیے ہو
 یہ مخدوم ہو اور ہوا اور بانی اور حیوانات اور نباتات غرض نیا اور جوئے دنیا میں ہر سب اس کی خادم۔
 اس کی ساخت۔ اس کی صورت۔ دلالت کرتی ہو کہ یہ گھر ہوا اور دوسری مخلوقات امور پر اپنے زمین کا
 بادشاہ ہو اور دوسری مخلوقات اس کی رعایا۔ دیکھتے نہیں کہ دوسرے جانور سرنگوں ہتے ہیں
 اور یہ سر بلند۔ یہ سب کچھ ہو مگر کچھ بھی عاجز و ناتواں ہو حکومت ہو گھر کے دن کی ہو شب کی ہو۔ دود
 کی کوتوالی اور پھر وہی گھر پاؤں اور جالی سارا کھیل ہو گا کہ پھونک نکلی اور وہی ٹٹی کی مٹی دھوکے اڑی لڑی
 ہونے کو دیکھو اور پھر انسان کی ہستی پر نظر کرو تو اس کی ہستی محض نمود بے بود علوم ہوتی ہو قطعہ

ایسی ہستی عدم میں داخل ہو نے جو ان ہم نہ طفل شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود بود اپنی یا سفیدی کی یا خیر ہوئے

یعنی مانند صبح دنیا میں ہم جو پیدا ہوئے تو یہ ہوئے

اور پھر مختصر ہو تو خیر ہونے کے ساتھ بے نبات، غیر متیقن اور انسان کے اختیار سے خارج۔ یہ ہو وہ ہستی جس پر
 ہم لوگ بھولے اور بھولے پھرتے ہیں۔ بات تو یہ ایسی صاف ہو کوئی حق سے حق اور ہٹا ہر مہم سے
 ہٹا ہر مہم بھی اس انکار نہیں کر سکتا مگر صرف انکار نہ کرنے سے کام نہیں چلتا۔ اس خیال کے سچ سچ کر
 ایسا راسخ کرنا چاہیئے کہ ہر وقت نہیں تو اکثر اوقات پیش نظر ہے دنیا کے واقعات اپنے طور پر ہوتے
 رہتے ہیں ہم ان میں یا نہ مافین تسلیم کریں یا نہ کریں سمجھیں یا نہ سمجھیں جتنا غور کر لے پناؤ زندہ اور بے حقیقت
 اور ناجیز ہونا ہم پر کھلتا چلا جائے گا۔ واقعات نفس الامری کے تسلیم کرنے کے سوائے دین ہم سے کچھ
 اور نہیں چاہتا۔ دین کا لب لباب یہ ہو کہ ہم کو آدمی بنایا گیا ہو اور ہم آدمی بن کر دنیا میں رہیں۔
 سوال۔ آپ تو کچھ اس طرح کی تقریر کرتے ہیں کہ شکر کو اور غناضات کے پہلو ہی پر نہیں آنا چاہتے۔

جواب۔ میں تمہارے شکوک اعتراضات کے پہلو پر نہیں آنا چاہتا۔ یا تم شرک و عنقرض کی گنجائش نہیں پاتے؟
بھلا اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس میں کوئی بات تم کو تسلیم نہ ہو تو بیان کرو کہ میں تمہارا شک دفع کروں۔

دینی خیالات کا سلسلہ

سوال۔ میں تو یوں چلنا چاہتا ہوں کہ دین ہو کیا چیز؟

جواب۔ اگرچہ میں اس کا جواب دے چکا ہوں مگر خیر کچھ یہی۔ انسان کا جہاں تک اس کی عقل کی رسائی ہو اپنی حقیقت کو جاننا اسی کا نام دین ہے۔

سوال۔ اور اگر نہ جانے؟

جواب۔ نہ جانے کیا؟ یعنی اس میں جاننے کی صلاحیت نہ ہو یا صلاحیت ہو اور جاننا نہ چاہے۔ اگر جاننے کی صلاحیت ہی نہیں تو وہ بے چارہ مرفوع اقلیم ہو اور اس سبب نہیں ہو کہ اگر جاننے کی صلاحیت ہو اور جاننا نہیں چاہتا تو اس کی مثال ایسی ہو کہ انگلیں ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر اس نہ دیکھنے سے دنیا تو تار یک نہیں ہوتی جاتی۔ اور ایسی بے پیغمبر بھیجے گئے ہیں جن کو انکھیں دی گئی ہیں پیغمبران کو دکھائیں اور انکھیں

سوال۔ یہ تو اچھا دین ہے جس میں خدا رسول کا نام نہ نہیں!

جواب۔ یہ تمہاری سمجھ کا بیہرہ ہے۔ جب آدمی نے اپنی حقیقت کو جاننا اس خدا اور رسول اور خدا رسول کے احکام اور شریعت اور عاقبت غرض دین کی سب باتوں کو جاننا اس عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے یہی معنی ہیں اپنی حقیقت کو جاننا دین کا ایسا جامع خلاصہ ہے کہ اس سے جملہ ترک کوئی خلاصہ ہو نہیں سکتا۔ اور باقی جو کچھ کتابوں میں اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اور لوگوں کے سونہوں میں ہے سب اس خلاصہ کی تفصیل ہے۔

سوال۔ میں نہیں سمجھتا کہ خود شناسی کو خدا شناسی اور دین داری سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

جواب۔ خدا شناسی اور دین داری ضروری نتیجہ ہی خود شناسی کا۔

سوال۔ یہ کیوں کر؟

جواب۔ ہاں یہ اس طرح پرک آدمی اپنے تئیں جانے کا تو وہ اپنے میں در دوسری مخلوقات میں فرق بھی کرے گا۔ وہ دیکھے گا کہ دنیا میں ادنیٰ درجے کی مخلوقات جمادات میں اچھاں بڑے ہیں بڑے ہیں انسان میں نہ بالیدگی ہو نہ حرکت ہو نہ کسی طرح کا احساس ہو اور نہ اپنا مثل اپنا قائم مقام پیدا کرنے کی صلاحیت۔ ان سے اونچے درجے پر نباتات ہیں کہ وہ از خود ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو نہیں جاسکتے مگر ان میں نمو ہونا مثل پیدا کرنے کی صلاحیت ہو اور احساس بھی ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان میں بھی کسی قسم کی جان ہو۔ ان سے اوپر چلو تو حیوانات ہیں کہ نمو اور اپنا مثل پیدا کرنے کی صلاحیت کے علاوہ اپنے ارادے سے چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا احساس بھی نباتات کے احساس سے اعلیٰ درجے کا ہے یہاں تک کہ ان کے اشارے معلوم ہوتا ہو کہ ان میں بھی ایک طرح کی غفل ہو جس کے اول در فضل درجہ حضرت انسان کا ہو جسمانی بناوٹ پر نظر کرو تو جانوروں سے بھی گئے گزے ہوئے۔ زور میں انسانی میں ہستی میں جالا کی ہیں بلکہ احساس میں بھی مگر ایک عقل پاک ہے جس نے تمام نئے زمین پر اپنا سک بٹھا رکھا ہو۔ اب میں پوچھتا ہوں لاس لفظ پر صادقہ ذرا کی ذرا جھکی کہ جتنی مخلوقات ہم دیکھتے اور جانتے ہیں ان میں سے کوئی خدا ہوتا تو کون ہوتا؟

سوال۔ خدا ہوتا ہی کیوں؟

جواب۔ تم تو لگے پھر ساری بحث کو دوہرانے۔

سوال۔ ہاں میں دوہراتا ہوں اس غرض سے کہ ہر پہلو سے سمجھ لوں۔

جواب۔ بہت منطقی احتمالات نکالنے کی جگہ نہیں ہو سمجھنا چاہو تو سیدھی سی بات ہو نہیں معلوم کہ خدا ہو یا نہیں ابھی اس کے پہلے دو دینا تو ہو اور ہم بھی ہیں۔ انکھیں ہیں جن دیکھتے اور عقل ہو جس سمجھتے ہیں اس کے کہ دنیا آپس آپ بن گئی ہو ہمارا دل نہیں ہٹسکتا اور خواہی شوخواہی عقل تقاضا کرتی ہو کہ اس عظیم شان کا رخانے کا بنانے والا کوئی نہ کوئی تو ہو۔ اور تو اسی کا رخانے کا انتظام دلالت کرتا ہو کہ وہ علیم ہو، قدیر ہو، حکیم ہو، یعنی مجموعہ تمام صفات کمال ہو۔ لیکن جن چیزوں کو ہم دیکھتے اور جانتے ہیں ان میں سے

اگر ایسا کوئی ہوتا تو ہم میں کوئی ہوتا لیکن ہم کو اپنی حقیقت تو معلوم ہے کہ باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے عاجز و بے اختیار ہیں۔ پس چاروں اچار ماننا پڑتا ہے کہ مخلوق عالم ایک ہستی ہے جس کو نہ تم کچھ نہ مجھ کچھ کہتے اور اس کی حقیقت کو بزور عقل دریافت کر سکتے ہیں بس خدا شاکہ کے بارے میں انسان کی پروا نہیں نکلتی۔ اس سے زیادہ اس کے جانا اور نہ اس زندگی میں اس سے زیادہ جان سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ جاننے کی کوشش کرنا سعی لاجس بلکہ ممنوع ہے۔ چنانچہ خدا نے قرآن میں صاف صاف فرمادیا کہ لا تقف ما لیس لك به علم جس چیز کا علم تم کو نہیں دیا گیا یعنی جس چیز کے جاننے اور معلوم کرنے کی تم کو جلتا ہی نہیں دی گئی اس کے پیچھے نہ بڑا کرو اور سمجھ لو کہ وہ چیز تمہارے بس کی نہیں۔ تو اس کے پیچھے بڑھنا حق اپنے ایمان کو ڈانوا ڈول کرنا ہے۔ مگر انسان حریص عاماً منع انسان کا طرز مزاج ہی کچھ اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ جس بات سے منع کرو وہ ادا کر لے کرنا چاہتا ہے۔ کچھ تو اس کے مزاج میں خود سری ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی کا محکوم ہو کر رہے۔ اور کچھ یہ بھی ہے کہ دیکھیں خلاف حکم کرنے میں ہونا کیا ہے آدم کی یہی رکان تو شیطان کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس نے آدم کو پہلا پھل لگا کر کھانے پر آمادہ کیا جس کی خفائی آدم کو سخت منہا ہی کی تھی۔ آدمی کے بچوں ہی کو دیکھو کیسے چلیے اور بے چین ہوتے ہیں۔ کتنا ہی منع کرو کسی چیز کو چھیڑے بدون نہیں سہتے۔ وہ چیزوں کو توڑتے پھوڑتے اور اگر شاپے تیں نقصان پہنچا لیتے ہیں مگر باز نہیں آتے۔ خدا کے ساتھ ہی انسان کا یہی معاملہ ہے وہ جانتا ہے کہ خدا ہو۔ عادت کے مطابق اس سے صبر نہیں ہو سکتا اور چاہتا ہے کہ اور چیزوں کی طرح خدا کو بھی جان لوں گا تو اور چیزوں کی طرح کا نہیں ہو سکتا۔

سوال۔ بس اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو اور وہ سر سے خدا کو جانے اور ماننے ہی نہیں تو اس میں جج کی کیا بات ہے۔

جواب۔ اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ تم نہ بغیر مومنہ محاسب اور نہ دُنیا کے ٹھیکہ دار تم کو دوسرے لوگوں کے جلنے نہ جاننے، ماننے نہ ماننے سے کیا سروکار ہے وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ تم اپنی کہو کہ

تم جانتے اور مانتے ہو یا نہیں۔ دوسرے کہنا کہ کسی آدمی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہو وہ سر سے خدا کو جانے اور ماننے ہی نہیں، فرض غلط ہے۔ نہ ہوا ہو اور نہ ہو سکتا ہو کہ آدمی ہوا اور خدا کو نہ جانے اور نہ مانے۔ آدمی ہونا اور خدا کو جاننا ماننا لازم و ملزوم ہیں۔ ہاں جاننے ماننے میں فرق ہے۔ کوئی تو اس طرح کا جاننا ماننا جانتا ماننا ہو کہ ہر چیز میں اُس کو خدا ہی خدا دکھائی دیتا ہو۔

ہر جہ آید در نظر غیر تو نیست یا توئی یا خوے تو یا بوئے تو

اور کوئی اس طرح کا جاننا ماننا جانتا ماننا ہو کہ نصیبت پڑے پر اس کو خیال جاتا ہو۔ کوئی ہمہ وقت اُس کی یاد گاری میں لگا ہو۔ کوئی اسے کم۔ کوئی اس سے کم۔ یہاں تک کہ کوئی خدا کا بندہ ایسا بھی ہو کہ اُسے شاید ساری عمر میں گنتی کی دفعہ اُس کو یاد کیا ہو گا۔ مگر کیا ہو گا ضرور دلائلِ آخرت اکبر و جاتِ واکبر تفضیلا کے ہی تو معنی ہیں۔

سوال۔ اگر انسان خدا کے جاننے ماننے پر مجبور ہو تو دین کا اتنا سارا غل غپٹا رکیوں ہو؟
جواب۔ غل غپٹا نہیں ہو، اس لیے کہ آدمی خدا کا قائل نہیں بلکہ اس لیے کہ عالمِ سبب میں رہنے کی وجہ سے خدا کے مصداق کی تعیین میں غلطی کرتا ہو اور اس لیے کہ خدا کی یاد گاری اُس حد تک نہیں کرتا جس حد تک اُس کی یاد گاری کی ضرورت ہو۔

مذہب کی ضرورت

سوال۔ ضرورت کس کو ہو یا دکر نے ملے کو یا خدا کو؟

جواب۔ خدا کو کیوں ضرورت ہونے لگی؟ اُس کی ذاتِ توحیدے نیاز ہو ضرورت ہو یا کہنے ملے کو، ضرورت ہو یا نہ ہو۔
سوال۔ اسی ضرورت کو تو میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب۔ بات یہ ہو کہ دنیا کو ایک طرح کی مشین (کلن) سمجھو اور خدا کو بلا تشبیہ اس کا انجینئر کہ اسی نے وہ مشین ایجاد کی، بنائی اور وہی اُس کو چلا رہا ہو۔ موجوداتِ عالم اس مشین کے پیرزے اور ساز و سامان ہیں۔

دنیا کی مشین کے پرنڈوں میں آدمی بڑا ضروری اور چلتا ہوا پرنڈہ ہی نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل آپے آپ پڑی چل رہی ہو اور پرنڈے از خود اپنا کام مے ہے ہیں اور انجنیر کوئی چیز نہیں اور نہ اُس کو کل میں کسی طرح کا دخل ہو۔ لیکن واقع میں انجنیر ہی سب کچھ ہوا اور وہ نہ ہو تو ساری کل مینڈ اور بیکار مشینیں ہیں بہت آدمی لگے ہیں مگر انجنیر کے سوائے کسی کو اتنا سلیقہ نہیں کہ ایک پیچ ڈھیلا پڑ جائے تو اسے کس کس کر کل کو چلتا کرے۔ آدمی جس کو ہم نے دنیا کی مشین کا ضروری اور چلتا ہوا پرنڈہ قرار دیا ہے، ضروری اور چلتا ہوا ہونے کے علاوہ خطرناک بھی ہے کہ گہرے تو دوسرے پرنڈوں کی نقصان پہنچائے اور اُس کو چلتا ہوا رکھنے کے لیے ایک خاص طرح کے آئل ذیل کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بدون وہ کام نہیں مے سکتا۔ یہ آئل ہی یاد آئی بہت لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ وقت کا حاکم آدمیوں کی درست رکھتا ہے۔ وہ ان کو چوری نہیں کرنے دیتا، خوں ریزی نہیں کرنے دیتا، فساد نہیں کرنے دیتا، آپس میں لڑنے جھگڑنے نہیں دیتا، ورنہ دنیا میں ایک کو ایک بسنے دے۔ یہی حاکم وقت کو بھی امن کے قائم رکھنے میں بڑا دخل ہے۔ مگر حاکم وقت کہاں ہے؟ یہاں ربط و ضبط بٹھا سکتا ہے، مثلاً یہ تمہاری دلی ووپو نے دولاکھ کی بستی ہے حاکم وقت بہت کرے گا بہت کرے گا فرض کرو سٹبل چونکدار فسطیحت بیابے سوار سب مل کر پانچ ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کرے گا حال اُن کاتنوں کی بھی گنجائش نہیں۔ اول تو ان ہی پانچ ہزار کا بھلو نہیں یہ بھی تو آخر آدمی ہیں بلکہ بعض اوقات تو پولیس والوں کی ایسی شکایتیں سنی جاتی ہیں کہ امن قائم رکھنے کے عوض یہی لوگ خرابیوں کی باعث ہونے، پجوریاں کرتے، مجرموں کی سازشیں رکھتے اور طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں لیکن فرض کرو کہ یہ پانچ ہزار کے پانچ ہزار بھلے آدمی اور نمک حلال بھی ہوں تو دوپولاکھ پر ہر وقت اُن کی گرفت کیا۔ زمانہ خالوں میں ان کی رسائی نہیں، شہر میں ہزار پیچ در پیچ گلیاں ہیں کہ دن دہائے لوٹ لو تو کسی کو کافوں کان خیر نہ ہونہ کہ اندھیری رات اور جھاوٹ بھی برس باہو تو ایسے مواقع پر پولیس کی کیا پیری چلے پس ہونہ ہو یا امن جو دنیا میں قائم ہے کسی اور حکم کا تصرف ہے۔

اور وہ کون ہی؟ خدا جس کے ڈر سے پتا نہیں کھڑے پاتا۔ علاوہ بریں حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد دھمکو
اور مجسربٹ جو چاہے سو بنے مگر وہ بریوٹو کو کس کام کا نہیں۔ حاکم ظاہر دریا کو منہ تھائے دریا پر روکنا
چاہتا ہی اور وہ حاکم حقیقی اس کے منیع پر جہاں دریا کھلا ہی یعنی حاکم ظاہر وقوع جرم کے بعد از ہی جرم اسی
تدبیریں عمل میں لانا ہی کہ عبرت ہو اور ارتکاب جرم پر اقدام نہ کر سکیں اور وہ حاکم حقیقی ارادے کو جو
ارتکاب جرم کا محرک ہو روکنا اور مجرم کے خیال کی اصلاح کرنا ہی جرم ایک درخت کی گندہ خمیت
جس سے ٹپ ہوا خراب ہوتی اور اس کے پھلوں اور پتوں میں سمیت ہی حاکم ظاہر اس کی ٹہنیوں کو کاٹنا چاہتا
رہتا اور اس درخت خمیت کو بڑھنے نہیں دیتا۔ مگر حاکم حقیقی اس کو جڑ سے اکھاڑتا اور معدوم کرتا ہی
اور دونوں کے نتیجوں میں جو فرق ہے شخص سمجھ سکتا ہی۔ خوف خدا نہ ہوتا تو ہم ہی لوگوں کے ہاتھوں نیا
کبھی کی معدوم ہو گئی ہوتی۔ اب سمجھ کہ خدا کو جاننے ماننے کی کیا ضرورت ہے خدا کے جانے مانے بدون نیماں ہی نہیں سکتی
سوال۔ لیکن ہم تو کوئی از غیبی سزا مجرم کو ہوتے نہیں دیکھتے۔

جواب۔ اسی لیے تو خدا کو جاننے ماننے کی زیادہ ضرورت ہے۔ خدائے آدم کی نسل کرے زمین پر
پھیلایا اور آدم کی اولاد نے عقل کے زور سے شکل و رہاڑ اور شکی اور تری سب پر اپنا تسلط بھایا۔
دوسری مخلوقات تاب مقاومت نہ لاکر ان کی زد سے بچتی سرکٹی گئی۔ بعینہ ہی حالت ہوئی جو ہندوؤں
کے اہلی باشندوں کو نڈوں اور پھیلوں کی ہوئی کہ اتر سے اترے آریئے جوں جوں یہ بڑھتے گئے وہ
بے چارے ٹٹے اور ہلتے گئے۔ آدم کی اولاد نے بعض جانوروں کو نو سخر کر لیا جیسا ہاں کو مارا اور کھائے اور
جیسا ہاں سے خدمت لی اور جو فالو میں نہ آ سکے زمین پر سے بھاگ تو نہیں گئے، اور بھاگ کر چلے تو کہاں
جائے، مگر ہمہ وقت آدمی سے خائف انسان کی صورت سے تیراں ساوران کا خوف ہر اس بھی جیسا نہیں
آدمی کا بس چلے تو ان کی نسلوں کو معدوم کرے۔ مگر کوئی بھاگ کر، کوئی اڑ کر اور کوئی اپنے بل بوتے پر بھی
آدمی کی مار سے بچے رہتے ہیں۔ آدمی کیا دوسری ہی مخلوقات کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہیں اس کی طبیعت

ایسی حلص اور خود غرض واقع ہوئی ہو کہ وہ اپنے بنائے جنس کو بھی نہیں دیکھ سکتا اگر ہر ایک آدمی کرنے پائے جو اس کے دل میں آئے تو یہ سب آپس میں کٹ مریں پس ضرورت واقع ہوئی کسی ضابطہ کی جو ان کو روکے غفلت ہے اور وہ ضابطہ ہی حاکم وقت جس کی سزا کے ڈر سے کوئی کسی پر زور نہیں کر سکتا مگر اس کا ربط ضبط اتہ نظام کے لئے کافی نہ تھا تو خدا نے اس نقصان کی تلافی یوں کی کہ ہر ایک فرد بشر کے دل میں خیال ڈال دیا کہ حاکم حقیقی خدا ہے اور وہ بہلائی سے خوش اور بُرائی سے ناراض ہوتا ہے۔ اور اگرچہ وہ اس زندگی میں بھی انسان کو سزا اور جزا کے دینے پر قادر ہو مگر کسی مصلحت سے کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا تو کچھ حج کی بات نہیں کیوں کہ ہر ایک آدمی یقین ہے کہ مرے پیچھے ایک اور طرح کی زندگی شروع ہوگی اور جو کچھ اس دنیا میں کیا ہے بھلایا بُرا اُس زندگی میں اُس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ ان خیالِ خیر و دانِ شرافشرا۔

عاقبت کا یقین انسان کی فطرت میں ہے

سوال - میں سمجھتا ہوں مذہب نے عاقبت کا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔

جواب - اُٹی بات۔ مذہب نے خیالِ عاقبت نہیں بلکہ خیالِ عاقبت مذہب کی پیدا کیا مگر خیالِ عاقبت

نہ ہو تو مذہب کی ضرورت ہی نہیں۔ ایسے لوگ بھی ہو گئے ہیں اور شاید اب بھی ہوں جو عاقبت سے منکر ہیں

تو وہ سوسائٹی کے بڑے خطرناک ممبر ہیں کیوں کہ حاکم ظاہر کے رعب اور کبے سوائے ان پر کوئی روک نہیں

وہ جب موقع پائیں (اور ایسے موقع کا ملنا ہی کیا مشکل ہے) جس کو چاہیں جان مار ڈالیں جس کا چاہیں گھر

لوٹ لیں جس کو چاہیں بے عزت کر دیں، غرض جس کو چاہیں دنیا سے اُجاڑ دیں یہ ایسے ہی لوگ

مقبولہ ہو جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے۔ ان ہی الا حیوتنا الدنیا نموت ونحیی وما نحن لبسوعون

سوال - اگر ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں اور ہیں اور ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ خیالِ عاقبت

انسان کی فطرت میں داخل نہیں فطرت میں داخل ہونا تو کوئی فرد بشر اس سے خالی نہ ہوتا۔

جواب۔ یہ شاید ان کے منہ کی کہن تھی ذلک قولہم باقواھم اور ضعیف اگر انسان ایسی تیری بانیں بکے سکتا ہو مگر موٹی سی موٹی سمجھ کا آدمی بھی تو عاقبت اور نہ صرف عاقبت بلکہ عاقبت کی سزا اور جزا کا یقین رکھتا ہو۔ رہی یہ بات کہ کیوں رکھتا ہو اس کا وہی جواب ہو کہ انسان کے دل کی بناوٹ ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہو۔

سوال۔ پھر دنیا میں جرائم کا انفرادی کیوں نہیں ہو گیا ؟

جواب۔ اس واسطے کہ جس طرح انسانوں کی شکلیں مختلف ہیں کر ایک فٹ سے کچھ کم ہی کم کی کیا تو بساط اور گردوں آدمی روئے زمین پر اب موجود ہیں اور خدا جانے کتنے سنگھ مہانگھ مہانگھ گئے اور گردن پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کب تک پیدا ہونے چلے جائیں گے ہم نے تو دیکھا کیسا سنا بھی نہیں کہ دو آدمی ایک ماں باپ کی اولاد بلکہ تو ام بھی صورت نکل میں شاید بیکر گئے ہوں کہ بچان نہ بڑتے ہوں۔ تو جس طرح آدمیوں کی شکلیں مختلف ہیں اسی طرح بلا کہ اس زیادہ ان کی طبیعت بھی مختلف واقع ہوئی ہیں کہ ایک کا مزاج دوسرے کے مزاج سے بالکل نہیں ملتا۔ اکثر تو ایسے ہیں کہ عاقبت کے خیال سے ارتکابِ جرم پر اقدام نہیں کر سکتے۔ بعض دل کے ایسے بوجہ آدمی کہ زور دیکر قہری تغلیبات مغلوب ہو کر جرم تو کر بیٹھتے ہیں مگر پھر ان کو پشیمانی اور ندامت ہوتی ہو اور گناہ کا کفارہ دینے کے لیے ہوتے ہیں مظلوم کو رضامند کرنے سے، اقارب جرم سے، اور اپنے اوپر اس کی سزا عائد کرانے سے جب تک گناہ کا کفارہ نہ دے لیں ان کو نفسِ لامعین کہہ سکتے ہیں دیتا یہی خیال عاقبت ہو جس کو میں نے نفسِ لامع سے تعبیر کیا۔ پھر بعض دل کے ایسے سخت ہوتے ہیں کہ زندگی بھر کفارے کو ٹالتے رہتے ہیں ملک الموت نے اگر سینٹو ا دیا یا تو سارا زہم اگلا بڑا۔ وہ کیا جبری ہو جیسے وقت میں ان کو اقارب جرم پر مجبور کرتی ہو وہی نفسِ لامع، وہی خیالِ عاقبت، وہی کائنات جو چاہو کہہ لو اس بات پر تو تمام آدمیوں کا اجماع سمجھو کہ اس ہستی کے بعد آدمی کو ایک اور ہستی ہونی ہو۔ اختلافِ ائمہ ہی تو اس میں ہو

کہ وہ ہستی کیسی ہوگی کیوں کر ہوگی۔ سو یہ اختلاف فروعی ہے و انتظام دُنیا کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو اسی قدر ہے کہ اس ہستی کے بعد ایک اور ہستی ہو اور وہ ہستی اس ہستی کی متمم ہو اور اُس ہستی کا بننا بکثرتِ موقوف ہے ہمارے کردار پر جو ہم اس ہستی میں کریں۔

سوال۔ تو یوں کہتے کہ آپ کے نزدیک ستر سے دین و مذہب ہی داخل فطرتِ انسانی ہے یعنی شخص کی فطرت چاہتی ہے کہ وہ مذہب رکھتا ہو۔

جواب۔ بے شک۔ تم نے بہت ٹھیک سمجھا دین و فطرت ایک ہی چیز ہے اور میں کیا کہوں گا اور کوئی کیا کہے گا اور تم نے کیا سمجھا اور کوئی کیا سمجھے گا خود خدا نے تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے فطرۃ اللہ الٰہی فطرۃ الناس علیہا لا تبدل خلق اللہ ذلک الدین النقیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون اللہ کی بنا و جس طرح پر لوگوں کو بنا دیا اللہ کی پیدائش کو کون بدلے یہی ہے سیدھا دین لیکن انہوں نے کہ اکثر لوگوں کو خبر نہیں اس آیت کے لفظوں پر نظر کرو اس زیادہ صراحت اور کیا ہوگی؟ میرے چلے تو اس آیت کو تختیوں پر کندہ کر رکھوں مسلمان کوئی بچہ نہ ہو جس کے گلے میں تعویذ کی جگہ یہ تختی نہ پڑی ہو۔ اور خیر ہر مسلمان کے گلے میں سہی، ہر ایک مسلمان کے دروازے دروازے و درہ ہر ایک سجدہ پر تو ضرور۔ بھلا کسی کی عقل جائز رکھ سکتی ہے کہ مثلاً پانی کی فطرت تو اس طرح پر واقع ہو کہ نشیب کی طرف ہے اور اُس کو حکم دیا جائے اُٹا بلندی کی طرف بڑھنے کا پانی بلندی کی طرف چڑھا یا چڑھ سکتا ہے۔ یہی حال دین کا ہے۔ دین کی کوئی حیوٹی سی بات بھی فطرتِ انسانی کے خلاف ہے اور نہ ہو سکتی ہے ان اللہ لیس بظلام للعبیلہ اور یہی فطرتِ دین کے گھر کے غلط صحیح سے سخت کی گسوٹی ہے

سوال۔ تو چاہیے کہ لوگ دین میں اخشاف نہ کریں۔

جواب۔ بے شک۔ چاہیے تو یہی کیوں کہ فطرت کا اعتبار سے آدمی آدمی سب کیساں مگر نہی فطرت ہی فطرت ہوتی تو کچھ جھگڑا نہ تھا مصیبت یہ ہے کہ انسان ایک طرف مغلوب ہے فطرت کا اور دوسری طرف

مغلوب ہو گوناگوں خواہشوں کا، مغلوب ہو تعلیم و تربیت کا، مغلوب ہو سوسائٹی کا، مغلوب ہو رسم و عادت کا۔
جو بائی تو ہوا ایل ہی ہو ہر طرف سے پھیلے پھیلے پٹے لگے ہیں، لنگوٹا سیدھا رٹے کیا خاکس
درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ بازے کوئی کردامن ترکمن ہنیا رہا باش

سوال - یہ تو ظلم صریح ہے۔

جواب - تو بہ کرو تو بہ، خدا اور ظلم !!! استغفر اللہ تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیراً۔ آدمی کچھ بھوک
بیاس کا گادینا، ظلم ہونا اگر اس کو کھانا اور پانی پہنچانے کی عقل نہ دی گئی ہوتی، آدمی کو اس طرح کا مخلوق
بنانا کہ ایک منٹ سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو ہلاک ہو جائے، ظلم تھا اگر ہوا کا ذخیہ اس کے لیے جہاں نہ کیا گیا ہوتا
آدمی کو گرمی سردی کا احساس نہ تھا، ظلم تھا اگر وہ اس پہنے کی تدبیر نہ کر سکتا۔ اسی طرح اس کو فطرت انسانی
خواہشوں و تعلیم و تربیت اور سوسائٹی اور رسم و عادت وغیرہ کا مغلوب بنایا، ظلم ہونا اگر
اس بھول بھلیاں میں سے نکلنے کا اس کو رستہ نہ دکھایا جاتا۔

سوال - وہی رستہ تو میں ڈھونڈتا ہوں اور نہیں ملتا۔

جواب - ڈھونڈتے ہو مگر ڈھونڈنے کے طور سے نہیں۔

مذہب کا خلاصہ

سوال - وہ طور کیا ہے؟

جواب - وہی طور تو میں تم کو اتنی دیر سے بنا رہا ہوں۔ دین کا حال یہ ہو چکنا اس کو چھانتے جاؤ
و تباہی کر کر رہا ہوتا جاتا ہے۔ اور زیادہ کاوش و ضروری نتیجہ ہی لانے سے جس میں تم مبتلا ہو و نہیں ہو تو آج
نہیں کل، کل نہیں برسوں، ہو گئے پر ہو گئے۔ اس سے کوچھوڑو۔ دین تو تمام آدمیوں کے لیے ایک ہی ہے۔
اس کے لیے اتنی ساری عقل کی ضرورت نہیں جتنی تم صرف کرنی چاہتے ہو۔ عقل تم کو ریاضی اور فلسفہ کے کام میں
لانی چاہیے۔ دین تو گنتی کی چند موٹی موٹی اور سیدھی سیدھی باتیں ہیں اور باتیں بھی ہوتی ہیں یہی جن کے لیے

محبت اور دلیل کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور جب آدمی لگا دین میں محبت اور دلیل ڈھونڈنے تو دین کے اعتبار سے اس کی حالت خطرناک ہے۔

سوال۔ عقل کے ہاتھوں سے تو مجبور ہی ہے۔

جواب۔ اگر عقل کو عقل کی حد میں رکھو اور اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو تو کچھ بھی مجبوری نہیں۔ دین میں عقل کی جولان نہیں تک ہو کہ خدا ہوا جتنی عمر کی اور خوبی اور بُرائی کی صفیٰ خیال میں آسکتی ہیں وہ سب اُس میں ہیں۔ دُنیا کا کارخانہ اُس کے ہونے اور اُس طرح کے ہونے پر دلالت کرتا اور ہمارا دل از خود اس بات کو مانتا ہوا اور اس میں شک و شبہات پیدا کرنے کی ضرورت نہیں پھر انسان اس طرح کا مخلوق ہے صرف نہیں کہ اس کو دنیا سے اور دنیا کو اس کے کسی طرح کا سرد کار نہ ہو بلکہ خدا نے اس کی عقل دے کر انتظام دُنیا میں بہت کچھ دخیل کر دیا ہے۔ خدا اور انسان اور دنیا کی مثال زمیندار اور کارندہ اور علاقہ زمینداری کی سی ہے۔ کارندہ علاقہ زمینداری کا مالک تو نہیں مگر مالک کی رضا اور اجازت سے وہ علاقہ پر تسلط ہے، چاہے آباد کرے چاہے اجاڑے جس طرح ایک ملک چاہتا ہو اُس ملک کا کارندہ بھلا مانس، خوش معاملہ، نیک نیت، دیانت دار، جفاکش ہو اور اُس کے علاقہ زمینداری کا انتظام ٹھیک رکھے۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہو کہ آدمی دنیا میں جہاں تک اس سے ہو سکے امن اور خوش حالی کو ترقی دے اور دُنیا کی گاڑی میں جس کو ایک وقت خاص تک خدا کو چلانا منظور ہو کسی طرح پر روڑا نہ اٹکائے۔ بس یہی دین اور یہی مذہب ہو جس کا لوگوں نے اس قدر طومار بنا کر کھڑا کیا ہے۔

سوال۔ اتنا تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت میں آسکتا تھا۔

جواب۔ آسکتا کیسا آیا ہو موجود ہی جو ہے۔ ورنہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة کے سوانے اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ اہل دین خدا کا جانشین اور اتنا جاننا نجات لیے بس کہتا ہے۔ اور قرآن کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی جو تم نے کہی اس سے شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ دین ایک چھوٹے سے

جملے میں لے سکتا تو اتنے بڑے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کو اپنے طور کی باتوں میں سمجھو کہ تقلید رس میں سطر ڈیڑھ سطر کا دعویٰ ہوتا ہے اور اس کے ثبوت درق کے درق۔ یا مثلاً کوئی ہم کو چھے کہ یہ تو امین دیوانی فوجداری اور مال غیر وغیرہ کیا چیز ہیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں تدبیر حفظ امن قرآن بھی یہی حال ہے کہ اس کا لب باب لا الہ الا اللہ ہے۔ اور اس کے سوائے جو کچھ ہو وہ اسی لا الہ الا اللہ کا ثبوت ہے۔ یا اس قسم کی باتیں ہیں جو اسی لا الہ الا اللہ پر تضرع ہو تیں اور اسی لا الہ الا اللہ سے منبت کی جاتیں۔ قرآن میں قصص ہیں، مواظبات ہیں، حکم ہیں، آداب ہیں، معاملات ہیں، عبادات ہیں، اور امر ہیں، نواہی ہیں۔ کیا چیز ہو جو قرآن میں نہیں ہے؟ طبعاً لا الہ الا اللہ کی کتاب میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام فرائض کی محاشن معادونوں کی درستی کے لیے روز قیامت تک بس کرتی ہے۔ یہ سبط پاکہ اس کی ٹھیک طور پر سمجھاؤ اس پر عمل کیا جائے۔

عبادت کی لم

سوال۔ میں اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہتا ہوں۔

جواب۔ خدا کو جاننے پہچاننے کے یعنی تو نہیں ہیں کہ باد ہوائی ایک بات تھی اس کا نئی اس کا ن نکال دی۔ آدمی خدا کو جاننے پہچاننے کا وہ اس تعلق کو بھی ضرور سمجھے گا جو اس خدا کے ساتھ ہے وہ بھی دیکھے گا کہ خدا نے اس کو سراپا احتیاج پیدا کیا ہے۔ وہ ایک خاص طرح کی زندگی کہتا ہے اور درج سے متاثر ہو رہا ہے اس کی زندگی کی ضرورتیں کچھ تو خدا کی طرف سے تھیں گی ہیں، جن کے لیے اس کو کسی طرح کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی جیسے سانس لینے کو ہوا لینے کو پانی۔ اور کچھ ضرورتیں ایسی ہیں کہ ان کا سامان تو موجود ہے مگر اس کام میں لانے کے لیے تدبیر بھی درکار ہوتی ہے سو خدا نے اس کی اس تدبیر کا سلیقہ دیا ہے وہ بھی دیکھے گا کہ اس کو اس کثرت سے حاجتیں اور ضرورتیں لاتی ہوئی ہیں کہ اعوان و انصار کے بدون اس کا گزر نہیں پس چاروں اچار اس کے سوسائٹی میں مل کر رہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگوں کی اور لوگ اس مدد کریں۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ سوسائٹی کے لوگ بھی اسی طرح کے آدمی ہیں، وہ بھی اسی کی حاجتیں، اسی کی طبیعت کہتے ہیں

وہ بے کسی کے سکھائے آپ آپ معلوم کر لے گا کہ دنیا میں ہزار ہا قسم کی مخلوقات ہیں جن میں جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے۔ مگر یہ دوسری مخلوقات سے بہت باتوں میں ممتاز ہے، اس کو ملائم سے خوشی پہنچتی ہے اور ناملائم سے بے رغبتی بعض مواقع پر اس کو غصہ آتا ہے اور بعض پر رحم اس کی کثرت میں دوسرے جانوروں سے ملتی ہوئی ہیں، ان ہی کی طرح سوتان ہی کی طرح جاگتا۔ ان ہی کی طرح اس کو بھوکہ پیاس لگتی، مگر اس کی عقل کسی میں نہیں۔ اس کی طبیعت میں جہاں ورہائیں ہیں ایک احسان مندی بھی ہے کہ جب اس کا کوئی مطالبہ ملے اور کوئی اس کی مدد کرے اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ اس صفت پر متفرع ہیں تمام اقسام عبادات۔ کوئی سی بھی عبادت تو وہ ایک پیاری ہے اظہار احسان مندی کا مثلاً نماز اس کا ایک ایک رکن یعنی قیام اور رکوع اور سجدہ سب ظاہر ہوتا ہے تضرع اور ابتہال اور عجز ان حرکات کے سوائے وہ جو قنات ہے یعنی منہ سے کہنا پڑتا ہے وہ بھی خدا کی حمد و ثناء ہے دعا ہے، استغفار ہے، اپنی عاجزی اور محتاجی کا اظہار ہے، عبودیت کا اقرار ہے۔ یوں تو بظاہر انسان کے سب کام اسی کی تدبیر سے چلتے اور بہت سی باتوں میں اس کو اپنا بنائے جس سے مدد ملتی ہے لیکن ذرا غور کر تو معلوم ہو کہ ہم سب محض خدا کا مفضل کے سہارے جیتے ہیں ہزار ہا چیزیں ہیں جن پر انسان کی زندگی متوقف ہے اور ان میں سے ایک چیز میں بھی انسان کو دخل نہیں۔ قرآن پر نظر کرو۔ اس کا حاصل یہی پاؤ گے کہ انسان کو اس کی حاجتیں اور ضرورتیں بتا کر یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس کو خدائے سر پر حاجت پیدا کیا ہے چونکہ وہ باوجود اس کے اس کو عقل بھی دی گئی ہے اور کسی قدر اختیار بھی رکھتا ہے اپنی تمام حاجتوں کے برائے پرخود قائل نہیں تو جس نے اس کو حاجت کا احساس دیا اور احساس کے ساتھ اس کی تمام حاجتوں اور صرف یہی نہیں بلکہ آرام و تسائش کا سامان بھی کیا وہی خدا ہے اور ان کو اس کا بھی احساس ماننا چاہیے۔ اگرچہ سارا قرآن اسی منوال پر واقع ہوا ہے مگر میں مثال کے طور پر دو مقام کی چند آیتیں پڑھتا ہوں۔

لَمَّا خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَمَّا مَنَّا فَاَبْنٰتَا بِهٖ حُلٰى ذٰتِ لَیْلِ لَمَّا کَانَ لَیْلٌ مِّنَ اللَّیْلِ
 اَجْلَسَ رَبِّیْنِ السَّمَاءِ کَیْفَ کَانَ اَوَّلُهَا سَمَانٌ سَیِّئٌ مِّنَ اللَّیْلِ لَمَّا کَانَ لَیْلٌ مِّنَ اللَّیْلِ

شجرھا اللہ مع اللہ بل صم قوم یعدون ^۱ من جعل الارض قدرا جعل خلا لھا انھا راو جعل لھا رومی
 جعل بین البحرین حاء جزاء اللہ مع اللہ بل کثیر صم لا یعلمون ^۲ من یحب المظلم اذا دعاه و
 یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض اللہ مع اللہ قلیلا ما تذکر ^۳ من یدرک فی ظلمات البر والبحر
 من یرسل الریح بشرا لیں یدی رحمتہ اللہ مع اللہ تعالیٰ لئلا یسکر ^۴ من ید و الخلق ثم یعد
 ومن یرزقکم من السماء والارض اللہ مع اللہ قل ہا تو برہانکم ان کنتم صدقین دوسری جگہ فرماتے ہیں
 قل راء یتلوا ان جعل اللہ علیکم اللیل سہما الی یوم القیمۃ فمن الہ غیر اللہ یا تیکم لضیاء افلا تسمعون
 قل راء یتلوا ان جعل اللہ علیکم النہار سہما الی یوم القیمۃ من الہ غیر اللہ یا تیکم لیل تسکون فیہ فلا تبصرون
 ومن رحمۃ جعل کل الیام النہار لئلا تسکون فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون ^۵ یاد رکھو کہ یہ میں نے

ایک دفعہ گزشتہ تم تو نہیں لگائے تھے اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہو مگر یہ لوگ ہی سیدھے رستے سے الگ
 ہو جاتے ہیں۔ تھ بھلا کس نے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا اور اس میں دریا بہائے اور اس پر پہاڑوں کے ٹکڑے
 اور دو دریاؤں میں روک قائم کی۔ تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہو گران لوگوں میں سے اکثر بچہ
 ہیں تھ بھلا کون ہو کہ جب کوئی بے قرار ہو کر اس کو بلائے تو وہ اس کی فریاد کو سنے اور مصیبت کو دور کرنے اور
 تم کو فرماں دے روئے زمین بنائے تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ تم لوگ ایسی باتوں کو خیال کرتے ہو
 تھ بھلا کون ہو خوشی اور تری کے اندھیر میں تم کو رستہ دکھائے اور کون باران رحمت سے پہلے ہوا بھیجتا ہو کہ وہ مینہ کی فنجری
 دے تو کیا اس پر بھی خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہو خدا کی شان ان چیزوں بہت اونچی ہے جن کو اس کا شریک ٹھیراتے ہیں۔
 تھ بھلا کون ہو جو پہلے پہل پیدا کر کے اس کے بھلانے پاس بلائے اور کون ہو جو تم کو آسمان اور زمین روزنی کے بغیر ان
 لوگوں کو کہو کہ اپنے عوے میں سے ہو تو دلیل پیش کرو۔ لہے بغیر ان لوگوں کو کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر خدا قیامت تک ہمیشہ کیئے
 رات کو تم پر ڈھانکے رکھے تو سوائے خدا کے کوئی اور معبود ہو کہ تم کو روشنی پہنچائے کیا یہی باتیں سنیں سننے کے بغیر لوگوں سے
 کہو کہ اگر خدا قیامت تک ہمیشہ کیئے تم پر دن ہی نکالے ہے تو سوائے خدا کے کوئی اور معبود ہو کہ تمہارے اہم کے لئے رات کو
 نوالے کیا تم اس نمونہ قدرت کو نہیں دیکھتے۔ وہ ایسی کی پہلنی ہو کہ تمہارے لئے رات اٹھون کو بنایا مگر رات کو آرام پاؤ اور
 دن کو اسی کے کرم یعنی روزنی کی جستجو کرو۔ اور اس کا احسان مانو۔

نمونے کے طور پر چند آیتیں بڑھادی ہیں ورنہ سارے قرآن کی ہی ایک ٹی جو غرض سب سے پہلے ان کے اپنے آپ کو جانا۔ اپنے آپ کو جاننے سے لازم آخدا کا جانا خدا کو جاننے سے لازم آیا اُس کے احسانات کا ماننا یعنی اُس کی عبادت کرنا۔ اِس کو میں نصف دین قرار دیتا ہوں۔ اور اس میں ہرگز کسی طرح کی پیچیدگی نہیں اور نہ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ ہو سکتا ہے اور ہو تو یہ بیان کرو۔

سوال۔ بھلا اور دین کا دوسرا نصف ؟

جواب۔ دوسرا نصف ہے لوگوں کے باہمی معاملات کن کو ایک دوسرے کے بدون بن نہیں آتی تو ایک قانون ہونا چاہیے جو سوسائٹی میں امن کو قائم رکھے۔ یہ ہر دوسرا نصف دین کی دوسری نام و شریعت۔

سوال۔ میں سب کا بھی ایک خلاصہ معلوم کرنا چاہتا ہوں جامع اور مان۔

جواب۔ اس کا خلاصہ ہوا انچہ برخود نہ پسندی بردیکرے پسند۔ اس کے لیے بھی نیل و حجت درکار نہیں آدمی کا دل ہی خدا نے اِس طرح کا بنایا ہے کہ وہ فوراً اس بات کو تسلیم کر لے گا کہ اس قاعدے کے بدون دُنیا میں امن قائم رہ نہیں سکتا۔ اور یہی انصاف کی بات خدا کے ہونے پر جہان اور بے شمار دلائل میں اور اُن میں سے ایک دلیل دُنیا کا انتظام بھی ہے۔ اولمٰ بنیظہا فی ملکوت السموت والارض۔ پروردگار عالم نے دُنیا کے انتظام کے لیے ایسے عمدہ اصول قرار دیئے ہیں کہ اُن سے بہتر کسی کے خیال میں نہیں سکتے۔ جو کوئی ان اصول کو توڑتا ہے وہی نہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ اپنے تئیں بھی۔ اس پر بھی لوگوں سے بے اعتدال بیاں ہوتی ہے اور یہ جتنے فسادات دُنیا میں دیکھتے ہو انسان کی اسی کم زوری و ذلت و عاقبت اندیشی سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ انجام تو سوچتا نہیں اور خواہش نفسانی کا مغلوب ہو کر قانون الہی کو توڑ بیٹھتا ہے، آپ بھی پریشان ہوتا اور دوسرے کو بھی پریشان کرتا۔ اس قانون کے نافذ کرنے کی خدمت و قسم کے لوگوں کو سپرد ہے اور انبیاء علیہم السلام، دوسرے حکام و مقتدا ان دونوں میں انبیاء کے اختیارات لے کر ان لوگوں نے آسمان و زمین کی سلطنت کے انتظام پر نظر نہیں کی۔

زیادہ وسیع ہیں۔ حاکم وقت صرف ظاہر پر حکمرانی کرتا ہے اور پیغمبر ظاہر و باطن دونوں پر حاکم وقت شاخ کو لیتا ہے اور پیغمبر جذ کو بلکہ جذ کی جڑ کو کیونکہ پیغمبر خدا کی معرفت سکھاتا ہے جو نبی ہر نام تکلیفوں و محالوں کا۔ حاکم وقت کی روک تھام آدمی کی زبان پر ہر کسی کو گالی دے، ہاتھ پر ہر کسی کو مارے نہیں اور پیغمبر کی روک تھام آدمی کے دل پر ہر کدس میں بڑا ارادہ پیدا نہ ہو شریعت ملے اور قوی ضرورتوں کے حالات سے بدلتی بھی رہتی ہیں مگر ان شریعت کی غرض غایت نہ کبھی بدلتی ہے اور نہ قیامت تک بدلے گی۔ وہ کیا دُنیا میں اس کا قائم رکھنا ہے جو کہا جاتا ہے کہ پیغمبر و کلام دین ایک ہے اور شریعتیں مختلف اس کے ہی معنی ہیں جس نے بیان کیے سوال۔ آپ نے تو دین کا ایک ایسا انوکھا رستہ اختیار کیا ہے کہ میں اس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں پاتی اگر یہی دین ہو تو آپ کا نرالا دین ہو یہ تو فرمائیے کہ دُنیا میں کوئی اور بھی اس طرح کے عقیدے رکھتا ہو یا آپ پر کوئی خاص وحی نازل ہوئی ہو۔

جواب۔ میں نے تو کوئی انوکھا رستہ اختیار نہیں کیا۔ ہماری جمع پونجی جو کچھ سمجھو یہ تھوڑی سی عقل ہو جو خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہو یہ معلوم ہے کہ عقل جو ہم کو دی گئی ہو ادھوری ہوا تھوڑی ہو ناقص ہو۔ ہزار باتیں ہیں جن کو ان نہیں سمجھتا اور نہیں سمجھ سکتا۔ مگر جتنی جس کو سمجھ دی گئی ہو وہی ہی اُس کی ذمہ داری ہے کہ ایکلف اللہ نفسا لا دسعهما سو ایک تو ہم عقل پر اس کی بساط زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور بڑے شکر کی جگہ ہر کدس کے دل کو بڑی راحت پہنچتی اور طبعیت مطمئن ہوتی ہے دوسرے لوگوں کے دین مذہب سے تعلق نہیں رکھتے کہ وہ کیا سمجھتے اور کیا کرتے اس واسطے کہ ہم ان کے محتسب نہیں اور نہ ہم سے دوسرے مذہب کی باز پرس ہوتی ہے۔ ہر کو اپنے ہی نفس کے احتساب فرصت نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم بنائے گئے آدمی اور ہم کو نیک بد کی تمیز دی گئی اور سمجھا دیا گیا وہ رستہ جس پر ہم کو چلنا چاہیے تھا، مگر ہم نے اپنے دل کے کھوٹ اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے وہ حرکتیں کیں جو ایک جانور کے لیے بھی موجب شرم ہیں۔

سوال - آپ کی بات کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی آپ ان کو خلیفہ اللہ اور خلیفہ الخلیفہ اور کیا اور کیا بنا ہے تھے۔ یا اب اس کو جانوروں سے بھی کیا گزارا ہوا کر دیا۔
جواب - تم نے وہ قطعہ نہیں سنا۔

آدمی زادہ طرہ سے جوئے ست از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل این شود کم زیں ور رد سوئے آن شود بزاراں

سوال - یہ دو متضاد باتیں کیسی۔

جواب - بس یہ اللہ کی خلقت کہ آدمی کو دونوں طرح کی قابلیتیں دیں۔ اس کو فاعل مختار کیا۔ چاہے معراج الکمال انبیت پر ترقی کے لیے ہی ہو کہ فرشتہ بننا ہو چاہے اقلین حیوان میں افسوس منکر پڑے۔
سوال - ان کو ایسی کشش میں ڈالنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

جواب - اب تم نگے خدائی میں داخل جیتے۔ ع خدا کی باتیں خدا ہی جانے سے
رمور مملکت تو این خسرو اندر گدے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

یہ وہ گریہ ہو جو اکثر کو بھٹکاتی اور بے چین رکھتی ہو اور جب تک یہ لت نہیں چھوٹی کوئی
آدمی دین کی طرف سے مطمئن ہو نہیں سکتا۔

سوال - مگر طبیعت کو کیا کیا جائے۔

جواب - یہ بالکل سچ ہے۔ ہم نے بھی اس کے ہاتھوں سے بڑی بڑی پریشانی اٹھائی ہیں۔ یہ بھی چاہا کہ اس خیال ہی کو دل میں نہ آنے دیں، وہ بھی نہ ہو سکا۔ اور خیال آیا تو اس کے ساتھ طرح طرح کے خدشات۔ آخر بڑے غور کے بعد اب کہیں جا کر طبیعت ٹھکانے سے ہوئی۔

شریعت نصف دین ہو

سوال - یہی تو میں بھی چاہتا ہوں۔

جواب۔ چاہتے ہو تو خدا نے چاہا ہو کر بھی رہے گا۔ جو ڈھونڈھتا ہو سو پاتا ہو، جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہو وہ مکان کے اندر بھی آتا ہو۔ مگر میرے سمجھنے میں تو اس کی رستہ یہی ہو کہ آدمی اپنی حقیقت سمجھے اور دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔

سوال۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہو کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے؟ دوسروں کے بدون دنیا چل بھی سکتی ہو؟
جواب۔ شاید یہ میرے بیان کا قصور ہو کہ تم نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ بے شک دنیا میں آدمی اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ دوسروں سے سروکار نہ رکھے۔ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھے بدون اس کو بن نہیں آتی بلکہ دوسروں کے ساتھ سروکار رکھنا اسی کو تو میں نے دوسرا نصف دین قرار دے رکھا ہو یعنی لوگوں کے باہمی معاملات۔ اور ظاہر ہو کہ بے تعلقی کی صورت میں معاملات ہو ہی نہیں سکتے۔ میں نے عبادت کی لم تم کو سمجھائی تھی؟

سوال۔ ہاں اور دل بھی اس کو تسلیم کرتا ہو۔ پھر؟

جواب۔ بات یہ ہو کہ جب ہم سرتاپا حاجت ہیں اور ہماری حاجتیں بعض تو ایسی ہیں جو خود خدا کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں اور ان میں سے کسی مخلوق کو دخل نہیں جیسے ہوا اور پانی۔ اور بعض ایسی ہیں جن میں ہماری یا ہمارے اپنے جس کی تدبیر کو دخل ہو تو وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں جیسے غلہ کہ آدمی اتنا تو کرتا ہو اور اتنا ہی کتا یا ہو اور اتنا ہی کر سکتا ہو کہ زمین جوت کر بیج ڈال دیا جب اناج طیار ہوا کاٹ گاہ کر گھر میں رکھ لیا۔ مگر آدمی کو جوتے بونے کاٹنے کا ہے کاسلیقہ کس نے سکھایا؟ خدا نے زمین میں اناج کے پیدا کرنے کی صلاحیت کہا اس آئی؟ خدا کے کرنے سے تو اطمینان پر جتنی حاجتیں ظاہر میں ایسی دکھائی دیتی ہیں کہ ان کو ہم اور ہمارے اپنے جس بتا کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہیں پس جو کچھ ہم کہتے ہیں جو کچھ ہم کو ملتا ہو خدا کا فضل اور کسی کا احسان ہو

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ تُمْذِكُمْ بِهَا لَكُمُ اسْمُهَا لَافِي السَّمَاءِ فَتَلَوْنَ حَسَنَاتٍ لِّمَن يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ لَئِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْمُهَا قَالُوا سَمِیْءٌ كَذِبٌ
 لے اور جو نعمت تم کو حاصل ہو سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہو جو یہ نصیحت پرتی ہو تو اسی کے آگے گڑا کرتے ہیں۔

کہ اگر ہمہ وقت اُس کی شکرگزاری میں لگے رہیں تو اس کی مہربانیوں کا ایک شمع بھی توادا نہیں کر سکتے۔ شیخ سعدی نے اس خیال کو کیسے عمدہ پیرائے میں ادا کیا ہے: ”ہر نفسے کہ فرو میرد و مذہیات ست مچوں برمی آید مفرح ذات پس در ہر نفس دولت موجود ست و بہر نعمت شکرے واجب“ یعنی ایک ادنیٰ سی بات ہر سانس جس کی طرف کبھی ہمارا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا لیکن ذرا ترک جائے تو دیکھو انسان کا کیا حال ہوتا ہے ضیق النفس کے بیماروں کو نہیں دیکھا گھٹنے دو گھٹنے کے دورے میں مڑے سے بدتر ہو جاتے ہیں۔ پھانسی کیا چیز ہے؟ گلا گھونٹ کر سانس روک دیا سترپ تریپ کھان بکال گئی اسی قیس کے اور خیال ہیں مثلاً قطعہ

چار طبع مخالف سرکش چند روزے بود ند با ہم خوش
چوں یکے زب چہا رشدا غالب جان شیریں برکید از قالب
ما یہ عیش آدمی شکم ست تا بتدریج میرود چغم ست
گر بندہ دچنان کن کشاید گو دل از عمر بر کند شاید
در کشاید چنانکہ نتوان ست گو بشو از حیات دنیا دست

ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت کا بڑا گھمنڈ تھا۔ ایک نیرنگ کی طرح پر اُس تک پہنچے اور وقع پا کر کہا کہ بھلا یہ تو فرمایے اگر خدا نخواستہ آپ کا پیشاب بند ہو جائے تو آپ اس شکایت کے دور ہونے کے لئے کہاں تک خرچ کریں۔ بادشاہ نے ذرا سوچ کر کہا کہ نصف سلطنت بھڑا اُس بزرگ نے کہا کہ بھلا اگر خدا نخواستہ جاری ہو کر بند نہ ہوا تو اُس صورت میں بادشاہ نے کہا دوسرا نصف سلطنت بزرگ نے کہا کہ بس آپ کی سلطنت کی حقیقت ہو کہ موت کی ایک ہال اس کی قیمت ہو یہ تو ان لوگوں کے مقولے ہیں جن کو خدا نے اپنی اور دنیا کی حقیقت جاننے بوجھنے کی سمجھ دی تھی، اور میں خیال کیا کرتا ہوں کہ ان کے جسم میں بے شمار مسامات ہیں اور ہر مسام میں سیکڑوں طرح کے روگ پیدا ہو سکتے ہیں

اور ایک ایک روگ زندگی کے تلخ کر دینے کے لیے بس کرتا ہو اور ہم جو ان تمام آفتوں محفوظ ہیں تو نہ اپنی تدبیر سے؟ ہماری تدبیر ہی کیا ہو! کھالیا اور سورہے۔ کھاتے تو کھالیا اور یہ نہ جانا کہ یہ غذا کیوں کر پیدا ہوئی۔ اوکس طرح جزو بدن بنی۔ قطعہ

ابرو باد و مرغور شید و فلک در کار اند تا تو نہ بکھڑی بغفلت نہ خوری

ہمہ از ہر تو سرگشتہ و فرمان بردار شرط انصاف بنائے کہ تو فرماں نہیری

غرض ہزار ہا نعمتیں ہیں جن کا ہم کو شعور بھی نہیں ہوتا اور ان تعدد النعمۃ اللہ (تمکون حق شناسی اور مروت اور وفاداری اور انبیت تو اس کی مقتضی تھی کہ ہر وقت اُسی کی یادگاری میں لگے رہتے مگر مایہ راک حلدہ لا یندرک کل جتنا ہو سکے جتنی دیر ہو سکے عبادت کا یہ ایک پہلو ہے۔ اس کے فیصلے سے ہم اتنی بات نہ کر سکتے ہیں کہ ہم احسان فرموش نہیں ہیں الا انسان عبید الا احسان۔ لیکن ہم کو اس حد پر ٹھہرنا چاہیے نہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی ہمارے ساتھ سلوک کرے تو ہم اس کے ساتھ سلوک کریں چل جزاء الاحسان لا احسان لیکن ہمارے اور خدا کے درمیان مشکل یہ آکر پڑی ہو کہ ہم خدا کے ساتھ کوئی احسان نہیں کر سکتے اُس کو ہمارے احسان کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر جے نیاز مستغنی۔ لیکن ہاں ایک صورت ہے جس کو جزاء سیئۃ سیئۃ مثلاً کئے قاعدے سلحسان کہا جاسکتا ہو گو وہ حقیقت میں احسان نہیں ہو اور چل جزاء الاحسان لا احسان میں آخر کے احسان اسی طرح کا احسان ملو جو اب یہ تم بتاؤ کہ ہم بندے خدا کے ساتھ کیا احسان کر سکتے ہیں؟

سوال۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

جواب۔ تمہاری کیا بہتوں کی سمجھ میں نہیں آتا میں اتنا بتاؤں تو تم اس پہلی کو جلد بوجھ لو گے ایک ملکہ و کٹوریا ہو اور ایک ہم ہیں۔ ملکہ کے ہم پر سیکڑوں احسان ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی عمل داری میں ہم آرام سے بیٹھے ہیں ہاں انصاف ہو اریل ہو تار ہو شفا خانے ہیں ہاں مدرسے ہیں

نہیں ہیں، منیٰ آؤ ہیں، ویلو پے ایسل ہیں، کلیس ہیں، دفائی جہا میں، تجارت ہن غرض وٹویر کا تہہ ہن
 اور ہا مے بیئے ہندوستان جنت ہن۔ اب فرماؤ کہ ملکہ کے ان تمام احسانات کا کچھ بدلہ دینا یا نہ دینا؟ دینا اور
 ضرور دینا۔ مگر ہم اس کو کیا بدلہ دے سکتے ہیں۔ یہی کہ ہم اس کے طاعت گزار و فادار خیر خواہ احسان مند
 رہایا ہو کر رہیں۔ اسی طرح کا برتاؤ ہمارا خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ وکٹوریہ کالج میں نیکی کا ڈانٹا،
 اُس کو انتظام کا سلیقہ سکھانا، اُس کو رعیت پروری اور انصاف کی توفیق دینا، اُس کی مملکت ہند پر
 مسلط کرنا یہ سب اُس کے احسانات ہیں۔ ورنہ بے خدا کی امداد کے ملک پر جاری کیا کرتی اور کوئی کیا کر سکتا ہو
 یہ اسی کے تصرفات قدرت ہیں کہ کروڑوں لوگوں کو ایک عورت ذات کے ہاتھ میں سخر کر رکھا ہو کہ
 آپ ہزاروں کو سو دوڑیٹی ہو اور یہاں تپتہ تک نہیں کھڑے پاتا جس طرح ملک کی وفاداری کی شرط
 یہ ہو کہ ہم اس کے انتظام میں رخنہ انداز نہ ہوں اسی طرح ہمارے بندہ یعنی کی شرط یہ ہو کہ ہم خلائے انتظام میں
 فتور نہ ڈالیں اور جہاں تک ہم سے ہو سکے اور ہم میں ہی کس قابل مگر خیر جہاں تک جس کے انتظام کو
 رونق دیں، اس میں سہولت اور عمدگی پیدا کریں۔ بس یہ جو ساری شریعت کا خلاصہ۔ شریعت کے جتنے
 احکام ہیں وقت کے لحاظ سے، ملک کے لحاظ سے، لوگوں کی ضرورتوں کی بلحاظ اور ہر مقام واد کے لحاظ کا،
 لوگوں کے باہمی معاملات درست رکھنے اور انتظام دینا کو آسانی کے ساتھ چلنے دینے کی غرض سے بنائے
 گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی مصلحتوں کو ہم سمجھتے اور بعض کی نہیں۔ اور یہ دنیا کے قوانین کیا ہیں یہ بھی
 ایک طرح کی شریعت ہو اور اس شریعت کی غرض بھی وہی ہو دنیا میں امن و مافیت کا قائم رکھنا یہی خیال ہو
 جس کو لوگوں نے الخلق عیال اللہ کے پیر لے میں ظاہر کیا ہو۔ یعنی خدا تو جو روئے ہے نہیں کھتا اور اس کی
 شان اس ارفع و اعلیٰ ہو۔ مگر ہم جو اس کا بزنا و خلقت کے ساتھ دیکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہو کہ
 اُس کو مخلوقات کی ایسی پرداخت منظور ہے جیسی ہم میں سے کسی کو اپنے عیال کی ہوتی ہو تو ہم کو
 چاہیئے کہ خلق اللہ کو عیال نہ سمجھ کر ان کا پاس کریں۔ اور دنیا میں جو مصیبت ہو ضرور اس میں کوئی مصلحت

مضر ہوگی اور عجب نہیں کہ اُس صاحت میں یہ بھی ہو کہ ہم کو اظہارِ شکر کا موقع دیا جائے اور وہ نہیں ہو مگر
 انجائے جنس کی مصیبت میں کام آنا اُن کی حالت کے بہتر کرنے میں کوشش کرنا۔ یہ تعارفِ عبادت میں
 جو وضع ہوئی ہیں ان کی غرض یہ ہو کہ ہم خدا کے خیال کو تازہ رکھیں مگر صرف خیال کو تازہ رکھنا کوئی
 چیز نہیں۔ اس کا نتیجہ ہونا چاہیے عیالِ اللہ کو نفع پہنچان۔ لوگ نسیخہ کی پہلی سیر ہی پر اکٹھا جاتے ہیں
 آگے کو قدم نہیں بڑھاتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ زمینِ ٹھیرنے کی جگہ نہیں۔ تو وہ جو میں نے کہا تھا کہ
 دین دار بننے کا رستہ یہ ہو کہ آدمی اپنی حقیقت کو سمجھے اور دوسرے سرور کا رنہ رکھے اس کا یہ مطلب تھا
 کہ آدمی دُنیا سے بے تعلق ہو رہے بلکہ غرض یہ تھی کہ دوسرے کے دین مذہب کے پیچھے نہ پڑے۔

عاقبت

سوال - اوہو۔ اس پر تو ایک بڑا سخت اعتراض دار ہو تا ہو کہ دین کی ساری عمارت دھڑام سے
 گر پڑتی ہو لیکن اس اعتراض کے بیان کرنے سے پہلے میں یکا و خد شہ تپ نفع کرنا چاہتا ہوں کہ
 دُنیا میں جو آدمی سے گناہ سرزد ہوتے ہیں میں مانتا ہوں کہ خود آدمی کا نفس اُن کے لئے اُس ملامت کرتا ہو
 اور جب تک وہ اُس گناہ کی منہ نہ بھگتے اُس کو تسکین نہیں ہوتی۔ اور اسی اُس کی یہ خیال پیدا
 ہونا ہو کہ مرے پیچھے بھی اُس کو ایک طرح کی ہستی ہوگی اور اُس ہستی میں اُس کو اپنے کیے کا نتیجہ بھگتنا
 پڑے گا۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ ہستی عارضی محدود چند روزہ، اور وہ ہستی ابدی دائمی تھر نہ رہنا سببت
 تو نہ ہوتی غرض و عید خالک دین فیہا کے بلے میں میں بیان شافی چاہتا ہوں۔

جواب - بیان شافی تو یہی ہو کہ اس طرح کے خدشات کو نہیں میں آنے دو اُس ہستی یعنی عاقبت کے
 بلے میں ہماری ذاتی معلومات تو کچھ بھی نہیں اور کچھ ہو بھی نہیں سکتی۔ اس پر بھی دل بول رہا ہو کہ
 کیسی ہی ہو اور کسی طرح کی ہو مگر ہے ضرور ہاں۔ اُن کے اپنے پیغمبر کے ذریعے سے اُس ہستی کے بعض حالات
 جن کا ظاہر کرنا اُس نے مناسب سمجھا بیان فرمائے ہیں اُن کو یقین کر لینے کے سوائے چارہ نہیں۔ اُن حالات کی

نہیادہ لفتیش کرنا ہماری عقل کی رسائی سے باہر ہوا اور ہمارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں۔ ہمارے
یہے تناسل کرتا ہو کہ عاقبت اور آخرت ہو اور دارالجزا ہو اور اس کو بے کسی کے تیلے سمجھائے ہم باور
کرتے ہیں۔ اور خلود اور ہمیشگی کی نسبت جو تم کو خدشہ واقع ہوا وہ تو کچھ بات نہیں۔ ہم دنیا میں بھی
دیکھتے ہیں کہ آدمی ایک غلطی کرتا ہو اور وہ غلطی شاید اس نے چند منٹ میں کی مگر اس کا خمیازہ اس کے عمر بھر
بلکہ شاید اس کی نسوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہو مثلاً ایک آدمی نے سنگھیا کھالی۔ اگر وہ مر نہیں تو جب تک
جیے گا اپنے کیے کو روئے گا اور عجیب نہیں سنگھیا کا اثر اس کی نسوں میں بھی جاری اور ساری رہے۔
دنیاوی سزاؤں میں پھانسی یا دھمک یا کسی مارت کی قید یا یہ کیا ہو۔ اگر قریب انصاف ہو لے دینا
کیوں قریب انصاف نہ ہو ہاں اس وقت پر نظر کرتے ہو جو اس کتاب جرم میں صرف ہو، نفس جرم کی
بدی اور اس کے تنہا پر سزا اور وقت کی کہو تو چوری میں زیادہ دلچسپی ہو اور آدمی کو ٹھکی کے بجائے
مار دیا جاسکتا ہو، تو کیا آدمی کا ہلاک کرنا چوری سے بھی کیا گزرا ہو ہاں قرار دینے کے لیے جرموں کا صحیح
اندازہ کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ خدا جیسے کتنی مصلحتوں پر نظر رکھتی ہوتی جو جن کو متفق نہ ہو سکتا ہو
حضرت فخر علی بنی قوم کی طرف سے بالکل بالورس گئے تو انہوں نے یہ عالمی رب لا تدرے الا رض
من الکافرین دیا انک ان تدرہم لعلو عبادک ولا یلدوا الا فوجو کفار اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی
امت کا مرض علاج پریر نہ تھا اور وہ تھے طبیب عاقل سمجھ چکے تھے کہ یہ تو کیا اچھے ہوں گے ان کی جو
نسلیں چلیں گی وہ بھی ان کی طرح روگی ہوگی۔ اور روگ بھی متعدی۔ اس بہتر ہو کہ یہ نصف ہی
معدوم کر دی جائے۔ اور یہ جو دنیا میں شرف و نسب کی قدر کی جاتی ہو اور کہتے ہیں اصل بدار خطا
خطا کنندہ آخر اس کی بھی کچھ نہ کچھ تو اصلیت ہی ہے۔ حیوانات اور نباتات تک میں اس قاعدے کا
لے میرے پروردگار ان کافروں میں سے کسی تنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا کہ روتے زمین پر رستا ہوتا
(نظر آئے) کیونکہ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ دہی کریں گے اور ان سے جو
نسل چلے گی وہ بھی بدکار (اور) کئے کافر ہی ہوں گے۔

عملدرآمد دیکھ لیا تاہو تو آدمی میں کیوں نہ ہو۔ اگرچہ میں تم کو سمجھانے کے طور پر اتنا کہا مگر پھر میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ طبیعت کی یہ افتاد اچھی نہیں۔ اس خط کو سر سے نکالو کیہ یہ گمراہی کی جڑ ہے۔

مذہبی مباحثہ بڑی بُری بات ہے

اچھا وہ اعتراض تو فرمائیے جس کی نسبت آپ کہتے تھے کہ دین کی ساری عمارت دھڑام گری پڑتی ہے۔

سوال۔ ہاں آپ کہا تھا نہ کہ آدمی کو چاہیے دوسرے کے دین مذہب سے سروکار نہ رکھے۔ اول تو یہ ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ آدمی آدمی سے ملیگا، ایک جگہ رہے ہے گا تو کیوں کر ممکن ہو کہ ایک کے خیالات ایک پر ظاہر نہ ہوں۔ اور یہی تو دنیا میں لگتی پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور اگر آدمی دوسروں کے خیالات سے استفادہ نہ کرے تو وہ کسی بات میں بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اپنی منفرد رائے پر اکتفا کرتا اور دوسروں کی بات کو سُنا نہیں چاہتا، میں نہیں سمجھتا کہ وہ غلطیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

جواب۔ تمہارا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ بے شک لوگوں میں جس طرح ضرورتوں کا مبادلہ ہوتا ہے خیالات کا بھی ہوتا ہے اور اعتراض تمدن میں یہ غرض سب کے عہدہ اور سب کے ضروری ہے۔ مگر تم نے اس خیال کو کسی قدر زیلوہ وسیع کر دیا ہے۔ بہت سی معلومات اس قسم کی ہیں کہ ہم کو اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھنے سمجھنے اور ان کی رائے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مثلاً روز روشن میں آفتاب چمک رہا ہے اور ہم اُس کو اپنی آنکھ سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم لوگوں سے پوچھتے نہیں بھرتے کہ آفتاب چمک رہا ہے یا نہیں ہم کو بھوک لگی ہو تو ہم کو کسی سے صلاح لینے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ جو کچھ ہوا نہیں اور تو اس خواہش کے پورا کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ دوا اور دوا کے چارہ ہونے میں ہم کو کچھ تردد نہیں ہوتا دین و مذہب بھی سیر نزدیک اسی قسم کی ایک بات ہے جس طرح پیٹ میں بھوک کا تقاضا پیدا ہوتا اسی طرح دل میں دین مذہب کا اور جس طرح وہ شخص جس کو بھوک لگی ہو جانتا ہے کہ یہ خواہش کیوں کر پوری ہوگی اُسی طرح وہ شخص جس کو دل میں دین مذہب کا تقاضا ہوا یعنی ہر فرد بشر بخوبی جانتا ہے کہ اس تقاضے کے تسکین کی کیا تدبیر ہے۔

سوال۔ تو خدا کی طرف سے پیغمبروں کا نازل ہونا سببے کار۔

جواب۔ بے کار کیوں؟ اُسی بھوک کی خواہش کو لو کیا تم خیال کرتے ہو کہ آدمی کو بھوک لگی اور بھوک کا احساس ہوتے ہی اُس کا پیٹ بھر گیا؟ نہیں اُس کو درکار ہو گی غذا اور معمولی غذا کھا لیتا ہے کہ کسی شخص نے حساب کر کے ثابت کیا تھا کہ تین سو آدمی کا ہاتھ لگتا ہو نیل ایک منہ میسر آتا ہے خیر تین سو میں کسی قدر بالغ ہوتا ہم قدرتی سبب کے علاوہ کاشتکار، بڑھی، لوہار، چار مزدور، لانے والے کاٹنے والے گاہنے والے اور آخر کو پینے والی پکانے والی اتنے آدمیوں کے بدوں تو غذا ہتیا ہو نہیں سکتی جب ایک غلے کے لیے اتنوں کی ضرورت ہو تو دین و مذہب کے لیے کتابوں و پیغمبروں کی ضرورت کیوں ہو؟ بھوک سے مضطر ہو کر انسان کھلے سکتا اور وہ چیز بھی جو اس کو نقصان کرے تو اس کے لیے چاہیے طبیب یا سی طرح کا دینی طبیب ہو پیغمبر کیوں ہو یا نہیں؟

سوال۔ تو پیغمبروں کو گوں کے دین مذہب سے سروکار رکھے بدون تبلیغ رسالت کیسے کر سکتا ہو۔

جواب۔ کیا خوب! قیاس مع الفارق، میں نے تم کو منع کیا ہے کہ لوگوں کے دین مذہب سے سروکار نہ رکھو۔ پیغمبروں کا یہاں کیا مذکور ہے۔ وہ تو لوگوں کے دین کی اصلاح کرنے کے لیے آئے تھے۔

سوال۔ اپنے قرآن میں وہ جو ایک آیت ہے وَلَئِنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہ کون لوگ ہیں۔

جواب۔ یہ یہی ہمارے مولوی اور واعظ۔ سوائے ان کو بھی اپنے گروہ کے دین و مذہب سے نالھانہ، مشفقانہ اور معلمانہ سروکار رکھنے کا حکم ہے نہ مخالفانہ، معارضانہ، مخاصمانہ۔

سوال۔ نصیحت بے مخالفت کے ہو ہی نہیں سکتی۔

جواب۔ مخالفت نہیں، اختلاف کہو اختلاف ملو اگر ایسا ہو کہ نصیحت بے مخالفت کہہ سکتی ہو تو لہ اودم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کو (نیک کاموں کی طرف بلا لیں اور اچھے کام کرنے) کو کہیں "بُرسے کاموں سے منع کریں اور آخرت میں، ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہنچیں گے۔

میں ایسی نصیحت کو روا نہیں رکھتا اس واسطے کہ مخالفت سے تقریباً ہوتا جس کی سخت منہا ہی ہو۔
 فلا تفرقوا افسوس کہ ہم تم ایسے امر میں کشت کر رہے ہیں جو نہ تم کو درکار ہو اور نہ مجھ کو۔ تم مولوی نہیں
 واعظ نہیں۔ میں بھی نہیں۔ اور غالباً مولوی یا واعظ بننے کا تمہارا ارادہ بھی نہیں۔ میرا بھی نہیں۔
 تو جو مولوی اور واعظ ہوں اُن ہی کو بذریعہ حدیث اللہ اس کا فیصلہ کرنے دو کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔
 اور کیا کر رہے ہیں۔

سوال بے شک میں مولوی نہیں واعظ نہیں اور واعظ بننا بھی نہیں چاہتا۔ مگر یہ بات
 میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آدمی دوسرے کے دین و مذہب سے سروکار کیوں کر کرے۔ جب تمدن کی غرض غایت
 یہ ہو کہ ہم ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں تو اس بڑھ کر اور کون سا فائدہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی دینی
 غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔

جواب - اول تو کسی شخص کو اُس کی دینی غلطیوں کی اصلاح کے لیے دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں۔
 اس کو خدا نے عقل دی ہے، سمجھ دی ہے۔ وہ آپ ہی غلطی کرتا اور آپ ہی اُس کی اصلاح پر قادر ہو۔ دوسرے
 نفوس انسانی کچھ اس طرح کے واقع ہوئے ہیں کہ بنیاد میں انہماق و تفہیم سے کار براری نہیں ہوتی۔
 اور اگر انہماق و تفہیم سے کار براری ہونے والی ہوتی تو کبھی کا ساری دنیا کا ایک مذہب ہو گیا ہوتا۔ کیوں کہ کسی
 وقت کسی مذہب میں سمجھانے والوں کی توڑا نہیں۔ با۔ بلکہ پچ پچھو تو اتنے سمجھنے والے نہیں جتنے کہ سمجھانے
 والے ہیں۔ اس پر بھی ہم نے کوئی فرقہ کو مباحثے اور مناظرے میں مغلوب ہو کر دنیا کے پرنے سے معذور ہوتے
 سنا نہیں۔ ہاں ایسا تو ہوا ہے کہ ایک عقیدے کے معذور و چند آدمی ہجرت و اتفاق سے اُن کی نسلیں
 آگے کو چلی بند ہو گئیں۔ اس اختلاف مذہب کی یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی برس جتنا ہو گا کہ کوئی نہ کوئی
 نیا فرقہ نہ پیدا ہوتا ہو اور یہ تو میں نے بڑے بڑے نامی اور مشہور فرقوں کے اعتبار سے کہا ورنہ
 میرا خیال تو یہ ہے کہ کسی ایک آدمی کا عقیدہ تمام و کمال دوسرے آدمی کے عقیدے سے نہیں ملتا۔

ایک شخص نماز کا بڑا انتہام رکھتا ہے دوسرے کہتا ہے کہ نماز تو اُسے صبح و شام سر پر پھڑکی ہو رہی ہے بچائے کب کب آتے ہیں برس میں ایک بار کچھ بھی ہو یہ ناعہ نہ ہوں۔ ایک حقوق اللہ کا پابگیر ہے۔ دوسرے معتقد ہے کہ حقوق اللہ اگر ضائع ہوں تو وہ غفور و رحیم ہے بخش بھی دے گا حقوق العباد کی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے خدا کسی بندے کا حق تلف نہ کرے کلاس کی کچھ تلافی ہی نہیں۔

سوال۔ مگر اس کا سبب کیا ہے؟

جواب۔ اس کا سبب ہے انسان کی خلقت جس طرح ایک چہرہ مہرہ دوسرے کے چہرے مہرے سے نہیں ملتا اسی طرح ایک کے خیالات دوسرے کے خیالات سے نہیں ملتے۔ بات یہ ہے کہ انسان اس طرح کا حقوق ضعیف ہے کہ وہ متاثر ہوتا ہے تعلیم سے، تربیت سے، صحبت سے، سوسائٹی سے، رسم و رواج سے، اب ہوا سے، مزاج شخصی سے، اپنی خواہشوں سے، اپنی ضرورتوں سے، اور کوئی جان نہیں سکتا کہ یہ سب باتیں جمع ہو کر کیا نتیجہ پیدا کریں گی۔ اب لوگوں کے اختلاف مذہب کی وجہ سمجھو؟

سوال۔ سمجھا تو سہی مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف کبھی رفع ہونے والا نہیں۔

جواب۔ بے شک نہ رفع ہوا ہے اور نہ رفع ہوگا۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَلْقِیْ اِیْمُوْا بِحُجْرَتِیْ وَلِذٰلِكَ خَلَقْتُمْ﴾

سوال۔ تو ہر بھڑک رہی بات آگئی کہ کتابوں کا نازل کرنا پیغمبروں کا بھیجنا فضول۔

جواب۔ نہیں فضول ہر گز نہیں دنیا کے قوانین بھی اللہ اور جبرائیل کی غرض سے بنائے جاتے ہیں اور پھر کئی اللہ انہیں ہوتا۔ اگر دنیا کے قوانین فضول ہوں اگر دنیا کے قوانین سے کچھ فائدہ نہ ہوتا ہو تو دین کے قوانین یعنی مذہب بھی فضول اور کس بھی بے سود محض خیال کیا جائے مگر دنیا میں جتنا کچھ امن ہے جتنی کچھ خیر ہے سب مذہب کی طفیل سے تو مذہب فضول کیوں ہونے لگا؟ اور پھر یہ بحث لیئے جاتی ہے جو قدر کی طرف جس میں غور اور غوض کرنے کی ممانعت ہے اور ممانعت کے

لے لیکن لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں مگر جس پر تمہارا پروردگار فضل کرے اور سی بیٹے تو ان کو پتہ لگایا ہے

علاوہ انسان کی فہم سے بالاتر ہوا اور اس کے حق میں مفید بھی نہیں۔

سوال۔ افسوس ہے کہ لفظوں کو بدل بدل کر مٹی مضمون کو بھردور کرنا پڑتا ہے و مذہب بکارا مدہو تو اُس کی اشاعت کیوں بکارا مدہو ہوا اور اشاعت بے فہام و تفہیم کے ہوتی ہو سکتی اور اُسکی اپنے مخالف ہیں۔

جواب۔ پیر نزدیک دین کی جس قدر اشاعت کو خدا نے انسان کے حق میں مصلحت سمجھا وہ ہو چکی اور یہ نکتہ جو ختم رسالت میں یعنی خدا نے ہمارے پیغمبر ﷺ علیہ الصلوٰۃ کو خاتم النبیین بنایا اور فرمادیا کہ اب ہماری طرف سے وحی کا بھیجا جانا ہمیشہ ہمیشہ کو بند۔ اس کی یہ معنی ہیں کہ دین مذہب کے متعلق جو کچھ خدا کو سمجھانا منظور تھا سمجھا جا چکا اور انسان کی ہدایت کے لئے اس کو کافی اور کافی سمجھا۔ اب یہ بکھبتنا غل و دنیا میں مح چکا ہے وہ قیامت تک فرو ہونے والا نہیں۔

سوال۔ فرو ہونے والا تو اسی سے نہیں کہ لوگ چرچا کرنے ہیں سو آپ نے چرچے کو منع کرتے ہیں۔

جواب۔ کچھ قانون کے منع کرنے سے لوگ جرموں سے باز آئے ہو گئے کہ پیر کی منع کرنے سے دین و مذہب کا چرچا چھوڑ دیں گے مگر یہ تو سمجھ کو زمانے کا رنگ دیکھ کر مصلحت وقت کیا ہے چرچا کرنے سے اصل غرض فوت ہوتی ہے۔ یوں تو ساری دنیا ہی عجائبات کا ایک طلسم ہے انسان خود عجیب طرح کا مخلوق ہے اور اس سے زیادہ عجیب ہے کہ مذہب مذہب نام ہو من سمجھوتی کا۔ کل خوب بے مادیہ فحون جس کا عقیدہ ہے۔ وہ اُس کو اور اسی کو اور صرف اُسی کو نجات کا رستہ سمجھتا ہے اور اپنی جگہ خوش ہے۔

سب کے من یعنی دل کیساں نہیں سب کے مزاج کیساں نہیں سب کی عقل کیساں نہیں سب کی تعلیم تربیت کیساں نہیں۔ سب کی صحبت کیساں نہیں سب کی سوسائٹی کیساں نہیں سب کی خواہشیں کیساں نہیں۔ سب کی ضرورتیں کیساں نہیں۔ کہ یہی سب چیزیں انسان کی لئے برائے کرتی ہیں سب کی من سمجھوتی بھی کیساں نہیں ہونی چاہیے۔ اور واقع میں ہو بھی نہیں اور ہو سکتی بھی نہیں کیوں کہ مذہب ٹھیرا یا ان بالغیب خدا کو لے جو (دین) جس فرقت کے پاس ہے وہ اُسی سے خوش ہے۔

کسی نے دیکھا نہیں بھالا نہیں۔ ایسا تو خدا جس کو ماننا پڑتا ہو یہ مذہب کا اصل الاصول۔ اس کے بعد کچھ اصلاح دینا ہو اور زیادہ تر اصلاح آخرت جس کے مقابلے میں دنیا کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کجا حیات پابندی اور کجا ساٹھ ستر برس اور اس کا بھی بھروسہ نہیں۔ انسان کی معلومات کا حال یہ کہ کوئی نہیں جانتا اور کوئی جان نہیں سکتا کہ کل کیا پیش آنے گا۔ مآندری نفس مآذ انکسب غذا تو جس کو کل کی اور کل کی بھی کسی اگلے لمحے کی بھی خبر نہ ہو وہ حالات بعد الحیات میں سائے زنی کرے کیا خاک مذہب کے بارے میں لوگوں کی ایسی مثال ہو کہ ایک ہو کو ٹھٹھری تیرہ و تاریک رات کا وقت اور رات بھی اندھیری۔ کوڑا بند۔ آگے سے پڑے ہوئے پر دے۔ اوپر سے ابر غلیظ کظلمات فی بحر حقیقتیشتاہ موج من قوتہ موج من قوتہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض اذا خرج یدہ لہ لیکدیراھا۔ ایسے وقت میں ایسی جگہ پر اٹھے لاکھیاں لے کر چلے مارنے کالی چنیوٹی۔ چنیوٹی تو کیا مار کھاتی لگے آپس میں سر پھٹول کرنے۔

سوال۔ حقیقت میں مذہب بھی عجیب چیز ہو!

جواب۔ بے شک۔ اور ابھی کیا ہو؟ اور سنو۔ یوں بہتری باتوں میں لوگ آپس میں اختلاف کیا کرتے ہیں۔

گہنائے رنگ رنگ سے ہر رونق چمن لے ذوق اس جہاں کو ہر ذریعہ اختلاف سے
اور اختلاف کسی قسم کا او کیسا ہی خفیف کیوں ہو اس میں کسی نہ کسی قدر مخالفت تو ہوتی ہی ہو۔ مگر مذہبی اختلاف تو عجیب طرح کا اختلاف ہو کہ یہ فوراً عداوت کی طرف نہر ہو جاتا ہو اور عداوت بھی ایسی سخت کہ وہ فریقین میں استیقام ہونے نہیں دیتی۔ دنیا میں جتنی خونریزی ابتداء سے آخر تک ہوتی ہو اگر اس کی

لہ جو کچھ (ماؤں کے) پیٹ میں ہو وہی اس کو بھی جانتا ہو اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ (وہ خود) کل کیا کرے گا۔
۱۵۰ (ان کے اعمال کی مثال) بڑے گہرے دیبا کے اندرونی اندھیروں کی سی (ہو) کہ دریا کو بہرنے
ڈھانک رکھا ہو اور (بہر بھی) ایک نہیں بلکہ (بہر کے) اوپر بہر اس کے اوپر بادل (غرض) اندھیر ہیں
ایک کے اوپر ایک کہ (دریا کی تہ میں کوئی آدمی) اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ سکے۔

ایک فہرست بنانی ممکن ہو اور بنائی جائے اور ہر ایک خود فریزی کے اسباب تحقیق کیے جائیں تو میرا خیال یہ ہو کہ دوسرے تمام اسباب کے نامہ اعمال میں ایک چھٹانک خود فریزی ہوگی تو مذہب کے نامہ اعمال میں ایک من یا اس سے بھی زیادہ۔ بلکہ وہ ایک چھٹانک جو دوسرے تمام اسباب کے نامہ اعمال میں ہوگی اُس میں سے بھی اکثر میں حضرت مذہب نے ضرور اپنی ٹانگ پھنسانی ہوگی کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بادشاہ بادشاہ لڑتے ہیں طمع ملک گیری سے لڑتے ہیں آپس کی ضد سے۔ اور نام کرتے ہیں کروسیا کا، جہاد کا، مذہبی لڑائی کا، گویا لڑائی ایک رنگ ہوا اِس میں شونہ اور پتنگی نہیں آتی تا دقتیں کس کو مذہب کا ڈوب دیا جائے۔ جس طرح سب سے زیادہ خود فریزی دُنیا میں مذہب کی وجہ سے ہوتی ہو اِسی طرح میرا خیال یہ ہو کہ دُنیا میں سب سے زیادہ گناہ مذہب کی آڑ میں ہوتے ہیں۔ خاص کر حقوق العباد کے تعلق یہ کہ کوئی نامعلوم ہو جائے کہ بکر کسی فردی؟ مسئلے میں سہی اُس کے ہم عقیدہ نہیں پھر عزت، ہمسائی، ہموطنی، انسانیت، بکر کے کتنے ہی حقوق کیونہ ہوں زید ہو کہ اُس کی نظر میں سب ضائع۔ پھر اِن فی طبیعت کو لکھتے ہیں تو نفوسِ قدسی کے سوائے کہ وہ اِس زمانے میں شاذ و نادر ہیں والنادک المعدوم کوئی نفس حسد خالی نہیں، تصور اہو یا بہت بہر شخص اپنی جگہ ہی چاہتا ہو کہ خدا کی معنی نعمتیں ہیں سب کا وہی ٹھیکہ دار ہو۔ تو عقل باور نہیں کرتی کہ ہمدردی تعصب مذہبی کی باعث ہو۔ یعنی شخص جو یہ چاہتا ہو کہ ساری دُنیا اُسی کی ہم عقیدہ ہو، کیا لوگوں کی خیر خواہی نے اُس کو اِس خواہش پر مجبور کر رکھا ہو اور اُس کو ایسا دل دردمند دیا گیا ہو کہ وہ لوگوں کو مبتلائے عذاب الہی دیکھ نہیں سکتا؟ اگر ایسا ہوتا تو اُس کی فیاضی دُنیا کی باتوں میں بھی ضرور ظاہر ہوتی۔ مگر دُنیا میں تو ہم کسی کو ایسا فیاض نہیں پاتے تو معلوم ہوا کہ عام خیر خواہی اور عام ہمدردی کے سوائے تعصب مذہبی کا کوئی اور سبب ہو اور وہ نہیں ہو مگر خود پسندی کہ اِن جب مذہب کے نامے میں ایک نام قائم کر لیتا ہو چاہتا ہو کہ لوگ بھی اُس کو تسلیم اور اِس کی تصویب کریں۔ یہ ہو اہل علم اُس تعصب مذہبی کی جو دبائے عام کی طرح لوگوں میں

پھیلا ہوا ہے۔

سوال۔ اس کا نتیجہ سونے اس کے ورکینا ہونا ہے کہ دین کا چرچا بالکل موقوف ہو جائے۔

جواب۔ موقوف ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ چرچا ہو اور ایسی بھونڈی طرح ہو کہ دنیا سے امن و عافیت اٹھ جائے اور لوگوں میں ایسی عداوت قائم ہو کہ سازگاری کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں

سوال۔ ہم تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ دین کی خدمت سے بہتر اور عمدہ اور شریف کوئی کام نہیں اور شاید ساری دنیا کا اس پر اجماع ہو اور یہ مذہب میں اس پیشوا واجب التعظیم سمجھے جاتے ہیں۔

جواب۔ اس سے کہ لوگ کیا کرتے اور کیا سمجھتے ہیں ہم کو کوئی بحث نہیں۔ ہم کو اتنی بات دیکھنی ہے کہ دین کی خدمت جس طرح بہرہ رہی ہے دین کے حق میں مفید ہے یا نہیں۔ سونیکڑوں برس کے تجربے سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اس طرح کی خدمت فائدے کی جگہ دین کو الٹا نقصان پہنچاتا ہے۔ دشمنیاں پھیلتی چلی جاتی ہیں اور اختلاف مذہب ہو کہ لوگوں کو متفق نہیں ہونے دین اور اس کا ضروری نتیجہ ہے ضعف، ماسوہ، جگہ ظاہر ہے جو شخص اچھے سے بودا اور غلط سے غلط عقیدہ بھی لکھتا ہے اس کے حکوم ہو سوسائٹی کا، تربیت کا، ملکی آہ ہو کا مزین شخصی کا، کچھ نہ کچھ تاویل کر لیتا ہے اور اپنی جگہ اس کو تسلی ہے اب جو اس کو اس خلاف سمجھایا جاتا ہے (بشرطیکہ سمجھانے کے طور پر سمجھایا بھی جائے) اس کی ضد بڑھتی اور غلطی پر اصرار کرنے لگتا ہے۔ اگر اُس کو اس کی آنکھ کا ناخن دکھایا جائے تو وہ ناخن کا علاج نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس خیال سے کہ اُس کی عیب جوئی کی گئی ہے اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ اُس نے میری آنکھ میں ناخن بتایا لاؤ میں اس کی آنکھ میں ٹینٹ دکھا دوں۔ اور کس کی آنکھ عیب سے خالی ہے و غرض؟ اُس کے نزدیک بھینکا ہے تو وہ اُس کے نزدیک کانٹا ہے۔ آنکھ کسی کی بھی صاف نہیں۔

سوال۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اختلاف مذہب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بڑے بگاڑ پڑ گئے ہیں مگر اس حالت میں ہم کو ضرور ہے کہ اپنے گروہ کو قوت دیں اور اس بڑھ کر کوئی قوت ہو نہیں سکتی کہ

لوگ کثرت سے ہمارے ہم عقیدہ ہوں۔ پس میں تو سمجھتا ہوں کہ ان دنوں مذہبی مناظرات کی سخت ضرورت ہے جو اب۔ اگر لوگوں کو حق کی تلاش ہو تو مناظرہ بھی کام آسکتا ہے ورنہ مناظرہ مذہبی سے بدرجہ کوئی چیز نہیں زمانے کا رنگ یہ ہے کہ نہ کہنے والوں کو اظہار حق کا تقاضا اور نہ سلیقہ اور نہ سننے والوں کو حق کی جستجو۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ جتنے مذہبی فرقے دنیا میں ہیں سب مباہتے اور مناظرے سے پیدا ہوئے ہیں اور مباہتے اور مناظرے ہی کے بل پر چل رہے ہیں۔ ایسا خیال تو صریح غلط ہے معتقدات مذہبی میں بہت سی باتوں کو دخل ہے جیسا کہ میں نے بار بار کہا ہے۔ ان میں ایک حق بھی ہے یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی تفتیش و تحقیق کے بعد ایک عقیدے کو حق سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔ لیکن ایسا بہت ہی کم ہے۔ اکثر بلکہ عام یہ ہے کہ جو شخص جس عقیدے کے لوگوں میں پیدا ہوا جس عقیدے کے لوگوں میں اُس نے تربیت پائی یا جس عقیدے کے لوگوں میں رہا اُن ہی کا سا عقیدہ اس کا بھی ہوتا ہے اور وہ صمیم قلب سے اسی عقیدے کو حق سمجھتا ہے اور اُس کے لیے حق ہے یہی۔ تو مذہب ایک متواتر چیز ہے جیسے مال و جان دیا جسمانی بناوٹ۔ پس ابتدائے عمر میں لوگ ایک عقیدے کے بیروں ہوتے ہیں اس واسطے کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کو اُسی عقیدے کی بیروی کرتے دیکھا ہے۔ بڑے ہو کر سو میں ننانوے تو آنکھ بند کیئے ہوئے اُسی عقیدے پر چلے جاتے ہیں۔ کوئی اکاؤٹا ایسا ہوا کہ اُس نے اُس عقیدے کی جانچ پر تال کی اور فرض کر و کر اُس کو اُس عقیدے میں کوئی نقص دکھائی دیا تو اُس نے وہاں اُس کی کچھ نہ کچھ تاویل کر لی غرض عقیدہ وہ کا وہی رہا۔ کوئی شاذ و نادر ایسا بھی ہوا کہ تاویل نہ کر سکا تو اُس نے عقیدہ بدل ڈالا۔ مگر ایسے لوگ کتنے ہیں اور کس حساب میں۔

سوال۔ لیکن دنیا میں مذہبی لڑائی اس قدر پھیل گئی ہے کہ اب چپ ہتے بھی تو نہیں بن پڑتا مگر؟

کہ ہم اپنی طرف سے چھڑ چھاڑ نہ کریں لیکن دوسرے بھی جین سے بیٹھنے دیں؟

جواب۔ یہ سچ ہے لیکن پھر بھی اس کے اسناد کی کوئی تدبیر ہو تو خاموشی ہے۔

سوال - خاموشی کا ایک بڑا زبون نتیجہ یہ ہو کہ اُس سے اپنا ضعف ظاہر ہوتا اور اپنے ہی گروہ کے لوگ شکوک اور شبہات پیدا کرنے لگتے ہیں خصوصاً وہ جن کی دینی معلومات بالکل نہیں ہیں اور ناقص ہو۔ تو کم سے کم اپنے گروہ کو سمیٹے رکھنے کے لیے تو مذہبی چھٹیڑھیڈ کا جاری کھنا پڑے ہی گا۔

جواب - میں تو دیکھتا ہوں کہ اب اس کا بھی وقت نہیں ایک بڑی خرابی جو اس شان میں ہو یہ ہو کہ آدمی دوسروں کے سنوارنے میں آپ بگڑتا ہو اُس کو دوسروں کی آنکھ کے ناخنے تو خوب سمجھ پڑتے ہیں اور اپنی آنکھ کا ٹینٹ نظر نہیں آتا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ وہ اپنے تئیں مقبول و رد و سرفراز مرد سمجھنے لگتا ہو۔ اُس کی ساری مذہبی معلومات دوسروں کو ملزم ٹھیلے کے لیے ہوتی ہیں اور وہ خود پابندی شریعت سے سستی۔ لوگوں میں پناہ مذہبی وقار قائم رکھنے کے لیے اُس کو مذہبی احکام کی پابندی کرنی پڑتی ہو تو وہ پابندی نفاق و ریاکاری میں داخل ہو۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہو کہ محلے میں لگی آگ، یہ دوسروں کی آگ سمجھنے میں رہا اور اپنا گھر جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اور چون کہ کہتا ہو اور کرتا نہیں اس کی بات لوگوں کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی۔ یہ بنتا ہو واعظ اور حقیقت میں ہو افسانہ خواں۔ لوگوں کو راہ بتاتا اور آپ دندھے منہ اندھے کوئے میں گرتا۔

سوال - تو آپ کے نزدیک جیسا منظرہ دیا وعظ۔

جواب - ہاں میرا تو اب ہی خیال ہو۔ قباحت سے تو ایک بھی خالی نہیں۔

سوال - پھر دین کیسے تو کس سے سیکھیں اور کیوں کر سیکھیں؟

جواب - اپنے نفس سے۔

سوال - عی۔ خفتہ را خفتہ کئے کذبیدار؟

جواب - نفس انسانی خفتہ نہیں ہو اس کو غفلت جیتا جاگتا پیدا کیا ہو اور وہ ہر وقت بُرے بھلے میں مبتلا کرتا رہتا ہو۔ مگر آدمی خود اُس کو تھپک تھپک کر سلانا ہو اور اُس کی فریاد نہیں سننی چاہتا۔

کیا استغفرت قلبک کا گولڈن رول ذہن سے اُتر گیا کہ جب کسی بات کے اچھے یا بُرے ہونے میں تردد واقع ہوا کرے تو اپنے دل سے پوچھ لیا کرو: وہ نیک ہے یا بد کے شناخت کی کسوٹی ہے؟ دنیا میں بہت سے مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں، مگر ہر فرد بشر پر ایک قدرتی سزا دہندہ مسلط ہے کہ انشئیں یعنی نفسِ قلم کہ اس کی سزا پناہ نہیں اور وہ سزا کیا ہے؟ انسان کا آپا اپنے تئیں طاقت نہ کرنا، ظالم ظاہر جسمانی سزا دے سکتا ہو مگر وہ ایسی موذی نہیں ہوتی جیسی روحانی سزا اُس کی کچی ماہر اور بڑے بڑے ٹرے بڑے بڑے میکڑاں کے آگے پیس بول گئے ہیں اور مرتے دم اقرار ہی کرتے بن پڑا ہے۔ ایک دیہاتی نے جنابِ سولیِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حضرت میں ایک اُن پڑھ دیہاتی آدمی ہوں۔ نہ تو حاضر خدمت رہ سکتا ہوں اور نہ دنیا کے کام دھندے سے زیادہ فرصت پاسکتا ہوں۔ مجھ کو تو کوئی مختصر سی بات فرمائیجئے کہ میں اُس پر کربند رہوں اور وہ میری نجات کے لئے کافی ہو۔ آپ نے سورہ زلزال اُس کو پڑھ کر سنا دی جس میں حاثاتِ قیامت کا بیان ہے اور آخر میں استغفرت قلبک کے طلب سے ملتا ہوا ایک جلد پر تھونِ عیلمِ متعال ذکرِ تغیرِ ابد و من یعلمِ متعال زمرۃ شرابیہ یعنی جو شخص دُنیا میں ذرہ بھر نیکی کرے گا قیامت کے دن وہ بُرائی اُس کے آجائے گی اور جو شخص دُنیا میں ذرہ بھر بُرائی کرے گا قیامت کے دن وہ بُرائی اُس کے آجائے گی۔ وہ دیہاتی یہ سن کر رخصت ہوا اور کہتا جاتا تھا خدا کی قسم اس میں ذرا کمی بیشی نہیں کروں گا۔ اور اُس حضرت جلیلینِ خدمت فرماتے تھے کہ جتنی نہ دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لو۔ لوگوں نے بہت جھان جھان کر دین کو کر کر کر دیا ہے ورنہ دین سے زیادہ سہل و سلیس کوئی چیز نہیں۔ اس کا تقاضا انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور ایک ہادی اور راہِ نما اس کے ساتھ ہے بلکہ انسان علیٰ نفسہ لہ یوقہ و لوالہی معاذیرہ یعنی ملے تو جس ذرہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اس (نیکی) کو دیکھ نہ سکے گا اور جس ذرہ بھر بُرائی کی (ہوگی) وہ اس (بُرائی) کو دیکھ نہ سکے گا۔ بلکہ (خود) انسان اپنے تئیں جہتِ بد کو وہ اپنے تئیں جہتِ خوب ثابت کرنے کے لئے کہتے ہی (پہانے پیش لایا کرے)۔

انسان کیسے ہی جیلہ ہانے کرے وہ اپنے نفس کے عیب صواب خوب دیکھتا ہو۔

دین کا دستور العمل

سوال۔ توحید طبع پیغمبر صاحب اُمر پہاٹی کو ایک مختصر سی بات تعلیم کر دی اور اُس کی تسلی ہو گئی اسی طرح میری حالت کے مطابق آپ ایک مختصر دستور العمل میرے لیے تجویز کر دیجئے۔

جواب۔ بسر چشم دین کا لب لباب ہو معرفت نفس۔ یعنی اپنے تئیں پہچاننا کہ ہم کیا ہیں۔ اب کہو تو اس کی کچھ تفصیل کر دوں اور کہو تو خاموش رہوں۔

سوال۔ بہنیں تفصیل کی تو سخت ضرورت ہو تا کہ آپ کا مطلب اچھی طرح میرے ذہن میں بٹھ جائے۔

جواب۔ اپنے تئیں پہچاننے کی کوشش کر دے تو پاؤ گے کہ آدمی بھی ایک طرح کا جانور ہو گا اس کا بہت سی ادائیہ جانوروں کی طرح چلتا پھرتا کھاتا پیتا سوتا بچ دیتا کا احساس رکھتا ہو۔ لے کاش وہ نہ جانور ہوتا۔ پیا ہوا، ایک وقت خلس تک زندہ رہا، مگر کیا تو کچھ بھی نہ تھا، خس کم جہاں پاک۔ مگر مصیبت یہ ہو کہ اس کو عقل دی گئی ہو جو اس کو جینے نہیں دیتی۔

یوں آدمی اپنے زور و ظلم سے جو چاہے کر گزرتے مگر جانور اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے نہ کھیتی کرتے نہ کپڑا بناتے نہ گھر بناتے اور آدمی کا بے اس کھڑاگ کے گزر نہیں۔ عقل بتاتی اور یہ سب بکھیرے کرنے پڑتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوکی حال میں فرمایا ہو تختہ دھماکا و تروح بظانا اور کاش

عقل اتنے ہی کام کی ہوتی کہ ساز و ساز و سامان معیشت کے ہم پہنچائے میں مدد کرتی اور بس نہیں، وہ بتاتی ہو کہ اس کل رخا نہ دنیا کا اور خود آدمی کا کوئی خالق اور بننے والا ہو اور آدمی کے ساتھ خدا کی انجانئیں کی بلکہ سچ پوچھو تو درے درے کی ذمہ داریاں متعلق ہیں۔ گناہ دواع و کما کہ مسئلہ عربیہ

وقتی ضرورتیں اور ترغیبات ایسی پیش آجاتی ہیں کہ آدمی کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو پھر بھی اپنے فرائض کو ملے صبح کو کھلے بھوٹے شام کو ٹوٹ کر آئے پیٹ بھرے۔ ملے تم سب کے سب چرواہے ہو اور تم سب کے سب تمھاری رعیت کی بابت سوال کیا جائے گا۔

پورا پورا ادا نہیں کر سکتا اور نہیں کرتا تو اُس کا دل اُس کی ملامت کرتا ہو اور نہ صرف ملامت کرتا ہو بلکہ اُس کے ذہن میں یہ بات جاگ رہی ہو کہ زندگی دُنیا پر خاتمہ نہیں ہو جو کچھ اس زندگی میں کرتے ہیں۔ بڑا یا بھلا مرے پیچھے اُس کا خمیازہ بھگتنا ہو ہو نہیں سکتا کہ ہم جانور بن جائیں، ہو نہیں سکتا کہ ستر عقل کو نکال ڈالیں، ہو نہیں سکتا کہ ایسے خیالات کو ذہن میں لے دیں۔ بس یہی دین ہو۔

سوال۔ ایں! میں نے تو آپ سے دستور العمل کی درخواست کی تھی۔

جواب۔ یہی دستور العمل ہو کہ اپنی حالت میں غور کرتے رہو جب سمجھو گے کہ تم کیا ہو تو ضرور یہ بھی سمجھو گے کہ تم کو کیا کرنا چاہیے۔ دین تمہاری سمجھ سے باہر کوئی چیز تم سے نہیں چاہتا۔ وہ ضرور چاہتا ہو کہ سمجھ سے کام لو۔ بس میں نے دین کے متعلق اپنے ضروری خیالات ظاہر کر دیئے ہیں اس پر بھی تم کو کوئی شبہ ہو تو بیان کرو میں جواب دینے کو موجود ہوں۔

سوال۔ آپ کی تقریر میں تو مجھ کو کچھ بھی شبہ نہیں اور یوں تو دین کے متعلق میرے پاس شبہات کے انبار کے انبار ہیں۔ اور گو اس وقت مجھ کو کچھ بوجھتے نہ بھی بن پڑے تاہم مجھ کو توقع نہیں کہ دین کی طرف سے میرا دل کبھی مطمئن ہوگا۔

جواب۔ بے شک جس کو تم نے دین سمجھ رکھا ہو اُس کی طرف سے مطمئن ہونا تو مشکل ہو گا اور سوس کی بات ہو کہ جس چیز کو خدا نے دل کے اطمینان کے لئے بنایا ہو لایذا کو اللہ تعالیٰ اقلوب۔ وہی تمہاری بے اطمینانی کا باعث ہو۔ اس کا علاج تو دعا کے سوائے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

مذہبی شکوک اور اُن کا دفعیہ

میرا بھی قریب قریب تمہارا ہی سماں تھا بلکہ شاید جس بھی بدتر اور جس کو انگریزی تعلیم جھوٹوں بھی چھو جائے گی قسم کھانے کی بات ہو کہ اُس کا ایسا ہی حال ہوگا۔ وہ کہے یا نہ کہے ظاہر کرے (اگر بہت والا ہو)

لے سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو نستی ہو ہی کرتی ہو۔

یا چھپائے (اگر دل کا بودا ہو) میں ایک دیندار کے گھر میں پیدا ہوا اور کہہ سکتا ہوں کہ گھڑوں کی دیکھا دیکھی میں بھی داخل عمر میں دیندار تھا اگر میں اس وقت واپس طح کی دینداری کو دینداری کہہ سکوں شامت جو آتی تو مجھ کو سرکاری کالج میں داخل کر دیا گیا۔ باوجود اسے کالج پادریوں کا نہیں بلکہ سرکاری تھا اور اس میں دینی مذہب سے کچھ بحث نہ تھی اور میں انگریزی بھی نہیں بلکہ عربی پڑھتا تھا، تاہم چونکہ ہر قسم کے لوگوں سے ملنا جھٹنا ہوتا تھا مخالف آوازیں کان میں بڑنے لگیں بہت دن نہیں گزرے تھے کہ میرے مذہبی خیالات میں تزلزل پیدا ہونا شروع ہوا۔ نماز پہلے گڈنے (زہنی) پھر نذرہ۔ اور ع خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری؟ دو چار دفعہ بڑوں کے پاس بڑھنی بڑی تو بے وضو ہی بڑھواوی۔ پھر عیسائیت کی طرف رجحان ہوا تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ ریائی نمازوں کی التحیات میں اللہ تعالیٰ کی جگہ اللہ تعالیٰ کی جگہ اللہ تعالیٰ کی جگہ اللہ تعالیٰ کی جگہ۔ مگر حضرت عیسیٰ کا خدا اور خدا کا بیٹا ہونا دل میں کچھ اچھی طرح جھٹانے لگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جگہ اللہ تعالیٰ کی جگہ۔ عبد اللہ و رسولہ کہنے لگا۔ منہ سے اقرار دل سے انکار غرض میں کسی وقت عیسائی تھا، کسی وقت مسلمان کسی وقت کچھ بھی نہیں۔ میں اس کی بھی کوشش کرتا تھا کہ مذہبی خیالات کو سرے سے سر میں آنے ہی نہ دوں۔ مگر کوئی نہ کوئی اتفاق نا ملائم پیش آتا ہی رہتا تھا کہ وہ خدا سے بالعلق محض نہیں ہونے دیتا تھا اپنی بے اختاری دیکھ کر دل سہارا ڈھونڈتا تھا۔ بس یہ ایک چیز تھی جو مذہب کے خیالات کو مٹنے نہیں دیتی تھی۔ اسی حیز میں کئی برس گزر گئے ہیں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میری عمر کا کوئی حصہ اب انہیں گزر چکا ہے۔ ہر وقت میں مذہبی خیالات میں متغیر رہا ہوں۔ دُنیا کے بہت سے کام کاج کرنے کو تھے۔ اُن سے فرصت پاتا اور آدمی کی جون میں ہوتا تو نہ ہیکہ بھی خیال کرتا کہ کبھی گرویدہ اور کبھی یا کھل رہے تھے۔ اُکھڑا ہوا۔ اسی تردد کی حالت میں بھوٹ نہ بھوٹے میں نے علم کلام کی پچاسوں کتابیں دیکھ ڈالیں لیکن کسی ایک سے بھی تسلی نہ ہوئی اور تسلی ہوتی تو کیوں ہوتی

عیسائی مثلاً مسلمان پر ایک اعتراض کرتا ہے کہ مسلمان اس اعتراض کو تو نہیں اٹھاتا مگر ویسا ہی یا اس سے بھی بدتر اعتراض عیسائی پر چڑھتا ہے۔ میری طبیعت پر اس سوال کا جواب کا اثر یہ ہوتا کہ دونوں سے بد عقیدت۔ آخر کتاب میں نے علم کلام کی کتاب لکھنے سے تو توبہ کی کیونکہ ان کو العلم حجاب الابرار کا مصداق پایا۔ اب مجھ کو بالکل یقین ہو گیا کہ میں اسی مذہب اور تزلزل کی حالت میں مروں گا۔ لیکن اس تصور سے جیسی ایدہ مجھ کو ہوتی تھی بیان نہیں کر سکتا۔ وقتاً فوقتاً خدا سے دعا بھی مانگتا لیکن کن لفظوں کے لئے خدا اگر دفع میں تو ہو تو مجھ کو اس حیرت سے نجات دے۔ مباحثے اور مناظرے سے قطع نظر کر کے اب میں آپ ہی مذہب کی دھڑیل میں رہا۔ جب موقع ملتا کیسلا بیٹھا یا پڑا سوچا کرتا۔ شدہ شدہ میرے وہ خیالات ہو گئے جو میں نے تم پر نظر کر کے۔ اگر بعض یا سب کے سب غلط بھی ہوں تاہم میرا دل مطمئن ہو کیونکہ میں نے ان کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور مجھ کو جتنی سمجھ دی گئی ہو اس سے بڑھ کر مجھ سے باز خواست نہیں ہو سکتی لا یشکلف اللہ نفساً الا ما اٹھنا اب بھی مجھ کو کبھی کبھی اختلافات اور اعتراضات کا خیال آیا کرتا ہے۔ لیکن پہلے جو مجھ کو پہاڑ معلوم ہوا کرتا تھا اب میں اس کو بھونک مار کر اڑا دیا کرتا ہوں۔ میں نے اصول ہی ایسے پھیر رکھے ہیں کہ وہ اعتراضات کو اپنے پاس تک نہیں پہنچنے دیتے۔

سوال - وہی اصول تو میں معلوم کرنے پر پابند ہوں۔

جواب - عقل ان فی کی نارسانی اور انہی ہندیا کی خیر منانی۔

سوال - یہ تو آپ نے ایک پہیلی ہی کہہ دی۔

جواب - پہیلی نہیں ہے بڑے کام کی بات ہے۔ جتنے مذہبی اختلافات دیکھتے ہو اگر بلکہ عموماً ان ہی دو قسموں کے ہوتے ہیں۔ یا تو ان عقل سے وہ کام لینا چاہتا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

لہٰذا خدا جسے جتنا دے رکھا ہے اس سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینی نہیں چاہتا۔

بجائے خود اکل دوڑاتا ہو اور ایک کی مت دوسرے نہیں ملتی جب ایسی بات تھاکے سامنے آئے فوراً اُس کا نہ کہش ہو جاوے اور سمجھ لو کہ ایسی باتوں میں غور کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اختلاافات کی دوسری بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی ناحق شیخی میں آکر یا جھوٹ موٹ خیر خواہی جنہاں دوسرے مذہب کے درپے ہوتا ہو۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ تقاضائے حقانیت ہی ہو تاہم شیخ فرض کو چھوڑ کر نفل پر دوڑتا ہو۔ اُس کو چاہیے پہلے اپنے نفس کی اصلاح جس کے نیک بد کی اُس کو خدا کے یہاں چل کر جواب دہی کرنی ہو وہ اپنی توخیر نہیں لیتا اور قاضی جی کیوں پہلے شہر کا ندیشے سے مود سروں کی فکر سے نجات نہیں۔ پس بھائی ہمارے تو یہ دو ٹپکے ہاتھ لگے ہیں۔ اپنی ضرورت زیادہ مذہب کے غم کو پاس نہیں لے دیتے اور شکر ہو کہ بڑے ائمہ الطینات سے زندگی بسر ہوتی ہو میں نے سمجھ لیا تھا کہ مذہب کو ذریعہ الطینان تسلّی ہونا چاہیے سو یہ صفت ان ہی خیالات میں پائی۔ ہاں ان خیالات پر بھی اس بات کا کھٹکا تو ضرور لگا رہتا ہے کہ فالِ نفسانیت میں مجھ سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ تو حسیہ چاہیے خدا ہی کے حقوق ادا ہوتے ہیں اور بندوں کے۔ مگر خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے میں اپنی مختصرت کی طرف سے ناامید بھی نہیں ہوں۔ مذہب تو پوری تسلّی دے مگر اپنے کردار پر بھی تسلّی ہونے دیں۔

سوال۔ اپنے اختلافات کی بھول بھلیوں میں سے نکلنے کے لیے کیا سلسلہ اختیار کیا تھا۔

جواب۔ سب سے پہلے خدا کے بارے میں جہاں تک عقل نے یاری دی اپنے خیالات کو راسخ کیا۔ خدا کی نسبت لوگوں کے جیسے جیسے خیالات ہیں کچھ سننے سنانے معلوم تھے کچھ کتابوں میں پڑھے تھے۔ ان سب کو سوچا سب کو غور کیا تو جو خیالات اسلام تعلیم کرتا ہے سلیس قریب الفہم و قرین قیاس معلوم ہوئے بس ایک ایسی چیز کو پکڑ لیا اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ محاکمہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ میں نے دین کو سمجھا ایک عمارت اور خدا شناسی کو اُس کی بنیاد عمارت جس کی بنیاد درست نہیں گو وہ کیسی ہی نقش و نگار و رسا و ساقی آراستہ کی گئی ہو وہ بالکل ناقص و غلط ہے شفا جبروت ہمارے نزد ملے کھانے پر رہنے کا ریکہ جو گرنے کو ہو رہا ہو۔

اذا اولت الامرض زلزالها کا وقت۔ پہلے ہی جھکوے میں یہ عمارت نہ ٹکڑ ٹکڑ چائے تبھی کہنا اور جب سلام کی طرف سے پوری تسلی ہو گئی تو مزید تحقیقات کی ضرورت باقی نہ رہی کہ لوگوں کی سمجھنا دیکھنا ہے یا نہ۔
سوال مصیبت یہ ہو کہ خود اسلام بھی تو اختلافات سے خالی نہیں۔

جواب۔ بے شک۔ اس واسطے کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف واقع ہوتی ہیں لیکن ان اندرونی اختلافات کا رفع کر دینا کچھ بھی تو مشکل نہیں اختلافات کے رفع کرنے سے میری یہ مراد نہیں کہ تم ان اختلافات کو بنیائے معدوم کر دو گے۔ یہ اختلافات دُنیا کے ساتھ ہیں، نہ اُس سے جدا ہوئے نہ اُس سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ اُس سے جدا ہوں گے۔ بلکہ میری مراد یہ ہو کہ اختلافات تم کو حیران و پریشان نہیں کریں گے۔

مقلدوں اور غیر مقلدوں کے جھگڑے

یہ اختلافات اکثر فروعی اور غیر ضروری باتوں میں ہیں جن کی مطلق پروا نہیں کرنی چاہیے مثلاً آج کل مقلدوں اور غیر مقلدوں کے اختلافات نے مسلمانوں میں بڑا تفرقہ ڈال رکھا ہو اور وہ لڑتے ہیں کہ کن باتوں پر کہ نمازیں آئین پکا کر کہنی چاہیے یا آہستہ ہاتھ سینے پر باندھنے چاہئیں یا اس نیچے ہٹا کر صف نمازیں مقتدیوں کو پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑا ہونا چاہیے یا پاؤں جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب وہی کہ نماز نام ہی حرکات خاص (قیام و رکوع و سجود وغیرہ) کا اوضاع خاص پر جو شائع سے منقول ہیں یعنی ہم کو اسی طرح پر نماز پڑھنی چاہیے جس طرح پر خود بغیر صاحب کے پڑھی، مگر تیرہ سو برس کی بات۔ اوضاع میں اختلاف یقین کے درجے تک۔ اوضاع کا متعین ہونا مشکل لیکن ہم دیکھتے ہیں تو ان اوضاع مختلف فیہ میں کوئی بھی شرط نماز نہیں شرط نماز ہو طہارت، استقبال قبلہ، قنارت، قیام وغیرہ اور یہ شرطیں تو ظاہر کے اعتبار سے ہیں اور ان کی تعمیل چنداں دشوار بھی نہیں ہر کوئی کر سکتا ہو اور کیا ہی کر تا ہو ایک شرط اعظم ہو حضور قلب جس کی بڑی ٹیڑھی کھیر ہو۔ وہ ہزاروں میں کسی ایک بندہ خدا سے ملتا ہوتا ہوگی۔

لے جب زمین بڑے زور سے ہلادی جائے۔

اور یہ شرط فوت ہو تو سر سے ناز ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ نیکی ہر باوجود گناہ لازم۔ بے ادبی اور گستاخی سمجھی جائے تو عجب نہیں۔ بادشاہوں کے بادشاہ دونوں جہان کے مالک اپنے خالق و رازق کے روبرو کھڑا ہوتا۔ آپ کیسے ہیں اور دل کہیں۔ یہ خدا کو دھوکا دینا اور اس کے ساتھ کھیل کرنا نہیں ہو تو کیا ہو؟ حضور قلب نہیں ورنہ فرضاً نماز پیغمبر کی نقل بھی کر لی اُن ہی کی طرح پُکار کر آمین کہی۔ اُن ہی کی طرح بیٹنے پر ہاتھ بندھیں عینچہ آدم نے مکہ کو زمین ہم تو کیا اس سے نماز مقبول ہو گئی؟ جس کے ایسے خیالات ہوں وہ ہر ایک نازی کے ایسے ہی خیالات سمجھنے چاہئیں وہ کیا پروا کر سکتا ہو کہ آمین پُکار کر کہی یا آہستہ، ہاتھ بیٹنے پر باندھے یا نیچے ہٹا کر۔

سوال۔ یہ اختلافات تو فروع میں محض بے وقعت ہیں۔ مگر ان لوگوں میں بڑا اختلاف تقلید کا ہے۔
جواب۔ وہ بھی رفعِ یقین اور آمین بالجہر کے اختلاف کی طرح بے وقعت ہے۔ ائمہ اصول میں اختلاف نہیں کرتے۔ اُن کے اختلاف بھی فروع میں ہیں یا قیاسی باتوں میں جن کے لئے ان کو نص شرعی بہم نہیں پہنچی۔ علاوہ بریں سوچنے اور خیال کرنے کی بات ہو کہ کتنے مسلمان اس بیانت کے ہیں اور اُن کی دینی معلومات اس درجے کی ہو کہ اُن کو ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔ یا وہ ائمہ کے اختلاف میں محاکمہ کر سکیں۔ پس ایسے لوگوں کو یعنی اس ملک کے اور اس وقت کے مسلمانوں کو تقلید کے سوائے اور کیا چارہ ہو۔ رہی بیانات کہ نص شرعی کے ہوتے دیدہ و دانستہ اُس کے خلاف امام کی راستے پر عمل کیا جائے شاید کوئی حق سے احمق مسلمان بھی اس کا قائل نہیں بغرض سارے فساداتِ ہند اور سخن پروری کے ہیں ورنہ مسلمان کو مسلمان سے اختلاف کرنے کے معنی کیا ہے؟

سُنی شیعوں کا اختلاف

سوال۔ بھلا سُنی شیعہ کے اختلاف کو آپ نے کیوں کر رفع کیا ہے؟

جواب۔ میرے یہاں یہ بھی غیر ضروری میں داخل ہے۔

سوال۔ غیر ضروری!

جواب۔ جی ہاں غیر ضروری بالکل غیر ضروری۔

سوال۔ یہ کیوں کر؟

جواب۔ یہ اس طرح کہ خدا کو دین اسلام کا جاری کرنا منظور تھا۔ لوگوں کے معتقدات خدا کے بارہ میں اس قدر یہودہ ہو گئے تھے کہ ان کی دھرت سے نظام عالم میں فتور واقع ہو چکا تھا۔ ان غلطیوں کی اصلاح کے لئے خدا نے پیغمبر آخر الزماں کو مبعوث کیا۔ ان پر قرآن نازل فرمایا جسے مانوس عقائد کا تعلیم کرنا تھا کہ جیسے کسی نے بھڑوکے چھتے کو چھڑ دیا۔ پیغمبر صاحب کے لوگوں کے ساتھ مطارحات پیش آئے۔ مباحثے اور مناظرے ہوئے اور جیسا کہ سنا ہے اور مناظرے کا ہمیشہ انجام ہوا کرتا ہی کشت و خون کی نوبت پہنچی جس کا نتیجہ اٹھی یعنی: لا یلعیٰ یہ ہوا کہ ادھر اسلام پھیلتا جاتا تھا اور ادھر روکھن میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوتی جاتی تھی۔ پیغمبر صاحبؐ و عمرؓ میں صرف پیغمبر تھے اور آخر آخر میں پیغمبری کے علاوہ بادشاہ بھی۔ خدمت پیغمبری تو کبھی متواتر ہوتی نہیں اور اس کو متواتر ہونا چاہیے بھی نہیں۔ پیغمبری ایک فضیلت خاص ہے جس کے لئے خدا اپنے بندوں میں اُس کو جو فی علم اللہ اس کا اہل ہوتا ہو منتخب فرمالیتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل درسا لئلا پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے ساتھ پیغمبری کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وحی کا انا موقوف۔ مگر قرآن جیسا اور بقینا خدا کو انا کرنا تھا پیغمبر صاحبؐ کے جتنے جی مدون ہو چکا تھا۔ اور وہ دین کے لئے کافی اور کافی ہے حسب کتاب اللہ اگر پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے بعد دین کے لئے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی ضرورت تھی تو وہ ایسی ہی ضرورت تھی جیسی مسئلہ بتانے و منیات کا درس دینے اور وعظ کہنے کے لئے مولویوں کی ضرورت ہے۔ مگر سلطنت جانشین کے بدو ایک لمحہ بھی نہیں چل سکتی تھی چنانچہ اس جانشینی کا سلسلہ ایک وضع پر چلا۔ اب اس میں غور و خوض کرنا کہ واجب ہو یا غیر واجب مناسب یا نامناسب لے خدا جس جگہ اپنی پیغمبری (کی امانت سپرد) کرتا ہے وہ (اس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی) خواہتا ہے۔

جو لوگ جانشین ہوئے مستحق تھے یا غاصب۔ یہ اسی قسم کی بحث ہو کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا شاہ کی جس کو نہ دین کچھ تعلق اور نہ دین اس کا متقاضی۔ یہ بحث اب تیرہ سو برس بعد کیا فائدہ دے سکتی ہو یا اُن ہی وقتوں میں جب کہ بیجان شینیاں ہو رہی تھیں اس بحث نے کیا فائدہ دیا ہوئے والی بات کو کون روک سکتا تھا۔ ولایت کے کی کلب میں ایک مرتبہ یہ بات زیر بحث تھی کہ جلال الدین گبر اور عالم گیر اور نگ زیب دونوں میں کون اچھا بادشاہ تھا کچھ لوگ کہہ کر جانب اسکا اور کچھ عالم گیر کے باتوں باتوں میں ٹکرا رہے پڑی طرفین میں بعض بعض ایسے تیز مزاج تھے کہ فرانس کے علاقے میں جا کر ڈیوئل لڑے میں تو ان میں اور سنی شیعوں میں کچھ بھی فرق نہیں کرتا۔

سوال۔ سنی شیعوں کے اختلاف کو اُس اختلاف پر جو اکبر اور عالم گیر کے بارے میں کیا جائے قیاس کرنا بڑی بے انصافی ہو سنی شیعوں کا اختلاف اختلاف ہو اُن لوگوں کے بارے میں جو غیر صاحب کے حواری اور شاگرد اور بعض اُن بہت پاس کے رشتہ دار اور اُن کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کے معاملات پیغمبر صاحب کی تعلیم یعنی اسلام پر اثر کرتے ہیں۔ یہ اختلافات یوں پھری طور پر نہیں جانی جاسکتے۔

جواب۔ ابھی دین کے بارے میں تمھارے خیالات ہی کا ٹھکانا نہیں۔ سب سے زیادہ مکرہ پر ایسا جو اس اختلاف کے لیے اختیار کیا جاسکتا ہو یہ ہو کہ وہ لوگ پیغمبر صاحب کے حواری اور شاگرد اور قرابت مند اور اُن کے تربیت یافتہ ہو مگر خلافت یعنی سلطنت کے لیے لڑے اور ضرور ہو لیکن دو مخالفوں میں ایک حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر۔ تو جو ناحق پر تھا کیوں اُس کو جانشین پیغمبر اور کیوں اُس کو واجب الادب مانا جائے۔ طلب سلطنت کو اُن لوگوں کی شان کے خلاف سمجھنا پہلی غلطی تو یہی ہو۔ دنیا اور دین میں جو علاقہ ہو اسلام بہت اس کی توضیح شاید کسی مذہب نے نہیں کی شروع سے اس کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کی اور غلطی کی وجہ واقع ہوئی دنیا کی بے ثباتی، بے ثباتی کے خیال سے دنیا کو جس قدر حقیر و ذلیل سمجھا جائے بجا اور درست۔ مگر وہ دینی ہی حقیر اور ذلیل ہو جیسے بلغم میں بہا کا موسم

کہ چند روزہ تو ہی مگر جودن ہوا ایسا کون سا کوڑ مغز ہو جس کو بھلا نہ لگے اور رنگ برنگ کے پھولوں کو دیکھ کر سو نکھ کر اُس کا دل باغ بلغ نہ ہو جائے۔ بے ثبات ہو تو اور چند روزہ ہو تو، مگر دنیا کو بھی خدانے کسی مصلحت سے بنایا ہو رشتہ اما خلقت ہذا باطلا یہ کہاں کا دین ہو کہ دُنیا میں اتنے کیڑے ڈالے جائیں کہ اُس میں رہنا حرام اُس کو طلب کرنا منع۔ ایسا دین کبھی چلا ہو اور چل بھی سکتا ہو؟ اسلام کی یہی تو بڑی عمدگی ہو کہ وہ ہر بات میں فطرت انسانی کے مطابق ہو۔ اُس نے لوگوں کو ہرگز تقدس ادعائی اور زہد ریاہی کی تکلیف نہیں دی اور دنیا جہان میں منادی کر دی۔ **اَلَا رَہْبَانِیۃُ فِیْہِ لَا سَلاَمَ اَوْ رَہْمٌ حَوْمَزِیۃُ** اللہ الہی اخراج لعیادہ الطلیبات من الوزق پھر پیغمبر صاحب کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو کو ان کا اصلی دعاؤ نیامیں خلیئے واحد کی پرستش اور حسن معاشرت کا قائم کرنا تھا مگر اس فکر سے بھی غافل تھے کہ مسلمانوں کی ایک خاص سلطنت قائم ہو اور اگرچہ تھوڑی مہلت پائی مگر جب تک تمام جزیرہ عرب کو مطیع نہیں کر لیا انتقال نہیں فرمایا۔ تو قرآن اور مومن پیغمبر کے ہوتے یہ کہنا کہ اسلام ترک دنیا کا متقاضی ہو صریح بہتان ہو۔ ہاں اسلام یہ ضرور چاہتا ہو کہ دُنیا کو نیکی اور حُسن معاملہ کے ساتھ برتو۔ تو اگر پیغمبر صاحب کے رفقاء اُن کے شاگردوں نے اُن کے عزیزوں نے سلطنت کی خواہش کی اور خواہش کے ساتھ منافست یعنی ہر ایک دعوے دار نے چاہا کہ یہ نعمت اُسی کے ہاتھ لگے، تو میں نہیں سمجھتا کہ اس خواہش اور منافست اُن کے اسلام میں کیوں فتور واقع ہونے لگا۔ اب بھی مسلمانوں میں چھوٹی چھوٹی بے حقیقت باتوں کے لیے کشمکش ہوتی رہتی ہو۔ ایک داعی ہوتا ہو دوسرا مدعا علیہ اور ولایت تک متعلیٰ لڑتے چلے جاتے ہیں لہٰذا پروردگار تو نے دُنیا کو بے کار محض تو نہیں بنایا۔ لہٰذا اسلام میں جو کی سنیاسی بننے کا کچھ کام نہیں بنایا۔ لہٰذا زینت کی چیز ہوا جس نے اپنے بندہ کو کیسے ایجاد کی ہیں اور مزے دار کھانے ان کا حرام کرنے والا کون۔

اور کبھی کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ اس مقدمہ بازی سے کوئی فرق دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہر ایک فعل کا بُرا یا بھلا ہونا موقوف ہو نیت پر نیت کا حال صاحب نیت اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی جان نہیں سکتا۔ ہاں بعض قرائن سے تحریری یعنی اُکھل کی جاسکتی ہے سوچن لوگوں کی کشمکش پر یسوی شیعوں کا اختلاف مبنی بران کے خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد کے حالات دلالت کرتے ہیں کہ انھوں نے دنیوی اغراض کی طمع سے خلافت یعنی سلطنت کی آرزو نہیں کی بلکہ ایسی میں اسلام کا فائدہ سمجھا کہ زمام سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لیں۔ انھوں نے حکومت سے کوئی خط نہیں اٹھایا۔ انھوں نے بیت المال کی رقم کو ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر حرام سمجھا اور کوڑی کوڑی پر جان دی۔ انھوں نے سلطنت کو ودیعت الہی سمجھا اور جس خیال سے لی تھی اسی خیال سے بھائی کو نہیں بیٹے کو نہیں جسے اہل سمجھا حوالے کی اور پیغمبر صاحب کی حیات میں سلام کی جیسی جیسی انھوں نے خدمتیں کیں کوئی ایسا ہی ہٹ دھرم ہو تو ان کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ دے۔ اس روداد پر کیوں کر کہا جاسکتا ہو کہ انھوں نے غضباً طمع دنیا کی وجہ سے خلافت طلب کی تھی۔ غایت مافی الاباب یہ کہ انھوں نے اپنے استحقاق کے اندازہ کیسے میں غلطی کی ہو۔ تو کیا اس ایک غلطی کی بدولت میں ان کے تمام عمر کے حقوق فراموش کر دیئے جاسکتے ہیں۔ حاشا تم حاشا۔ اہل لم کو تو کوئی پاتا نہیں ورنہ مسلمان کی زبان پر ان اختلافات کا نام بھی تو نہیں آنا چاہیے۔ لوگ مذہبی تقدس کی ڈکوتا اونچا لے گئے ہیں کہ سارا رگ بے مناسبت ہو رہا ہو۔ ان کو انسانیت کے جلے میں نہیں دیکھ سکتے اور گو منہ سے نہیں کہتے مگر ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل دین دار وہ ہے جو فرشتوں کی طرح تمام انسانی کمزوریوں انسانی خواہشوں سے مطلقاً بری ہو۔ جب مجرور دین دار ہونے کے بجائے یہ قید ہو تو پیغمبر کا کیا پوچھنا ہو، لوگوں کا بس چلے تو

اُسے آدمیت کو چھوٹے بھی نہیں پیغمبر کی نسبت ان کو اس قسم کے خیالات تھے۔ وَقَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كِتَابٌ وَجَاءَ مَعَهُ مَلَائِكَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَأَبْلَسُنَا بِهِ ثُمَّ لَوَدَّعَيْنَا رَبَّهُ لَخَبَّرُونَاهُ مَا يَصَدِّقُهُمْ فِي الْقُرْآنِ عَلَى رِجْلِ الْقَرِيظِينَ عَظِيمٍ۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّحْيِي الْهَمَمِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ۔ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُن مَعَهُ نَذِيرٌ أَوْ يُلْقِي إِلَيْهِ كِتَابًا وَتَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجَّرَ الْأَنْهَارُ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقَطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْهِمْ كُفْرًا أَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ نَقِيرًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ نُفُوزٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُفُوقِكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا بَابٌ مُّقَرَّرَةٌ۔

ان چند باتوں سے جو صرف نمونے کے طور پر بیان کی گئی ہیں یہ گنتا ہوں کہ لوگوں کے خیال میں پیغمبر کو کیسا ہونا چاہیے تھا۔ دیوٹک بالترتیب فرشتہ، شانِ خدائی لینے ہوئے پیغمبر صاحبِ نبی سی بہتیری کی کہ ان کی نسبت ایسے خیالات نہ کیے جائیں اور ان کے اصرار سے اور پکار پکارا مانا بشیرِ مشکافانے سے ان خیالات میں بہت کچھ کی ہوئی تھی مگر لوگوں کے اصلی رجحان طبیعت کو کیا کیا جلتے رنگ کٹ گیا مگر وجہ باقی

لہ اور کافریت میں رسول کا یہ حال دیکھنا کھانا اور یا ناز و نس میں جیتا پڑنا ہی نہ اس پر غیب سے کوئی خزانہ نازل ہو یا اس ساتھ اس کی اور کوئی فرشتہ کیوں آیا۔ اسے اور ہم نے جو رسول بھیجے اپنی ہی قوم کی بولی میں گفتگو کرتا ہو بھیجا کہ لوگوں کو سمجھا سکے۔ اور پیغمبر ہونے سے پہلے بھی رسول بھیجے وہ بیسیاں بھی رکھتے تھے اور اولاد بھی۔ یہ کہ مدینہ دوبرے شہر ہیں اس میں کس کی آوی پیر قرآن نازل کیوں نہ ہوا۔ اور پیغمبر ہونے سے پہلے بھی تعصبات لوگوں کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی تھی اور ہم نے پیغمبروں کو ایسے جتنے نہیں دیتے تھے کہ ان کو کھانے کی ضرورت نہ ہو اور وہ لوگ سراسر کو دنیا میں اپنے دلتے تھے۔ اسے حق پھر کے کس کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ اس کے ساتھ ہو کہ لوگوں کو عذابِ الہی سے ڈر دیا اس کے پاس غیب سے خزانہ آسمانی یا کوئی باغ ہوتا کہ اس کی پس بھاری کھاتے۔ لہ اور کافریت میں کہ پیغمبر ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں مگر یہ کہ تم ہم میں سے یا ایک جشمہ جاری کر یا تمہارا کوئی باغ ہو اس میں چھو اسے اور انکو پہلے ہوں اور تم اس کے پیچھے نہیں جاؤ یا وہ جو دھکا مار کرے تھے آسمان کے تیرے ہم پر زب و یا اللہ اور فرشتوں کو سانسے لاکھڑا کر دیا جسے چاندی کا ہمارا گھر ہوا۔ آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے جد و جہد سے ملے نہیں مگر یہ کہ ہم پہ کتا بل ترے اور ہم آپ اس کو پڑھیں۔

اُن ہی خیالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ پیغمبر کے رفیق پیغمبر کے عزیز پیغمبر جیسا تقدس اور تقدس بھی وہ تقدس جو انھوں نے سمجھ رکھا ہو نہ سکتے ہوں تو انہیں میں کے فرق سے اس کے لگ بھگ ہوں۔ یہ ہر صلی جبرئیلی شیعوں کے اختلاف کی۔ لوگوں نے پیغمبر صاحب کے خانگی حالات کی ٹوہ لگائی تو معلوم کیا کہ باپ توشیر خواہی جھوڑے تھے پیغمبر صاحب نے داد کے کنارے طفت میں پرورش پائی پھر داد کا سایہ بھی سر پر سے اُٹھ گیا تو چپانے سر پرستی کی۔ یوں پیغمبر صاحب نسب میں حسب میں خدا خواستہ کسی سے بیٹے نہ تھے مگر پھر بھی تھے غریب آدمی۔ اور خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ نبی بنی تھیں مگر کتب بڑی مال دار اور ملک شام کے ساتھ اُن کی بڑی تجارت تھی۔ اُن کو ستدین کا زندے کی تھی تہجہ۔ انھوں نے پیغمبر صاحب کی دیانت امانت راستبازی میں معاملت کا حال سنا تو ان کو مال تجارت دے کر شام کو روانہ کیا اور یہ پیغمبر سے پہلے کی بات ہو۔ بھلا جس شخص کو خدا نے پیغمبری کے لیے منتخب کیا ہو اور وہ تجارت کرے تو اُس تجارت میں برکت نہ ہوتی ہو تو ہو۔ اس پھر سے میں خدیجہ کو توقع سے بہت بڑھ کر نفع ہوا اور اُن کے غلاموں جو مال کے رکھ رکھاؤ کے لیے ساتھ تھے پیغمبر صاحب کی ہر طرح کی کفالتیں بیان کیں۔ خدیجہ تو پیغمبر صاحب کی گرویدہ ہو گئیں اور پیغمبر صاحب کے نکاح کا پیام دیا۔ اور خدیجہ کی قدردانی اور پیغمبر صاحب کی احسان شناسی۔ باوجودیکہ خدیجہ بیوہ ہونے کے علاوہ پیغمبر صاحب کے بندہ برس بڑی تعین پیغمبر صاحب کے منظور فرمایا۔ یہ پیغمبر صاحب کے دنیا داروں کی نظروں میں ایکے قار پیدا کیا۔ ہم تو پیغمبر صاحب کی اس بات کے قائل ہیں کہ باوجود کے عرب میں متعدد نکاح کر لینے کا عام رواج تھا مگر خدیجہ کے ساتھ پیغمبر صاحب نے اس قدر مروت برتی کہ جب تک زندہ رہیں دوسرے نکاح کا خیال بھی تو نہیں کیا جس طرح خدیجہ کے مال میں خدیجہ پیغمبر صاحب کے شمول سے برکت دی تھی اسی طرح اُن کے نکاح میں بھی برکت دی کہ بیٹے بھی ہوئے اور بیٹیاں بھی ہوئیں سو بیٹے تو خدا کی مرضی سے زندہ نہ رہے بیٹیوں میں صرف حضرت فاطمہ پیغمبر صاحب کے

بجعتی رہیں وہ بھی چھ مہینے۔ ادھر خدیجہؓ کا منہ تھا کہ پیغمبر صاحب کناح کا قصد نہیں فرماتے تھے ان کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحبؐ کئی مہیناں کیں جن میں حضرت ابو بکر خلیفہؓ اول کی بیٹی ام المومنین عائشہؓ سربراہ تھیں۔ ایک تو پیغمبر صاحب کی ازواج طاہرات میں صرف حضرت عائشہ تھیں جن کے پہلے شوہر پیغمبر صاحب تھے۔ دوسرے ان کے باپ کے پیغمبر صاحب اور اسلام پر بڑے حقوق تھے کہ وہ سب کے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ اور شرف سے آخر تک برابر جان و مال دونوں سے پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اچھے خوش حال آدمی تھے۔ مگر سارا مال پیغمبر صاحب اور اسلام کی تائید میں خرچ کر کر کے آخر کو خالی ہاتھ رہ گئے۔ ہجرت اُسن نازک درجان جو کھوکھلے وقت میں کہ کافروں نے پیغمبر صاحب کے مار ڈالنے کے منصوبے کر لیے تھے اور پیغمبر صاحبؐ مفر سامان رات کو کٹے سے تھپوٹے گئے تھے اور نظر ظاہر کوئی اُمید نہ تھی کہ صحیح سلامت پہنچ کر جانیں گے پہلی بو بکرتے جنہوں نے پیغمبر صاحبؐ کا ساتھ دیا۔ مخالف جو چاہیں تھے اور جو چاہیں کہیں ان نعمات کو کون ٹاسکتا ہو کہ پیغمبر صاحبؐ کناح بھی گئے تو ایسے وقت کیے جب بانی کی شورشِ فرد ہو چکی تھی اور اکثر بڑوں کے ساتھ اور سیوک کے ساتھ کہ ان کے حالات پگھلائے کہتے ہیں کہ ان کو زوجیت میں لینا ان کے حفظِ مرتبت کے لیے تھا، یا ان کی دجوتی کی سی، یا اسلام کی خاطر ان کے سیکے ٹانوں کی استقامت کے لیے۔ بہر کیف پیغمبر صاحبؐ کی ازواج طاہرات میں حضرت عائشہؓ سب میں سربراہ تھیں۔ ادھر حضرت فاطمہؓ تھیں تو بیٹی مگر عائشہؓ سے عمر میں بڑی صاحبِ اولاد و کران ہی سے پیغمبر صاحبؐ کی نسل چلی اور سیدہ کملئے پھر بیٹی بھی کس ماں کی تھیں؟ خدیجہ الکبریٰؓ کی جن کے احساسات اور حسنِ معاشرت کو پیغمبر صاحبؐ تک جیسے ہمیشہ یاد کیا گئے۔ غرض عورتوں میں حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کو پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ بے دینے کی خصوصیت تھی اور ان دونوں میں بقا قصائے بشریت ایک طرح کی کشیدگی ہا کرتی تھی حضرت عائشہؓ کا حال یہ تھا کہ پیغمبر صاحبؐ مہینوں کی باری باندھ رکھی تھی۔ لیکن ان پر تو کسی کا قابو نہیں چلتا۔

لوگوں کو میلان طبع معلوم ہوتا۔ اُم المؤمنین سوۃؓ نے تو اپنی باری تکلیطوع خاطر عائشہؓ کو
 مے دی تھی۔ اور میل ملاپ والوں میں کسی کو کچھ تھکھا لفت بھیجنا ہوتا تو عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی باری کا
 انتظار کرتے جانتے تھے کہ پیغمبر صاحب کی اصلی بی بی وہی ہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ غفرلہا بیٹی مگر حبیب
 والد نیر گواری خدمت میں تشریف لائیں تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ بیٹھنے کو اپنی رواج چاہتے۔
 گھٹنوں تنخلیہ کرتے۔ ان دونوں کا رشتہ ہی ایک دوسرے سے کشیدہ ہے۔ کا تھا۔ بیٹھیں ان لوگوں کے حالات
 پڑھو تو وہ لوگ بھی ہم ہی جیسے آدمی تھے۔ ہم ہی جیسی طبیعتیں۔ اسلام نے ان کے معتقدات کو بدل دیا تھا ان کے
 معلومات کی اصلاح کی تھی، نہ ان سے انسانیت اور شریعت سلب کر لی تھی لکن ابائل خلق اللہ پیغمبر
 کی ازواج طاہرات میں قریب قریب ایسی طرح کے محاسنات تھے جیسے اس زمانے کی سوکھوں میں
 ہوتے ہیں۔ خدیجہ الکبریٰؓ عنہا اگر زندہ ہوتیں اور پیغمبر صاحبؐ ان کی زندگی میں عائشہؓ کے
 ساتھ نکاح کر لیتے تو دونوں میں سوکھتات کا رشتہ ہوتا اب حضرت فاطمہؓ اپنی ماں کی قائم مقام تھیں
 اور عائشہؓ سے انکی رکاوٹ بدی ہوئی بات تھی۔ پس اب یہیں سے فیصلہ کر لو کہ ان دونوں کی
 رکاوٹ اور کشیدگی کو خود ان دونوں کے اسلام میں پیغمبر صاحب کی پیغمبری میں ہم امتیوں کے
 دین و مذہب میں کیا دخل ہو۔ اگر ایسی ایسی باتوں سے اسلام جانے لگا تو دنیا میں کبھی کوئی مسلمان تھا
 نہ کوئی اب ہو اور نہ کوئی آئندہ ہو گا۔ مسلمانانِ درگور مسلمانانِ در کتاب اور حیا و فاضل کیا اسلام جاتا رہا
 تو کس کا؟ انھیں کاجو ایک دوسرے سے کشیدہ ہے پیغمبر تک اس کا اثر کیوں تعدی و جہل و بھڑکے کے ساتھ
 ہم بچا ہے امتیوں کا کھن کیوں بیسا جانے لگا غضب کا۔ خدا کو ایک ان میں پیغمبر و قرآن اور آخرت سب کو
 برحق، نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، حج کریں، زکوٰۃ دیں اور بھر دوزخی کے دوزخی کیوں ہمارے لیے
 کہ عائشہؓ اور فاطمہؓ ایک دوسرے سے روٹھی رہتی تھیں۔ اچھا پھر ہم کیا کریں؟ ہمارے اختیار کی بات ہے؟

لہٰذا خدا کی (بنائی ہوئی) بناد میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔

ہم نے ان کو لٹوایا یا اب ہم ان کا لاپ کر سکتے ہیں، پیغمبر صاحب نے ان کو ملانا چاہتا رہے ہیں ہی نہیں۔ عائشہؓ تو فاطمہؓ کا کیا کر سکتی تھیں کیونکہ فاطمہؓ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ نسبت جزیئہ تھی، مگر ان ایک عائشہؓ کے موقع پر فاطمہؓ کے شوہر حضرت علیؓ نے پیغمبر صاحب کے عائشہؓ کے چھوڑ دینے کی ضرورت ملح دی تھی۔ عورت کو گھر کے اُچڑنے کا بڑا صدمہ ہوتا ہے اور پھر گھر بھی عائشہؓ کا سا گھر کر دین کی پیغمبری اور دنیا کی بادشاہت۔ عائشہؓ نے انہیں انہیں تو پیغمبر صاحب کی بی بی مگر بھیہ بھی تھیں تو آدمی ممکن نہیں کہ حضرت علیؓ کی صلح کی خبر نہ ملی ہو، اور خبر ملے پیچھے جیسا کچھ مال ان کو علیؓ کی طرف سے ہوا ہو گا اور رہا ہو گا نظر رہا۔ پھر اس نکاح میں نہیں سکتا کہ حضرت علیؓ مخالفت کے دعویدار ضرور تھے، اور کیوں نہ ہوتے، پیغمبر صاحب کے بعد وہ ادا کہو، بیٹا کہو، بھائی کہو، یہی ہی تھے۔ اور چند در چند قریبوں کے علاوہ علم و فضل اور شجاعت میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، اور سب تھاق ایک طرف اور فاطمہؓ کا موجود ہونا ایک طرف، کوئی ہر جوتے تھا تو کے ہوتے سلطنت جیسی چیز کو چھوڑ بیٹھے، اور یہ نہ صرف علیؓ کا خیال تھا بلکہ سیرا و احادیث کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب کے تمام قرابت مندان جدی کا یہی خیال تھا، دوسرے دعویدار بھی کہیں سے رستہ چلتے نہیں آئے تھے۔ ان کو بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ طرح طرح کی خصوصیتیں تھیں اور سب پر فائق یہ کائنات کا رنگ دیکھ کر اپنی میانی کا یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ کامیاب ہوئے بھی شاہجہان و شاہ چار بیٹے چھوڑ کر مرے، کوئی محلات شاہی کی طرف داری پر نازاں تھا، کوئی اراکین سلطنت سے ملا ہوا تھا کسی کو اس کا گھمنڈ تھا کہ میں عین قوت پر بادشاہ کے پاس ہوں، اور آسانی سے خزانہ اور قلعہ اور لوازم شاہی پر قبضہ کر سکتا ہوں۔ کوئی اپنی تدبیر اور حکمت علی پر بھروسہ رکھتا تھا، انہی سب جھوٹا عالم گیر، اور آخر کار اسے سانسے کسی کی بھی نہ چلی میں خیال کرتا ہوں کہ خلافت اسلامی کا بھی یہی حال ہوا۔ اے اٹلے وہ جو اُس کے اٹلے کی تدبیر کر سکتے تھے اور ان کے بعد کی کارروائیوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اس کے اہل بھی تھے۔ اس بات کو تو عقل قبول نہیں کر سکتی کہ پیغمبر صاحب نے کسی کو بتعین و تخصیص اپنا

جانشین کیا ہو جو شخص ایک نیا مذہب چلا کر لوگوں کو سیکڑوں ہزاروں برس کے معبودوں کی پرستش ان کے عزیزان کے مال اسباب ان کے وطن چھڑا دے، جو شخص تمام جزیرہ عرب بندہ تمام دنیا میں ایک تہلکہ مچا دے، جو شخص ہزاروں لاکھوں خون کرائے، اُس کو اپنے جانشین کا تسلیم کر دینا کیا مشکل تھا؟ اُس کو اپنے اتباع پر وہ اقتدار حاصل تھا جو کسی بادشاہ کو گو وہ کیسا ہی جاہل اور زبردست کیون ہو نہ کبھی حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو سکتا ہو۔ وہ لوگوں کی نصف اس چند روزہ زندگی پر حکومت کرتا تھا۔ انما تقضیٰ هذه الحیوة الدنیا بکلاء اُس نے دلی ابدی لازوال زندگی پر بھی۔ وہ نہ فقط جموں کے ہلاک کر دینے پر قادر تھا بلکہ روحوں کے تباہ کر دینے پر بھی۔ ہاں تنا ضرور ہوا کہ شیخ صاحب آدمی تھے کثیر العالاق دین سے آدمی بھی ڈرتے ہی ڈرتے کہا ہی بہت روک کے ساتھ طے طرح کی خصوصیتیں رکھتے تھے اور کبھی کبھی اظہار احسان مندی یا دل ہی کے طور پر تحسین اور شاباش کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ اُس کو کسی نے جانشینی کی بشارت سمجھ لیا ہو تو اس کی خوشی جو شخص سب سے زیادہ غیبی کی فائزے منادی ہوا وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ باپ اور باپ دونوں کی جگہ پر منبر صلیبے اور باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کی سرپرست بڑھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ اور نمک بر جرح و ترکہ پدیری باغ و فکرا دعویٰ کرنا اور قہرے کا بار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا مگر اُن کے صبر و ضبط اُن ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی ان ہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ ہیں ان لوگوں کے جنھوں نے ان کو رنج دیتے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی، یہاں تک کہ ان لوگوں کے اپنے جانے پر آنے کی بھی سنا ہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئے واللہ وانا الیہ راجعون۔ مائیکان کا غصہ کسی قدر بچا بھی ہوتا ہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے فاطمہ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل نہ بھی تھے برائے نام خلافت دے دی جاتی اور آپ نظام کیا ہوتا خیر خلافت تو کون دے دیتا تھا۔

مگر تاریخ مذکر کے دے دینے میں ایسی کوئی قیادت تھی۔ غایت مافی الباب حدیثِ نبویؐ کا بیان ہے کہ لا نزلت ولا نزلت ما ترکنا صدقہ کے خلاف ہو نہ ہو گناہ اگر ہو یا تو فاطمہؑ کو ہونا کہ وہ بیانی ہو کہ صدقہ کھائیں۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیتِ نبویؐ کو بغیر صواب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نالائق اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور سکاظ جو ہونا چاہیے تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور شدہ شدہ منجر ہوا اُس ناقابلِ برداشت واقعہ کر بلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملتی مشکل ہو۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہو کہ اگر پرچ پوچھو تو دُعا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ ہم کو تو اس واقعہ کا خیال کر کے وہ یہود کا قلم لفظوں نبیاء اللہ ان کتہہ مؤمنین یاد آ جاتا ہے کیا بات کا بتنگڑ بن گیا کہ کچھ کہتے نہیں بن پڑتی۔ عیسائی بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردے کی قید لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دے کر عورتوں کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بییمیاں بہیمیٹیاں لوٹ پیوں سے بدتر ہوئی نہ ہوئی برابر مگر ایسی ہوئی نہ ہوئی برابر ہیں کہ اُن عورتوں ہی کی وجہ سے مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں ایک دوسرے کے مخالف۔

سوال۔ اچھا پھر آپ سنی ہیں یا شیعہ؟

جواب۔ نہ مسلمان۔ نہ سنی۔ نہ شیعہ۔ سنی شیعہ بننے کا ابقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ زندہ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں تم کو دکھاتا کہ سنی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں مگر فرض کیجئے کہ آپ اُس زمانے میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے؟

جواب۔ جو شخصِ فحاشات کو مذہب میں آنے دے وہ فحاشات کو مذہب میں کیوں داخل دینے لگا؟

سوال۔ یہ تو ملنے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹانٹا تو نہیں۔ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں یہ فضول کچھڑوں کو مذہب متعلق نہیں سمجھتا۔

سوال۔ تو یوں کہتے کہ آپ کی سنی سنی شیعہ کسی سے نہیں ملتی۔

جواب۔ پوری پوری تو سنی شیعہ کسی کی رائے سے بھی نہیں ملتی۔

سوال۔ مہربانی فرما کر اس کی ذرا صراحت کیجیے۔

جواب۔ دُنیا کے اعتبار سے تو میں شیعہ ہوں یعنی اگر میرے ہوتے وہ واقعات پیش آئے ہوتے تو میں غالباً اہل بیت کا ساتھ دیتا، نہیں معلوم اُس وقت میری پرانی ہوتی باز ہوتی مگر جہاں تک ان جھگڑوں کے حالات مجھ کو معلوم ہوئے ہیں اگر بس یہی ہیں میں تو مر جاتا اور حضرت فاطمہؑ کی نگہ پر میل نہ آنے دیتا اور جو کچھ وہ فرماتیں بجا یا بے جا سمجھتا ہوں اُس میں فرق نہ کرتا اسلامی سلطنت ہستی پاتی اور جاتی ہی کیوں۔

سوال۔ بھلا آپ کی شیعیت تو معلوم ہوئی اب یہ فرمائیے کہ آپ سنی کیوں کہیں۔

جواب۔ ہاں سنی اس طرح پریموں کہ جو لوگ خلافت پر قابو پا گئے جہاں تک سلام کا تعلق ہے ان کو بھی اسلام کا خیر خواہ اور نہ صرف خیر خواہ بلکہ اُچھٹا ہوں اور کسی طرح کی نیت بدلتی کی طرف منسوب نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔

سوال۔ تو آپ کئے سنی ہیں۔ پھر آپ اپنے تئیں کس بات میں مستثنیٰ کرنا چاہتے تھے ؟

جواب۔ اس بات میں کہ سنی ان جھگڑوں کو جزو دین قرار دیتے ہیں اور مجھ کو ان واقعات انکار کرنا پڑتا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں کسی طرح بخشش اور کشیدگی اور رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ انکار بجا نہیں ہے میں کہتا ہوں تھی اور ضرور تھی اور ہونی چاہیے تھی۔ اور آخر کار وہ ظاہر ہوئی ہے ہوئی اور بُری طرح پر ہوئی لیکن اس کو دین سے کچھ سروکار نہیں نہ ہمارے دین سے اور نہ خود ان کے دین سے۔ لوگوں نے خدا میں اور رسول میں اور نبی میں اور دنیا میں عجیب غلط بحث کر رکھا ہے پیغمبر میں وہ تقدس چاہتے ہیں جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ فرشتوں کو بھی اُس کی ہوا نہیں لگی اور نہ صرف تقدس بلکہ ایک طرح کی خدائی۔ خدا اور رسول کو تو اب گندہ کیا ہو کہ

دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ وہی یہود اور عیسائیوں کا سازگ ہو کر انھوں نے اپنے پیغمبروں کو
 اتنا بڑھایا اتنا بڑھایا کہ بیٹا بنا کر خدا کی گود میں جا بٹھایا۔ مسلمانوں نے بھی باوجودیکہ سارے قرآن سے
 توحید پڑی پڑی پڑ رہی ہو اور پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخصت بند یوں میں کوشش کا کوئی دقیقہ ٹھانہا
 رکھا۔ قبر شریف کی نسبت بتا دیتے ہیں کہ خیر وار جو میری قبر کو مسجد بنایا ہو گا۔ اُن کو کیا خبر تھی
 کہ اُن کی اُمت کے کتنے بزرگوں کی قبریں مسجد بنائی جائیں گی، لوگ مرے ہوئے بزرگوں کو جس سے
 کریں گے، اُن سے حاجتیں مانگیں گے صحابیہ بعض لوگ ملک فارس کے بادشاہوں کا ادب
 قاعدہ دیکھ کر آئے تھے، چاہا کہ اسی طرح کی تعظیم پیغمبر صاحب کی کریں۔ یہاں تعظیم کے لیے لوگوں کا
 سرو قد کھڑا ہوتا تاکہ ناگو اور تھا کہ کہیں تعظیم کی عبادت نہ بن جائے۔ کسی بات کی نسبت ایک شخص کے
 منہ سے نکلا اگر خدا اور اُس کا رسول چاہے اور یہ کام اب ہم لوگوں کو روزمرہ ہی آپنے سخت ناخوش ہو کر
 فرمایا کہ تم مجھ کو خدا کا شریک بناتے ہو۔ غرض باوجود کہ سارے قرآن سے توحید پڑی پڑی پڑ رہی ہو اور
 پیغمبر صاحب نے بھی اس کی رخصت بند یوں میں کوشش کا کوئی دقیقہ ٹھانہا نہیں کھا اس پر بھی سلمان احمد بلائم تک
 تو کہہ کرے کہ یا ابن اللہ سے بھی بڑھ کر پیغمبر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانو تم جیسے چاہے اہل کتاب کے
 قدم اقدم چل کر رہو گے سو ہو رہا ہے۔ اور خدا اور رسول کے ایک ذات کر دینے کے پیچھے پڑے ہیں
 اور اُدھر دنیا اور دین میں ایسا بیڑا ڈال رکھا ہے کہ کسی طرح دونوں میں التباس نہیں ہو سکتا۔
 ایسے ایسے بکھڑے دین کو لازم کئے جائیں گے تو وہ دین اختلاف سے محفوظ رہ نہیں سکتا۔ دین کی
 نسبت میں نے جو اپنا خیال بنا ہر کیا تمہاری تسکین کے لیے اس کی سندیں ایک حکایت بیان
 کرتا ہوں کہ جب کُحد تو سستی ہو گئی۔ اُس لڑائی میں مسلمانوں کے پاؤں کھڑکے تھے۔ گیسے لوٹ پوٹ
 کفار نے مکین میں سے نکل اُن پر تیروں کی ایسی زبردستی کی کہ بھاتے ہی بن پڑی اور بھاگے بھی
 تو ایسے بدحواس ہو کر کہ پیغمبر صاحب کی بھی خبر نہ لی۔ اُسی گھبراہٹ میں کسی دشمن نے یہ بھی اڑادی

کہ خدا نخواستہ پیغمبر صاحب توشہید ہوئے۔ اس مسلمانوں کو اور بھی بے دلی ہونی کہ اب کہاں کا دین اور کیسا اسلام ناحق اپنے لوگوں سے بھی کیوں بگاڑے۔ اُدھر پیغمبر صاحب شہید تو نہیں مگر ہاں زخمی ہوئے تھے اور گونشک منتشر ہو گیا تھا مگر پھر بھی کچھ آدمی پیغمبر صاحب کے ساتھ لڑنے مرنے کو طیارہ موجود تھے۔ آخر پیغمبر صاحب کے چچا حضرت عباسؓ نے کہ وہ بڑے جہید الصوت آدمی تھے خوب زور سے لکھاراکہ لوگو کہہ رہا ہے کہ پیغمبر صاحب تو یہ موجود ہیں ادھر آؤ۔ اس آواز کا کانوں میں بڑنا تھا کہ سارے مسلمان سمٹ آئے سب سے مل کر کفار پر حملہ کیا اور مار پٹایا۔ اس لڑائی کا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں دما تھیلالا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبہ فلیں لہ فی اللہ شیئا لینی محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں تو اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم نے پاؤں کسی شرک بت پرستی کی طرف پھروٹ جاؤ گے اور جو اٹے پاؤں شرک بت پرستی کی طرف پھروٹ جاؤ گے تو وہ خدا کا کیا بگاڑے گا۔ اس سے یہ بات نکلی کہ دین خدا کا ہے اور پیغمبر صاحب کو خدائے دین کی تعلیم کے لئے مامور فرمایا تھا۔ اگر وہ دنیا میں نہ بھی ہوں جیسا کہ سخت افسوس ہے کہ وہ تیرہ سو برس نہیں ہیں تاہم ان کے نہ ہونے سے دین میں کسی طرح کا خلل واقع نہیں ہونا چاہیے بس اب تم آپ انصاف کر لو کہ پیغمبر صاحب کے حواریوں اور شاگردوں اور رفیقوں اور عزیزوں کی باہمی شکر و تحویلوں اور کشیدگیوں کو دین میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ پیغمبر صاحب کے بعد دین کے لیے کسی نائب یا خلیفہ یا امام کی بھی ضرورت ہی نہیں۔

ملہ اور محمد اس سے بڑھ کر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے (اور) بھی رسول ہو کر گئے ہیں اگر محمد اپنی موت سے مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اٹے پیروں (کفر کی طرف) پھروٹ جاؤ گے اور جو اٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائیگا وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

فرقِ صوفیہ

سوال۔ یہ تو بڑا بھاری جھگڑا تھا اور آپ نے بڑی ہی آسانی سے اس کو حل کیا یہ کیوں کر ہو گیا؟

جزاک اللہ خیر۔ اسی طرح کوئی بیانِ شافی صوفیوں اور سنیوں کے بارے میں بھی فرمادیجئے تو میں شاید کچھ زیادہ تکلیف زدوں۔ ہر چند کئی شیعوں کا تو اختلاف نہیں مگر خدا ایک سول یک قرآن ایک کھڑا لگا لگا کرتے کیسے؟

جواب۔ لوگ تو مولویوں کے در کے مارے اپنے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں مضائقہ کیا کرتے ہیں کہ اب نہ ہو کفر کا فتویٰ جاری کر دیں اور تم چاہتے ہو کہ صرف مولوی نہیں بلکہ تمام اسلامی فرقے اور ہندو اور عیسائی اور یہود وغرض ساری دنیا مجھ کو کافر بنائے کیوں کہ میری مت کسی سے نہیں ملتی میری مت تو یہ ہے کہ میرے سوائے کسی کا مذہب ٹھیک نہیں اور سب کا ٹھیک ہی۔

سوال۔ یہ تو عجیب بات ہے۔

جواب۔ بے شک عجیب ہے۔ مگر اسی وقت تک کہ تم نے اس کو سمجھا نہیں سمجھ پیچھے کچھ بھی عجیب نہیں۔

سوال۔ تو میں سمجھ بھی چکا۔

جواب۔ اہی تم سمجھو اور تمہارا اچھا سمجھنا بات معقول ہو اور یہاں کہنے والا بھلا ہے نہ نادان کیوں سمجھو؟

سوال۔ بھلا فرمائیے تو ہسی۔

جواب۔ میرے نزدیک مذہب شخصی چیز ہے۔ یعنی ہر شخص اپنا مذہب لکھتا ہے نفسی نفسی (ذرا ذرا کا

دور آخری یوم لیکھ لکھ منی اخیہ دامہ وصاحبہ و بلیہ کل موعہ منہم یومئذ شانِ یغنیہ

ان باتوں سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا عقیدہ یا عمل اس کے سوائے کسی دوسرے کے کلام نہیں۔

میرا مذہب میرے لیے ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ اس سے مجھ کو اطمینان ہے اور میں اس کے

لے اور قیامت کے دن، کوئی شخص کسی دوسرے کا بار (گناہ) اپنے اوپر نہیں لے گا۔ تھ حرمِ دینی (ایسی نفسی نفسی عملی کار) آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی جوڑ اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ان (رشتہ داران) میں سے ہر شخص کو اس دن (اپنی اپنی نجات کا) فکر لگنا ہو گا۔

ذریعے سے نجات آخرت کی امید رکھتا ہوں۔ رہے دوسرے لوگ مجھ کو ان کے مذہب سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور چونکہ ان کے مذہب سے کام نہیں لے سکتے ہیں ان کو اپنے لیے کیونکر ٹھیک کہہ دوں۔ کان پور میں ایک شخص نے کسی بلٹن کے موزوں ٹھیک کیا۔ وہاں چمڑے کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے موزے طیار ہو گئے تو وہ ان کو بلٹن کے سارجنٹ کے پاس لے گئے جس کی پسند پر موزوں کا پاس ہونا موقوف تھا وہ سارجنٹ تھا ذرا خوش مزاج سا آدمی۔ ٹھیک دار صاحب نے پوچھا کیوں حساب سب ٹھیک ہے سارجنٹ نے کہا سوائے اس ایک کے تو تم میرے لیے نبوا کر لائے ہو کوئی بھی ٹھیک نہیں۔ یہ سن کر وہ ٹھیک دار بہت رست پڑا یا آخر کو سارجنٹ نے کہہ دیا کہ اور سب موزوں کو نادرست بتانے سے اُن کا کیا مطلب تھا جیسے میں تم کو سمجھا دیا کہ میں دوسرے مذہبوں کی غرض سے کہتا ہوں کہ ٹھیک نہیں۔

سوال۔ بات تو معقول ہے۔ اچھا آپ نے سب کو ٹھیک کیا کیوں کر کہا؟

جواب۔ یہ بھی بتا ہی دوں، سب کو ٹھیک کہا مثل حزب بے الدیہم فحون کے لحاظ سے ہر شخص عقل رکھتا ہے اور عینی اور حسی جس کی عقل خود ہی اس سے باز پرس ہوگا بکلف اللہ نفسا الا وسعها ان اللہ لا یظلم الناس شیئاً۔

سوال۔ خیر یہ بات تو ذہن میں جتنے ہی جے گی۔ صوفیوں و رشتہ خوں کے بابے میں تو اپنی رائے بیان کیجئے کہ مسلمانوں میں ان کا بھی ایک بڑا گروہ ہو۔

جواب۔ میں تم سے کتنی بار کہوں اور کہوں کہ میں اپنے نفس کے سوائے کسی کے مذہب کی نسبت بُری یا بھلی رائے نہیں دینی چاہتا رہ اس کی بچھ کو کوئی ضرورت اور نہ اس کا مجھ کو کوئی حق۔ مذہب ایک حاملہ ہے بین السہ و بین العبد جس میں کسی دوسرے کو کچھ دخل نہیں۔

مذہب کا سارا مدار ہر نیت پر اور خدا کے سوائے کوئی کسی کی نیت سے آگاہ ہو نہیں سکتا۔

براستہ میخانہ گمرے بینی مزن پیائے کہ معلوم نیست نیت او

سوال - یہ سچ ہو دکن لیٹمن قلی -

جواب - مذہب کے سارے اختلافات پیدا ہوئے ہیں انسان کی خاص طرح کی بناوٹ سے اور اس میں جو مصلحت ہو اس کا سمجھنا مقدور نہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہو اور ایک باطن یا ایک جسم اور ایک روح دونوں میں جو تعلق ہو وہ بھی اسرار الہی میں سے ایک بھید ہو جو کسی پرکشش نہیں قتل و دم مراد میں بہ کیف شرع نے انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اور قرآن جیسے ہمارے کی تاکید کرتا کہ یہ اعمال ظاہر ہیں جیسے ہی حسد کی، غیبت کی، مہر و آزاری کی، بھل کی، طمع کی، حرص کی، بے صبری کی، خود غرضی کی، بے حیائی کی باتوں کی سخت مذمت کرتا اور اس کو جس میں بد عادتیں ہوں مستوجب عذاب الہی قرار دیتا ہے۔ اسلام نہ صرف اس کا نام ہو گا ذی اپنا ظاہر درست کرے بلکہ باطن بھی۔ خطنے یہاں تک تو فرما دیا ہو دان بتدوام فی انفسکم و تخفوه بجا سبکہ بہ اللہ اور واقع میں پہلے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہو تب اسی کے مطابق افعال سرزد ہوتے ہیں۔ باطن کی اصلاح کے بدون ظاہر کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کسی خبیث دخت کو دور کرنا چاہتے ہو تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو ورنہ ٹہنیوں کے قلم کر دینے سے تو پھر کو ٹیلیں بیٹھیں گی اور شاید زیادہ زور سے تو سٹانوں کو چاہیے تھا کہ ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کو ساتھ ساتھ لیئے چلتے بلکہ اصلاح باطن کا زیادہ اہتمام کرتے۔ لیکن ایک تو اصلاح باطن نفوس پر زیادہ شاق ہو۔ اور دوسرے خبیث باطن کسی کو آگہی ہو نہیں سکتی کہ لوگوں کی ملامت یا حاکم کی سزا کا ڈر ہو۔ پس لوگوں نے آسان بات پکڑ لی اور جتنیں صرف اصلاح ظاہر میں مقصور ہو کر رہ گئیں۔ دلوئی لوگ جو وعظ و احتساب کی محنتیں لے کر بیٹھے تھے ان کی نظر میں بھی لوگوں کے ٹخنوں پر پڑ کر رہ گئیں۔ کہیں ڈھکے ہوئے تو نہیں یا بڑی بلند پروازی کی تو ڈاڑھی موچھوں کی تراش خراش کو دیکھا یا ایسا ہی کسی کے سر پر شیطان لہا اور جو تمھارے دل میں ہو چاہے اس کو ظاہر کرو باچھپاؤ اس دم سے اس کا حساب لے ہی گا۔

سوار ہو تو اس کے گردے کو ناڑ لیا۔ دین کی دیکھ بھال چاہئے پرنال ہو چکی۔ لیکن بعض ائمہ کے دلی
 ایسے بھی تھے جو افسوس کے ساتھ دیکھتے تھے کہ دین کے جزو ضروری یعنی اصلاح باطن سے بالکل قطع نظر
 کیا جا رہا ہو۔ انھوں نے صوفیہ کرام کا سلسلہ جاری کر کے دین میں جو ایک بڑا خنجر ڈر گیا تھا اس کو بند کیا تھا۔
 یعنی ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے یہ تھے حقیقت میں اسلام کے بڑے رفاہر لیکن
 حضرت انسان میں بے پیندی کے بدھنے۔ اس ایک وضع پر کیا رہا جاتا ہے اصلاح باطن کی ٹرک پر کر
 شرع ظاہر کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب مولویوں یعنی علمائے ظاہر میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی کائنات
 مدعیان صوفیہ میں ہیں۔ بدنام کنندہ کون سے چند؟ انھوں نے تو کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا، جو کہ جس
 اسلام ہی پنج دُہن سے منزّل ہوا جاتا ہو۔ یعنی موافق اور مخالف ساری دنیا جانتی ہے کہ خدا کو دین ہی کے
 متعلق کچھ اپنے پیغمبر کی زبان سے کہلوانا منظور تھا وہ بخیر صرف بحرف قرآن میں لکھا ہوا موجود ہے۔
 پس قرآن مجید مسلمانوں کی مذہبی کوڈ یعنی مجموعہ قوانین ہے۔ یہی حدیث، تفسیر، فقہ، بیہنزلہ تشریحات
 اور نظائر کے ہیں۔ پھر پیغمبر صاحب نہیں بھیجے گئے تھے کسی گروہ خاص کی طرف بلکہ روئے زمین کے تمام
 آدمیوں کی طرف جہاں نبوت کا بلا دیا پہنچے ما ارسلاک الا کافۃ للناس ورن کی تعلیم بھی عام تھی
 جیسی انہوں کو دینی غیر کو، جیسی شہری کو، دینی دیہاتی کو، جیسی بڑے لکھو کو، دینی ان پڑھوں کو،
 جیسی مردوں کو، دینی عورتوں کو، اور بالیقین معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب کو جو حکم ہوتا تھا یہ حکم و کاست
 ہو ہوتا دیتے تھے، لکھواتے تھے یہاں آیتھا الو سعل بلغ ما نزل الیک من ربک وان لم تفعل فدا
 بلغت رسالت بعض مقامات میں تاوی کے طور پر پیغمبر صاحب کو زجر ہے جسے **سَلَفٌ** کوئی ان جاءء لاعلیٰ
 بعض جگہ ان کے ایسے حالات کا بیان ہے جن کو آدمی ظاہر اور شہر کرنے میں مضائقہ کرتا ہو جیسے

۱۔ اور اسے پیغمبر (تم نے تو تم کو تمام (دنیا) کے لوگوں کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے۔ ۲۔ اے پیغمبر جو احکام (تم پر) ہمارے
 پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (طاکم و کاست لوگوں کو) پہنچا دو اور اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو دشمن بن جائے گا، تم نے
 خدا کا (کوئی) پیغام (دہی لوگوں کو) نہیں پہنچایا، ۳۔ (محمد) اتنی بات پر جیسے سمجھیں ہوئے۔

قصۂ انک عاشقہ اور نکاح زینبؓ۔ کونسا ایسا بے انصاف ہٹ دھرم ہوگا جو ان واقعات کے ہوتے ایک لمحے کے لیے تبلیغ وحی کے بارے میں بغیر صاحب کو تہم کر سکے۔ وہ خود فرماتے ہیں ^{لہ} لن اجدن دونہ ملتحد الا بلا غامن اللہ ورسالۃ۔

سوال۔ اچھا پھر ان مشائخین نے یہ کیا طریقہ تعلیم اختیار کیا جس کی فری مینوں کی طرح پرودہ داری اور اُس تعلیم کو کہتے ہیں کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہو۔ ہر کیف قرآن حدیث سے خارج ہوئی اور خارج ہوئی تو داخل اسلام کیوں مانی جائے ؟

جواب۔ ہم تو اصول مذہب کی رو سے بدعت کے سوائے اس کا کوئی اور نام رکھ نہیں سکتے اگر اصلاح ظاہر بے اصلاح باطن ریاکاری ہو تو اصلاح باطن بے اصلاح ظاہر کھلی ہوئی بغاوت ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ علمائے ظاہر یعنی مولوی لوگ اگرچہ جیسا چاہتے ہیں اصلاح باطن پر زور نہیں دیتے جیسا چاہتے ہیں اُس کا اہتمام نہیں کرتے اور اسی لیے وہ لوگ جو ظاہر شریعہ کے پابند ہیں ان کے معاملات جیسے چاہیں درست نہیں ہوتے تاہم ان ظاہر پرستوں کو اصلاح باطن دکھانے کو چاہیے تو کیا مجال اصلاح باطن کی شان میں توہین کا ایک حرف ان کے منہ سے نکلے اور کیوں کر نکل سکتا ہے جبکہ قرآن میں حدیث میں ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح اس طرح ساتھ چلتی آ رہی ہے گاڑی کے پہیے۔ وہ بہت کریں گے تو حیل شرعی ایجاد کریں گے۔ جیسے تم نے سُنے ہوں گے کہ ایک صاحب بڑے مالدار تھے اور زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ سوچ رکھا تھا کہ میاں بی بی ٹھٹھیرا بدلائی کیا کرتے تھے یعنی جب دیکھا کہ برس پورا ہونے پر آیا میاں نے سارا مال متاع بی بی کے نام زبانی ہبہ کر دیا۔ بی بی جو نو بیہنے سے زیادہ بیٹھیں بچے کے رکھنے کی رودار تھیں مال کو برس دن اپنے پاس کیا ٹھہرنے دیتیں غرض ہی مثل تھی کہ گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔ زکوٰۃ بھی نہ دینی آئی اور ظاہر شریعہ کے صدقے جائے کہ خدا رسول سے بھی

لہ اور نہ اس کے سوا کہیں مجھ کو ٹھکانا مل سکتا ہو میرا بچاؤ تو اسی میں ہو کہ خدا کی طرف سے (جو حکم یا ہو لوگوں کو) پہنچا دوں۔

شرمندہ نہ ہونا پڑا۔ منظور نہیں کہ لوگوں سے چار انگلیں کیجئے ورنہ ہم کو تو ان ہی ولویوں کی جوتیوں کا صدقہ ایسے ایسے مسئلے معلوم ہیں کہ نہ ناز پڑھو، نہ روزہ رکھو، نہ زکوٰۃ دو، نہ حج کجاؤ، جس کا چاہو مال مارو، جس پر جی میں آئے ظلم کرو اور پھر دیندار کے دیندار، بہشت کے تخی ہار ملے، الہی کے اُمیدوار خیر تو مولوی لوگ بہت کریں گے تو حیل شرعی ایجا کریں گے مگر اصلاحِ باطن کے سامنے سب سرنگوں ہیں اور سرنگوں ہوئے بدوں ان کو بن نہیں آتی، لیکن باطن والوں کا ظاہر یعنی شریعت کے ساتھ کیا حال ہو، رسول شاہی، سترہ شاہی وغیرہ وغیرہ کتنے گروہ کے گروہ تو ایسے ہیں جنہوں نے شریعت کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہو، ناز نہ پڑھیں، روزہ نہ رکھیں، مسلمانوں کی صورت نہ بنائیں نہ بنانے دیں، مکھلے خزانے بھنگ پین چرس کے دم لگائیں۔ غرض شریعت کے جتنے احکام ہیں سب مستثنیٰ، اور طرہ یہ ہو کہ نادام نہیں: احکام شریعت کی نسبت چلے کہتے ہیں کہ یہ پابندیاں عوام الناس کے لیے ہیں۔ یہودی کی طرح کہ وہ اپنے تئیں اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُ اللّٰهِ سمجھا کرتے تھے۔ اور اُن کو بغیر زادگی کا بڑا گھمنڈ تھا یہ لوگ بھی خدا کے ساتھ ایک اَدْعائی نہ تویت جتے ہیں دنیا بھر کے آوارہ اور کابل اور مکہ، اسی گروہ میں جا کر کہتے ہیں۔ اور لوگوں کا حال یہ ہو کہ دین اور مذہب کو تو سمجھتے بوجھتے خاک نہیں ان فقیروں کے گرد لٹو ہو رہے ہیں جس کے تحقیقیت میں سنی نہیں کہ ان کو خدا رسول کے کہنے کا اعتبار نہیں۔ دلوں میں یہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں کہ باطن کا حال کون جانے ۵

خاکسارانِ جہاں اجتماعاتِ منکر توجہ دانی کہ دریں گروہوںے باشد

کیا خبر ہو کہ کون کس مصلحت سے کس حال میں ہو۔ اور اے کاش صرف اسی قدر ہو کہ دوسرے کمال کا حال معلوم نہیں مصیبت تو یہ ہو کہ ظاہر کے خراب ہونے کو باطن کے آباد ہونے کی نظر قرار دے

لے اللہ کے بیٹے اور اُس کے چیتے ہیں۔

رکھا ہو۔ حقیقت میں خدا کی رزاقیاں ہیں کہ ان ہمتوں کو بھی رزق پہنچانا منظور ہے جو اجماعی جہاں
باقی سب مفلس کس نیامند اگر سب ہمارے ہی سے خیال کے ہو جائیں تو ملک میں لاکھوں بندگانِ خدا
بھوکے مرنے لگیں۔ مگر یہ کیا ستم ہو کہ ان کا دوزخ شکم بھرنے کے لئے سارا ملک بھوکا مچا جائے۔ ملک کی
بے دولتی کے چہان اور اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہو کہ اُفتے ہم کو لوٹے بیٹے جاتے ہیں
یہ سچ ہو کہ فقراء یا مشلِ نخ کے گروہ میں سب کا ایک رنگ نہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں اور یہی خطابِ شائع کے
اہل بھی ہیں جو شریعت کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر یادِ جو اس کے ہم جو دیکھتے ہیں تو نفسِ اسلام کو کوئی یوں
اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ شاخوں کے پہلے یہ تو دیکھو کہ اسلام میں ایسا کون سا غلط کام ہو گا جو کتنا سارا
غل ہو۔ کوئی ایک عمل ظاہرِ باطن کا تباہِ وجود ہی یا لوں ہی سے فرق کے ساتھ دیسا ہی دو ستر جنوں میں *
نہ ہو اور فرق ہو گا بھی تو اعمالِ ظاہر میں ہو گا جہاں تک دین کو باطن کے ساتھ تعلق ہو بلا تفاوت سب دین
ایک ہی طرح کے دکھائی دیتے ہیں۔ جھوٹا کو سب بڑا کہتے ہیں مردِ آدم آزاری کسی کے یہاں بھی جائز نہیں
وقس علی ہذا پس کوئی خصوصیت ہوئی ضرور ہو کہ اسلام اُس پر نازل کرتا ہوا بھی بھلا گئے۔ یہ یہی کچھ
میں نے ہی نہیں بوجھی کہ ناحق کی شنی ماننے لگوں مگر ہاں اتنی بات ضرور کہو گا کہ لوگ اس میں سچ چھپا نہیں
کرتے اور یہی بانی کے مرنے کی جگہ ہو۔ وہ خصوصیت جس پر صرف اسلام کو بلکہ اسلام کے ہر ایک نامیہ کو فخر
کرنا چاہیے توحید ہو اور پس کہ خدا کے بارے میں لوگوں کے عقائد بہت ہی دانوں ڈول ہو گئے تھے اور بت بھی
سب کچھ لاندہ مذہبِ اسلام تھا، خدا تا قیامِ قیامت اس کا بول بالا رکھے اور رکھے گا جس نے آجیات توحید کو
تمام آلائشوں سے فلہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی جہاں تک اعمالِ ظاہر پر نظر کرتے ہیں وہ جہاں تک انسان کے
بتاؤ سے معاملات سے اس کے باطن کا پتہ لگتا ہو، ہم تو کسی مذہب میں کسی طرح کی سرزنش دیکھتے۔ بلکہ انسانی
بات تو یہ ہے کہ بعض صفتیں دو ستر مذہبِ الووں میں ہم اپنے سے بہتر پاتے ہیں مثلاً ہندوؤں ہی کو لو کہ
ان پر چاروں کلی مذہب سب سے زیادہ بودا اور جے پھسا ہو اور خدا کی مرضی یوں ہوئی کہ ہمارا ان کا جو کلی دین کا

ساتھ ہو۔ اگر ہٹ دھرمی نہ کریں تو ہم کو مانتا بڑے گا کہ رحم جیسا ان میں ہو اس کا عشر عشر بھی ہم میں نہیں۔ آدمی تو بڑی چیز ہو جانوروں و درختوں تک سنا بھی اُن کے یہاں منع ہی دیکھنے نہیں کہ یہ لوگ گوشت کو چھوتے تک نہیں لگائے میل کی کسی خدمت کرتے ہیں سناپ جیسے موذی جانور کو بھی تو مارنا نہیں چاہتے یہی حال ہر درختوں کی حفاظت کا کہ ہرے دخت کی کوئی ہڈی نہ توڑے خاص کو پیل کی۔ بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندو ورنے یہ ہوئے چنوٹوں کے واسطے کہاں کھرتے پڑے پھرتے ہیں۔ ایسا کون بازار ہو گا جس میں ہندوؤں کی طرف سبارہ مینے پانی ملانے کی پوندیٹھی رہتی ہو جانوروں کے لیے جا بجا پانی کی ٹانڈیں گڑی رکھتے ہیں۔ سدا بہت بھی جاری ہیں اور یوں بیتلہی دن پُن ہوتا رہتا ہو غرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جسے ثابت ہوتا ہو کہ ان لوگوں میں کیا ہم کہیں بڑھ کر ہو۔ اور اگر نفس کشی کے کاٹ سے دیکھا جائے تو عبادتوں میں سب سے زیادہ روزہ بے شک گرمی کے پہاڑ دنوں میں کامل ایک مہینے دن دن بھر بھوکا پیاسا رہنا کچھ آسان کام نہیں۔ صد آفریں ہر مسلمانوں کو کہ ایسی محنت شاقہ خوش ملی کے ساتھ نگیز کرتے ہیں۔ لیکن کوئی کوئی برت ہندوؤں میں بھی ایسا کٹھن ہو کہ آدمی کو لڑ کر دیتا ہو اور یوں اور بہت سی ریاضتیں ہیں کہ کتنا بکرا دیکھنے سے بدن برد نکھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہندو جو کی نظر پڑے کسی تو اٹھائے اٹھائے ہاتھ سکھا دیا ہو کوئی درخت میں اُٹا پڑا لٹک رہا ہو ایک کو دیکھا اخیر شتر نہیں تو اچھی غلی نوک دار کیلیں تختے میں جڑ رکھی ہیں اور ان ہی پر لیٹنا بیٹھا ہو، اور ایسے تو بہت جو شاید دن رات میں گھڑی دھکھڑکی بیٹھ جاتے ہوں تو بیٹھ جاتے ہوں ورنہ جب دیکھو کھوٹے کی طرح زمین میں جمے کھڑے ہیں بٹھور میں ایک گوسائیں جی تھے جو ہر روز شان کرتے وقت ساری ترپیاں منہ کے رستے باہر نکال کر لگا جلی میں دھوتے اور پھر بیٹ میں اتار لیتے غرض بدن کو ستائے اور ایذا دینے کا کوئی پیرا یہ نہیں جسے ہندو فقیروں نے اختیار کیا ہو۔ انگریزوں کے ہمارا اب میل جول نہیں مگر ریاضت کے طریقے ان میں بھی

میں ہزار ہا عورتیں ہیں جو جن کہلاتی ہیں وہ ساری عمر اپنا بیاہ ہی نہیں کرتیں۔ پادریوں میں بھی ایک قسم کے پادری ہیں جن کو زندگی بھر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اب ایک گنتی فوج نکلی ہے یہ لوگ بالکل ہندو سنیا سیوں کی طرح بڑی ہی مصیبت مند زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک عورت کو دیکھ کر اب ترس آیا کہ کہا نہیں جاتا۔ اس کی عمر ایسی کوئی تیس برس کے لگ بھگ ہی ہوگی۔ اصل ولایت زارت رگت ایک چلاندنی پڑنے سے سیلی ہو۔ بچاری مذہب کے خط میں اگر گاٹھے کی موٹی کھڑ رساڑی باندھے ننگے پاؤں دھوپ گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔ فچھوری کے سامنے شام کے وقت ہنر کی پٹری پر ہر روز بلاناغہ ایک نیک پادری ضرور وعظا کہتا ہوتا ہے۔ اور میں بھی چلتے چلتے ادبدا کر تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس ٹھک جاتا ہوں۔ وہ وعظ کہتا اور لوگ اس کے ساتھ بحث کرتے تھے ہیں اور میں اس پادری کے علم اور انکسار کو کھڑا دیکھ کر تاہوں بازاری لوگ بے تمیزی سے اس کو بڑی سخت سخت باتیں کہہ گزرتے ہیں اور اس میں خود لکائی انکھ پیریل بھی تو نہیں آتا۔

سوال۔ یہ تو آپ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دلی اسلام کی طرف سے بدعت قیدت نہ ہوتا ہو تو ہو۔

جواب۔ بس اتنے ہی پانی میں تھے؟ اچھی یہ دوسرے مذہب والے ریاضت نہیں اپنی بوٹیاں بھی توڑ توڑ کر چیل کوؤں کو کھلا دیں تب بھی تو اسلام کی گرد کو نہیں پاسکتے۔

سوال۔ کس بات میں؟

جواب۔ ہر ایک بات میں جس پر ان کو گھمنڈ ہو۔

سوال۔ ابھی ہندوؤں اور عیسائیوں کی دیا اور نفس کشی اور علم کی مثالیں آپ نے بیان کیں۔ یہ نیکیاں مسلمانوں میں ہیں تو سہی مگر ایسے درجے کی۔

جواب۔ تم نے یہ بھی خیال کیا کہ نیکی حد سے گزر جاتی ہے تو نیکی نیکی نہیں باقی رہتی بلکہ وہ بدی بھی جاتی ہے۔ اخلاق کی کتابوں میں تو پڑھا ہو گا مگر اس وقت خیال نہیں ہا کہ کوئی سی بھی صفت ہو وہ جب تک اعتدال کے نیچے ہو تو صفت ہو اور اعتدال سے ذرا بڑھی ذرا گھٹی یعنی مثلاً ہم ایک غصہ سی کو

لیتے ہیں کہ خدا نے جتنے جان دار دنیا میں پیدا کئے ہیں ان کی حفاظت کا سامان بھی ان کے ساتھ موجود ہے کسی کو تو قوت پروردگار سے دی ہو کہ کوئی اُس کو پکڑ نہیں سکتا قرآن میں اس بات کو کیسی ہی طرح بیان کیا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبُ مَثَلٍ نَّاسْتَمْعُو لِمَا نَذِيرٌ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لِيُخْلِفُوا بِآبَاءِ دُلُوعِ الْجَمْعِ وَاللَّهُ ذَا الْبَلَاءِ لِلذَّبَابِ مِثْلًا لَا يَسْتَفْذِقُ وَهُوَ مِنْ مَّضْعُفِ الطَّالِبِ الْمَطْلُوبِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ حَقَّ قَدَرِهِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ فَرَمَاتے ہیں لوگو ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں اُس کو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوائے جن معبودوں کو تم حاجت پڑے پُرکارا کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے ہو ان کی بے کئی توبہ حال ہو کہ اگر سوائے اُس کے بھی ایک کبھی کو پکڑنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اور پسند کرنا تو خیر پُرکارا کام ہے اگر کبھی ان سے کوئی چیز چھینے جائے تو اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ کیا تو کبھی اور کیا کبھی کی بساط اور کیا تمہارے معبودوں کی کہ ایک کبھی ان کے پکڑے نہ پکڑی جائے افسوس ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ جانی اللہ تو پُرکارا زبردست ہے سب پر غالب خیر تو غرض یہ ہو کہ ہم جان دار کی حفاظت کا سامان اُس کے ساتھ موجود ہے کسی کو تو قوت پروردگار سے دی ہو کہ کوئی اُس کو پکڑ نہیں سکتا۔ کوئی پانی میں روپوش ہو کہ کسی کو نظر نہیں آتا اور نظر آتا بھی ہو تو کس کی بلا کو غرض بڑی ہو کہ پانی میں غوطہ لگائے۔ کوئی ایسا غضب کا بھلگئے والا ہو کہ دو چار چھلانگوں میں یہ جاوہ جانظر سے غائب کسی کی دانت میں کی کچھ ہے۔ یہاں تک کہ مینہ بوندی اور سردی سے بچنے کے لیے پروں اور بالوں اور ان کا قدرتی دائرہ پر و ف بھی تو جلد بدن کے ساتھ سیما ہوا موجود ہے کہ وقت بڑھوڑا نہ بڑھے۔ مگر حضرت انسان میں کہیں چھوٹی موٹی، سب سے زیادہ نازک مزاج اور کبھی میں بے سامان محض۔ تو ان کو سب مانو کہ بدے عقل دی اور عقل کے

لہ لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس کو کان لگا کر سنو کہ خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے (پیدا کرنے کے) لیے (سب سے سب) اکٹھے (ہی کیوں نہ) ہو جائیں اور اگر کبھی ان سے کچھ چھینے جائے تو اس کو اُس سے چھڑا نہیں سکتے (کیسے) بودے یہ (بُت) جو (کبھی کے) پیچھے پڑیں (اور اس کو نہ پکڑ سکیں) اور (کیسی) بودی وہ (بے چارہ کبھی) جس کا پیچھا کیا جائے (اور پھر بھی ہاتھ نہ آئے)

ساتھ غصے کا ہتیا رکھ کر یہ سان پر چڑھا ہو تو اس کی کاٹ غضب کی کاٹ ہی اور توبہ غصے کا مہم چلتا ہے کہ یہ نہ ہو تو دنیا میں کوئی جینے بھی نہ دے اور ادھر وہی ہی خطرناک ہے

آئے تو کہاں جائے نہ ناجی سے کوئی جائے جب تک اسے غصہ نہیں آتا نہیں آتا
 حکیم تو اس کو نوع من الجحش بتاتے ہیں اور یہ بھی یوں ہی کہ آدمی کو غصہ آتا ہو تو پھر اس کو
 آگاہ بھیگا کچھ نہیں سوچتا آدمی اپنے آپ سے باہر ہو جاتا یعنی جتنی دیر غصہ رہے انسان
 انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے اور حیوان بھی مرکب مادی ہے پس جلد و کا تو اس زیر کا
 ترباق کچھ ہو تو عقل ہے کہ وہ غصے کو بالکل سلب نہیں کر سکتی مگر اس حد بڑھے بھی نہیں دیتی عقل مندوں نے
 اس کے فرو کرنے کی تہذیبیں نکالی ہیں غصہ کے تو آدمی سنانے سے مل جائے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیاسی بھی ہو
 تو پانی پیئے، یعنی طبیعت کو دوسری طرف مصروف کرے۔ اور مذہب فرماتا ہے انکاملین لایغظ والعافین
 عن الناس کہ غصے کو ضبط کرنا سب ریاضتوں سے بڑھ کر ہے۔ انسان میں جتنی عادتیں خلق میں ملتی ہیں
 تو ان میں ایک بھی نہیں۔ اور ان کو عادت نہیں بلکہ خاصیت سمجھنا چاہیے جیسے پانی کی خاصیت ہے
 کہ وہ نشیب کی طرف کو بہتا ہے یا جیسے ہر ایک جسم کی خاصیت ہے کہ روک نہ ہو تو زمین پر گر پڑے۔ اسی طرح
 آدمی ہو گا تو غصہ بھی رکھے ہی گا۔ یہ کون چس میں پتا نہیں بس مذہب جسے انسان کی اصلاح کا
 بیڑا اٹھایا ہے اس کے کھوٹے کھرے کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ انسان کی طبیعی خاصیتوں کے سلب کرنے
 کے دپے ہی یا ان کے معتدل کرنے کے۔ اگر سلب کرنے کے دپے ہو تو جان لو کہ وہ مذہب ادعائے
 محال کرتا ہے۔ اور اپنے ارادے میں کبھی کامیاب ہوا اور نہ آئندہ کامیاب ہو۔ ایسے مذہب ملے
 اپنے نزدیک ایک یا انسان فرض کر لیتے ہیں کلاس طرح کا آدمی غلط کبھی پیدا ہی نہیں کیا اور پھر
 ایسے فرضی اور خیالی انسان کا نمونہ دکھا کر لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ ایسے بنو۔ ایسے بھاگیں۔ ایسے نہیں ہیں۔ پٹا کو
 کاٹ کر بھینک دیں؟ انکس پھولیں؟ کانوں میں رُوڑ ٹھونسے دیں؟ خدا نے جو ضرورتیں

ہمارے پیچھے لگا دی ہیں ان کو جا کر کہاں پھینک آئیں یا بیٹ ہو تو بھوک لگے ہی گی اور بھوک لگے گی تو چار دن چار کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑے گا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کی ریاضتیں سن کر جو تم سلام کی طرف سے برعقیدت ہوئے وہ اسی قسم کی ریاضتیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ لوگ انسانی خاصیتوں کو بوجھ سے سبک دوش ہونے کی تدبیر میں لگے ہیں۔ سو بڑا افسوس جتنا چاہا ہیں۔ وہ بوجھ تو عمر ساری سے اُترے گا اس زندگی میں تو اُترتا نہیں۔ اور جو دعویٰ کرتا ہو کہ میں اُتر سکتا ہوں جبکہ مارتا ہو اس میں پہلو اور برمی بُرے ہیں۔ ایک تو سن مجھ اس میں اعتراض ہو خدا پر کہ اُس نے انسان کو ایسا کیوں بنایا یا کسکی باپ کا کیا دینا آتا ہو۔ اُس نے بنایا جیسا چاہا یا مخلوق ما بشیاء ہم اس میں چون چیر کرنے والے کون ہیں وہ تو علم پروردہ لوگوں کو نفاق اور ریا کی تعلیم ہو۔ اس موقع پر میں ایک قانونی مسئلہ بیان کرتا ہوں۔ اس سے تم میرے مطلب کو خوب سمجھو گے۔ یہ جو شراب فیون کا بنیاد جس بھنگ نشے کی چیزیں ہیں اور معلوم ہو کہ ہزاروں گھر اور لاکھوں آدمی ان کی وجہ سے برباد اور تباہ ہوتے ہیں۔ سرکار کا مشنار تو یہ ہو کہ ملک سے ان کا علاج بالکل اُٹھ جائے اور کوئی آدمی ان کا نام بھی نہ لے لیکن بہت لوگوں نے ان کو زندگی کی ضرورتوں میں داخل کر لیا ہو کہ بددن ان کے اُن سے مطلق ہجر نہیں ہو سکتا۔ ننگے پھر میں بھوکے میں غرض اور سب طرح کی تکلیفوں کو سہا رہی جائیں مگر عمل کا وقت نہ ملنے دیں۔ تو اب سرکار کیا کرتی ہو کہ حصول کے سچ کو کستی اور کڑا کرتی چلی جاتی ہو۔ اور ان باتوں کی آمدنی پہلے سے ضعا فامضاعفہ بڑھ گئی ہو اور بڑھتی چلی جاتی ہو۔ مگر سرکار یہ نہیں کرتی کہ ان کی قطعی بندی اور مانعت کرے یا ایک دم سے ایسا بھاری محصول لگائے کہ وہ بندی اور مانعت کا کام دے۔ کیوں کہ ایسا کرے تو لوگ مجبور ہو کر کھلم کھلا بغاوت نہ بھی کریں تو ہزار بتیں کریں کہ سرکار کے اچھے سے بھی ان کا انباد نہ ہو سکے اور اس کا ضروری نتیجہ یہ ہو کہ حصول بڑھنے کی جگہ لٹا گھٹ جائے اور چھپکے چھپکے ان چیزوں کا استعمال بھی جاری رہے۔ یعنی یہی حال ہو نہ ہی احکام کا لے جو چاہتا ہو پیدا کرتا ہو۔

کہ ان کو حد سے زیادہ سخت کر دیا جائے تو اس کے معنی ہیں کہ لوگ ان کی تعمیل سے بچنے کے لئے پہلے ڈھونڈیں جیلے تصنیف کریں۔ دل میں تو تعمیل کرنے کی ہی نہیں مگر چون کہ انکار کرتے ہیں نہیں بڑے حکم کو مانتے ہیں۔ لیکن وہی یہودیوں کا سامنا سمعنا و عصیدنا تو پھر یہ نفاق اور ریا نہیں تو کیا ہو؟ اور نفاق اور ریا بھی خدا کے ساتھ! اگر اسی کا نام رفارم اور اصلاح ہو تو ہم بے اصلاح ہی بھلے۔ اور یہ بات بھی کہنے کی کہ جو ریاضتیں ہندو جوگی اور عیسائی راہب کرتے ہیں اگر شرط دینداری ہوں اور نجات ان پر موقوف ہو تو کتنے آدمی ان شرطوں کو بجا لا سکتے ہیں اور خود ہندوؤں اور عیسائیوں ہی میں کتنے آدمی ان کو بجا لاتے ہیں۔ شاید لاکھ میں دو چار۔ تو لاکھ میں دو چار کے بجا لانے سے بشرطیکہ واقعہ میں خلوص سے بجا لاتے بھی ہوں تو وہ حکم سخت ممکن تعمیل نہیں کھلایا جاسکتا۔ دنیا جس طرز پر چلی آئی ہو اسی طرز پر چلے گی۔ لکھنے کے لئے جو جابو کتاب میں لکھ لو۔ یہ صفت ایک اسلام ہی میں دیکھنے ہیں کہ وہ آدمی کو آدمی تب تک نہ کہنا اور وہ اس بڑی قدر بوجھ رکھنا چاہتا ہے جس کو وہ آسانی کے ساتھ سہا رکھے۔ اور یوں دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلمان ایک پہاڑ اپنے سر لا دنا چاہیں تو ان کی خوشی۔ اسلام بجا ہے کا اس میں کیا دوش؟

سوال۔ یہ تو اپنے دل کو لگتی ہوئی گئی۔ مگر وہ بات رہ گئی۔ آپ فرماتے تھے کہ اسلام میں ایسی کوئی نئی تعلیم ہو جو دوسرے مذاہب میں نہیں۔

جواب۔ ہاں تو وہ تو کئی تعلیم توجید ہو۔ اب تو لوگ مسلمانوں کے غل غبار اچانے سے کچھ کچھ دلیں بھی کرنے لگے ہیں اور تکلف موصد بننا چاہتے ہیں ورنہ اسلام کی تشریف آوری کی وقت تو اہل کتاب تک توحیدیں ایسے کچھ تھے کہ ان میں اور بت پرستوں میں صرف نام کا فرق باقی رہ گیا تھا۔ ایضاً اٹھون قول الدین کا مانتا تھا۔ **سوال**۔ اچھا پھر اسلام نے توجید کا کیا ثبوت دیا؟

لے سنا دیتے ہاں نہ ہو۔ ملے لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں بننے جو ان سے پہلے (ہو گزرے) ہیں۔

جواب۔ وہی نبوت جو خدا کے ہونے کا دیا تھا وہی خدا کے ایک ہونے کا بھی دیا یعنی جس طرح عقل انسانی گواہی دیتی ہو کہ خدا ہر اسی طرح وہی عقل انسانی یہ بھی گواہی دیتی ہو کہ وہ ایک ہو۔ اگر دنیا پر ایمان لائے سے پکا رہی ہو کہ اس کا بنانے والا ہو تو دنیا کا انتظام زبان حال سے پکار رہا ہو کہ اس میں کسی دوسرے کا لگاؤ نہیں۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہو وہ ایک ارادے سے ہو رہا ہو۔

سوال۔ اچھا پھر؟

جواب۔ بات تو اس پر چلی تھی کہ اسلام کو مولویوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان مشائخ کے گروہ سے اور اس کی سند میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یوں تو دنیا میں بہت سے ہی مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب کا مقصود اہل ان کی اصلاح، مگر وقتی اور مقامی خصوصیتوں کی وجہ سے اصلاح کے اصول میں کچھ اختلاف بھی ہو غرض انسانی اصلاح کے اعتبار سے اسلام کو دوسرے مذہبوں پر کچھ ایسی فوقیت نہیں۔ ہاں فوقیت ہو تو توحید میں ہو اور اسی میں ان حضرات مشائخ نے ایسا گول مال لگایا ہو کہ اسلام کے سارے فخر کو ملیا میٹ کر دیا۔ اب سچ پوچھو تو مسلمانوں کا منہ نہیں کراہل کتاب بلکہ بت پرستوں کی توحید کو آکھٹا کھٹا کر بھی دیکھ سکیں مثلاً عیسائیوں کی توحید میں بھی یہی نقص ہو نہ کہ وہ خدا اور حضرت مسیحؑ اور روح القدس کو عجیب طور سے خدا مانتے ہیں کہ بجائے خود ہر ایک خدا اور پھر ایک خدا۔ یا مثلاً ہندو ہیں کہ وہ دیوتاؤں اور اوتاروں کو بھی خدا کہتے ہیں چاہے اس کی کچھ تاویل کئے ہو یا نہ کرتے ہوں مگر تین ہوں یا تین ہزار ہوں ہمہ اوست کے آگے تو ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

سوال۔ کیوں صاحب یہی سوئی بات ان صوفیوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی اور کیوں نہیں آتی؟

جواب۔ یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں جس وجہ سے مثلاً عیسائیوں اور ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی اسی وجہ سے صوفیوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

سوال۔ نہیں میں صوفیوں کی نسبت اس بات کا تعجب کرتا ہوں کہ یہ تو مسلمان ہیں و مسلمانوں میں

بھی چُنے ہوئے مسلمان کہ مذہب کے پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ تو کیا توحید کے مسئلے پر ان کی نظر نہ پڑی ہوگی؟ قرآن کا شاید ایک صفحہ بھی مشکل سے ملے گا جس میں توحید کا ذکر نہ ہو۔ ہے عیسائی اور ہندوؤں کا مذہبی کتابوں میں ول تو توحید ہوگی ہی نہیں اور ہوگی بھی تو ایسی ہی گٹر پڑ ہوگی جیسی کہ یہ لوگ حقد ہیں۔

جواب۔ بس تم ہر چند منٹ کے بعد ایک نہ ایک بات ایسی کہہ دیتے ہو کہ مجھ کو تمھاری طرف سے سخت نا اُمیدی ہو جاتی ہو۔

سوال۔ وہ ایسی کون سی بات میرے مُنہ سے نکلی؟

جواب۔ تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سمجھتے ہو توحید مذہب کے تعلیم کی۔

سوال۔ کیا نہیں بھی؟

جواب۔ تو تم نے ابھی مذہب ہی کو نہیں سمجھا کہ مذہب ہو کیا چیز اور کہا اس کی ابتدا ہوئی مذہب کی مثال صرف دُخو کی سی ہے صرف دُخو نے زبان کو نہیں بنایا بلکہ لوگوں نے زبان سے صرف دُخو کو بنایا ہے یعنی اہل زبان کو ایک طور پر بولتے سنا اُس طور کو قاعدے کے طور پر ضبط کر لیا، صرف دُخو بن گئی۔ قاعدے زبان میں پہلے سے موجود تھے مگر لوگوں کو آگئی نہ تھی کہ ہم بولنے میں اس قاعدے کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جب کسی کا ذہن منتقل ہوا اور اُس کو قاعدہ سوچہ پڑا تب خبر ہوئی۔ ادویوں بولنے کو تو ذرے ذرے لڑکے اپنی مادری زبان ایسی پڑ پڑ بولتے ہیں کہ صرف دُخو کا علامہ بیٹھا ان کا منہ نکارت، اگرچہ لڑکے قاعدے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ میں نے مذہب کو اپنے نزدیک ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ مذہب کے اصول لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ مذہب بننے ہی کو قواعد کے طور پر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

سوال۔ اگر یہ عقائد مذہب میں اختلاف کیوں ہوا؟

جواب۔ ہاں تو اختلاف اس طرح ہوا کہ مثلاً ایک زبان اُردو کو لو۔ اگرچہ اُردو کی صرف دُخو اُس وقت تک مضبوط نہیں اور یہ جو سکولوں اور کتبوں میں لعنت ہے بیچ دو چار لالے کھائی دیتے ہیں

یہ سب لغو اور مہمل جلائیے کی لائق ہیں۔ لوگوں کو قواعد کے بنانے کا تو مادہ نہیں اور اس نمانے کے پڑھے لکھوں میں شاید کوئی ترصنیف کے جنون سے خالی ہو۔ ذرا شدیدی آئی تو حنیف کلمہ پید ہوا۔ دیکھا کہ اب اُردو ہی بڑی معراج الکمال رہ گئی ہو۔ اور زبان کے سلسلے میں پہلی چیز صرف نسخہ انھوں نے بھی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہا۔ یہ بات پہلے سے کان میں پڑی ہوئی تھی کہ عربی میں نسخہ کا بڑا ذخیرہ ہو عقل کے دشمن نے یہ تو سمجھا نہیں کہ عربی میں صرف نسخہ کا بڑا ذخیرہ تو زبان عربی کیلئے ہونہ اُردو کے لیے اور اگر ایک ہی صرف نسخہ سب زبانوں کے لیے کافی ہو تو عربی اور سنسکرت اور لٹین اور گریک سب نمازوں کو ایک ہی وضو سے ٹرخا دیا جاسکتا ہو۔ ہر کیف فکر کرس بقدر ہمت دست راستہ عامل اور شرح مائتہ عامل اور صرف نسخہ کا فتوہ لکھنا منظور ہوا تو خوب یہم پہنچا۔ اُن ہی میں کلمہ چھٹا شروع کی۔ ماشاء اللہ قلم میں زور و طبیعت میں جولانی، اپنی زبان کے کونے کھدے عالم، ایک ہمت نہیں گزرنے یا پاتھا کہ چھٹا خاصہ رسالہ بن کر طیار ہو گیا۔ ہم جیسے کم سواد آدمی زیر زبر کو اُردو میں ٹوٹتے پڑے پھرتے ہیں تو کہیں بیتہ نہیں ملتا غرض اُردو کی صرف نسخہ تو اس وقت تک مضبوط نہیں ہوئی۔ مگر فرض کر لو کہ ہر تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں کی اُردو کے لیے یہ ۶۷ یوں کہنے کو تو اُردو ساہنستان کی زبان ہو مگر اُردو اُردو میں فرق ہو۔ اُردو دلی لکھنؤ کی۔ اُردو دیہات کی۔ اُردو ماروڑ کی۔ اُردو پورب کی۔ اُردو پنجاب کی۔ اُردو کوٹل کی۔ بلکہ دیکھتے ہیں ایک ڈلی میں قلعے کی اُردو اور شہر کی اُردو اور ارباب بھی ہندوؤں و مسلمانوں کی اُردو میں فرق ہو۔ مسلمانوں میں پنجابیوں کا اور مہاجر ہمارا جدا۔ لیکن خیر اُردو کی صرف نسخہ جوڑے جوڑے لکھی گئی ہو اُسی اُردو کی لکھی گئی جو سندھ و ادیبی حال ہو عربی انگریزی سب زبانوں کی صرف نسخہ کا یعنی ہر ایک زبان کی صرف نسخہ الگ ہو۔ اسی طرح جیسے لوگوں کے خیالات ہیں ویسے ویسے ان کے مذہب ہیں۔ جیسے بعض زبانوں کی صرف نسخہ نہیں ویسے ہی بعض لوگوں کے پاس مذہبی کتابیں نہیں۔ اور جس طرح زبان کی صرف نسخہ مضبوط ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اس میں قواعد نہیں،

اسی طرح کسی مذہب کی کتاب ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب نہیں۔ جن مذہبوں کی کتابیں ہیں میں اُن کو ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا ایک ہی زبان کے مختلف لہجوں کی صرف مخمیں اور اسلام وہ مذہبی صرف و نحو جو سب سے زیادہ فصیح، سب سے زیادہ عمدہ ہے کے لیے بنائی گئی ہو۔

خیر یہ تو ایک جامعہ مضامین میں آگیا اور میں نے اس پر خاص کر اس لیے زور دیا تاکہ تم کو معلوم ہو کہ جن کو خدا نے سلیم طبیعتیں عطا فرمائی ہیں اُن کے خیالات اور عقائد اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہی تو اسلام کے برحق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ عقل سلیم اس کو طوعاً قبول کرتی ہو کر رہا نہیں۔ اہل میں مذکور بیتھ کہ اسلام کو توحید پر بڑا فخر ہے اور اسی میں حضرت شاہ نے ایسا گول مال لگا رکھا ہے کہ اسلام کی توحید بھی دوسرے مذہبوں کی طرح سیلی سیلی اور گدی گدی دکھائی دیتی ہو۔

سوال - یہی تو میں پوچھتا تھا کہ ان صوفیوں کی توحید میں فتور پڑا تو کیسے پڑا؟

جواب - فتور پڑنے کی پوچھتے ہو تو فتور پڑا بزرگوں کی تعظیم غلط ہے انھوں نے بیرون کا ادب کیا اور سجا کیا۔ باب ہوا، استاد ہوا، پیر ہوا، بڑوکل ادب کرنا ہی چاہیے مگر وہی بات کہ ہر چیز میں اعتدال شرط ہے ادب کی بھی ایک حد ہے مریدوں نے ادب کو حد سے بڑھا دیا یہاں تک تعظیم اور عبادت میں فرق باقی نہ رہا۔ اپنی تعظیم سے کس کو خوشی نہیں ہوتی؟ پیر جی صاحب کچھ غیر متوازن تھے کہ مریدوں کو روکنے سے منع کرتے اور مرید خود اُمیدوارِ خلافت تھے۔ پیر جی بادشاہ تھے تو بیعتِ عہد یہ گدائی کے ادب کیوں کم ہونے لگے تھے۔ یوں تعظیم غلط کا دستور پڑ گیا۔ دین کا اُستاد کلاس کو بھی شیخ ہی کہتے ہیں پیر جی تھے کم نہیں۔ مگر وہی بے چارے مولوی ڈرپوک پھونک پھونک کر پاؤں دھرنے والے کہیں شرع کے خلاف نہ ہو جائے شاگرد کو سر پر اگر مری ہوئی زبان اسلام علیکم کہتے ہیں اُن کو خوش ہو جیتے ہیں۔ ہم کسی مسلمان پر کیوں بدگمانی کریں مریدوں نے ادب ہی سمجھ کر پیر جی کا ادب کیا ہو گا مگر اول تو اُن کو ادب نامشروع کرنا ہی کیا ضرورت تھا کہ پیغمبر صاحب تو اپنی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا بھی روا نہیں رکھتے تھے

جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ دوسرے عوام کے حال پر بھی کچھ رحم فرمایا ہوتا کہ ان شام تک ماروں کو اونگھنے کو ٹھیلنے کا بہانہ ملتا ہے۔ دیوانہ راہوئے لبس است۔ اب کیا حال ہو کہ خدا کو تو بالائے طاق بٹھا دیا ہے۔ سیکڑوں کو س سے ہزار یا آدمی مرد اور عورت قبریں پوچھنے چلے آتے ہیں۔ ان ہی کی منبتیں مائیں، ان ہی کو مندریں چڑھائیں، ان ہی سے حاجتیں مانگیں۔ اور کہنے کو مسلمان، بنی موحد کی امت، مشرک نہیں، بت پرست نہیں۔ ان سب کا وبال کس پر؟ ان ہی پر جنھوں نے یہ دستور نکالا، جو اس دستور کو جاری رکھتے، جو اس دستور کو رد قیے، جو اس دستور کی کما فی کھاتے ہیں۔ بعض بعض مولوی ایسے ہو گزرے ہیں اور اب بھی ہیں، اگر جہلم ہیں اور نیک بندے ہر زمانے میں کم ہی ہوتے ہیں، قرآن حافظ، واعظ، عالم، فقیہ، محدث کہ جن کو دیکھنے سے ہم کو تو پیغمبرِ صحابہ یاد آجاتے ہیں۔ صورت پر نور پڑا برس رہا ہو اور درویشی کو بھی چاہتا ہو۔ متوقع منکر صوم صلوٰۃ کے پابند، نہ کسی کی غیبت نہ کسی کی بدی، کوئی انگیٹس کو پڑھا دیا، نہیں بیٹھے بیٹھے اللہ کیا کیے۔ ہم نہیں جانتے کہ نیک کے سر میں اور کیا سینک لگے ہوتے ہیں ایسے لوگ مر گئے کل من علیہا فان کے حکم سے داخلِ فترت کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ کب مر اور کہاں فوت ہوگا۔ ان فقیروں میں ایک یہ تو کھلی کرامت دیکھی جاتی ہے کہ بے ستر ہوں تو بے شرم ہو قی، انشاء باز ہوں قی، یہودہ بکواس کرتے ہوں تو، آج مر اور کل سے ان کے ڈھیر کی پرستش ہونے لگی جہلم نہیں ہونے پایا کہ ڈھیر کا اچھا خاصہ عالی شان گنبد بن گیا قبرِ شریف پر مکلف غلاف پڑا، غلاف پھولوں کی جلد در سر پہنے اگر کی تہی روشن ہو اور بانی قی خدام اور زوار سر جھکائے دوزانو مو ب بیٹھے جھوم رہے ہیں۔ پہلے ہی عرس پر سائے میلوں پر دوس پڑ گئی۔ شاہ صاحب حج خلائق تو بجا التہجیات بھی تھے مگر اتھال کے بعد تو ان کے مریدوں اور جانشینوں کو مقتدر و کبریا سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ گویا ساری خدائی کا چابچ ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا کون سا سنگدل ہو گا جس کو مردے کے حال پر

ترس نہ آتا ہو۔ دیکھتا ہو کہ ایک اپنے ہی جیسا آدمی کھاتا پیتا چلتا پھرتا جو کچھ تک پناہ پر نہیں بیٹھنے دیتا تھا مردہ بدست زندہ کیسا عاجز پڑا ہو کہ کروٹ ٹک نہیں بدل سکتا۔ مگر سب مُردوں ان فیوض کے مرکز ہوں تو ترس کیسا ایسی موت پر امیروں و بادشاہوں کو بھی رشک ہو تو بجا ہو۔ ہم تو زندہ امیروں و بادشاہوں کے ساتھ بھی بعض مزاروں کا سواڑ کرنا و احتشام نہیں دیکھتے۔ پھر ایک اور بڑی خطرناک بات ہو کہ ہر چند ہر ایک مسلمان کی نسبت نیک گمان رکھنے کا حکم ہوا اور چاہیے بھی یوں ہی کہ جتنے مسلمان بھائی خدا کے یہاں جا چکے ہیں تو اپنی زندگی میں کچھ ہی کرتے رہے ہوں مگر آخرتے تو مسلمان، ہم کو خدا کی ذات سے یہی اُمید رکھنی چاہیے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہو، اُس نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو بخش ہی دیا ہو گا مگر جیسا وہ غفور و رحیم ہو ویسا ہی بے نیاز بھی ہو۔

خدا کو کام تو سنبھالیں یہ سب لیکن سب سے بڑا خوف مجھے اُس کی بے نیازی کا

اور یہ بے نیازی ہو کہ بڑے سے بڑے بزرگ یہاں تک کہ جن کو پیغمبر صاحب نے خدا کی طرف سے اور اُس کے حکم سے جنت کی خوش خبری سُنادی تھی وہ تک تو اپنی نجات اور مغفرت کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اور جیسا خود پیغمبر صاحب جن کے گلے پچھلے سب گناہ خالصہ و کبائر سے تھیلے لٹے اللہ مآخذہ من ذنبتک ما تاخرو ما ادری ما یفعل بی دلا بکہ فرمائیں تو دوسرے کس گنتی میں ہیں۔ ذرا اصحاب کا حال پڑھو کہ بڑے سے بڑے عابد و زاہد کی ساری عمر کی عبادت اُن کی ایک بل کی خدمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یا ایں ہمہ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے تھے کہ اے کاش میں گھاس پات پٹا، کوئی جانور مجھ کو چر جاتا اور گو بکر کے نکال پھینکتا اور مجھ کو خدا کے حضور میں جواب دہی کرنی پڑتی حضرت عمر فاروقؓ کو کسی بڑے بزرگ مچھلی نے بارہ برس بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی پر سے پسینہ پوچھتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ پوچھا حضرت آپ کا کیا حال ہو۔ فرمایا بھائی اب مجاہد سے نجات ملی ہے۔

نہ تاکہ (اُس فتح کے شکر ہے میں نے حق کی تسبیح کے لیے اور زیادہ کوشش کر دیا) خدا (اس کے صلے میں) تمہارے گلے اور پچھلے گناہ معاف کرے۔ لگے اور میں نہیں جانتا کہ (آئندہ) میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

وہ بھی خدا نے بڑی ہی رعایت کی کہ میں بال بال نکل آیا۔ اور جتنے بزرگ ہو کر میرے میں ان کی کتابیں ہیں دعائیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ کسی کو خطر عاقبت کی طرف سے تا دم مرگ اطمینان نہ تھا تو اُدھر حُسن ظن اور اُدھر خدا کی بے نیازی ان دو باتوں کا نتیجہ کیا ہو کہ ہم کسی کے مقبول و مغفور ہونے کا قطعی طور پر حکم نہیں لگا سکتے۔ اور جب کہ ابھی مغفرت ہی میں کلام ہو تو یہ ساری کھجکت ایک طرح پر خدائی میں داخل دینا ہو۔ ایک بزرگ کا تو حال ہم کو معلوم ہو کہ وہ شیخ الامراء تھے یعنی شہر کے اکثر روادار لوگ اُن کے مرید تھے۔ اور کیوں مرید تھے اس کا سبب بیان کریں تو کسی نہ کسی کو اُن بزرگ کا تہ لگ جاتا اور وہ ہیں منظور نہیں۔ امیر ترک دین کا بھی عجب حال ہو کہ جہاں اور مشغلوں میں انھوں نے دین کو بھی ایک مشغلہ سمجھا ہو۔ آپ خود جیسے دیندار ہیں، جو اُن کو جانتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی جانتے ہیں کہ دین سے ان کو مس نہیں۔ اس پر خرہ بن یہ ہو کہ آپ دین میں بھی اپنے اختیارات جگانے چاہتے ہیں۔ فغفور جن کو نہا ہو کہ وہ دنیا کا بلو شاہ اور دین کا پیغمبر دونوں مانا جاتا ہو تو چینیوں کے مذہب پر ہم کو توجہ دینا چاہیے کہ ان کے بزرگ بادشاہوں کو دیکھا تو ان کو بھی اسی خط میں گرفتار پایا۔ ان کے ٹاموں و دُڑا بوں کا خیر فرعونیت چٹکتی ہی تھی مرے بعد جو خطاب خلد آرام گاہ، جنت، آشیان، عرش مکان، اپنے بزرگوں کو عطا فرماتے ہیں ان کو کیا کہا جائے۔ کیا جنت اپنی جاگیر کی بانی ہو کہ نہا بانٹے ریواری ہر بھڑائیوں کو کھڑے لگے بے دریغ باٹنے کے بجالا ہندوئن خشم عموقد و بخارا را بخیر تو وہ بچاے شیخ الامراء دل میں کچھ ہے ہوں ظاہر ہیں تو ان میں فقری کی صرف یہ بات تھی کہ گیر والباس سب تن فرماتے تھے مگر پڑا ہوا تھا قیمتی، اور یوں بھی ان کی گزران امیر نہ تھی اور امیروں کے پیر تھے تو کیوں ہوتی امیروں کی عقیدت کا تو کچھ کہنا نہیں ان کے یہاں جہاں موردنی داروغہ، موردنی خواجہ سرا، موردنی ایک، موردنی ٹھکے اسی فہرست میں شیخ الامراء صاحب بھی تھے مگر لوگ شاید جسد کے طے کچھان کا قائل تھے بلکہ کسی محب میں ان کا ذکر بھی آگیا تو جو وضع دار تھے انھوں نے سکوت کیا اور جو منہ کے بیٹھو تھے انھوں نے غیبت کر دی

کر دیا کارہیں، فقیری کو بدنام کر رکھا ہو۔ آخر وہ بزرگ ایسے بیمار پڑے کہ گھڑی گھڑی انکے مرنے کی خبر ملنے لگی اور خبر کے ساتھ ان کی کراستیں اور خوارق عادات بھی کدصال پہنچا ہو اور لطائف جاری ہیں سب کو دکھائی دیتے ہیں سن بہتے ہیں غسل حسین ہیں ہمدردی ذرا گھٹنے پر سے کھسک گیا تھا خلع کے بندے ہو تو یقین کر کے ماننا حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے نچا کر لیا۔ ہاتھ پاؤں جیسے ریشم۔ جنازہ اٹھایا تو ہلکا پھول آخر مشہور ہوا کہ قبر کی مٹی عجیب خوشبودار نکلی ہو کہ سارا نکل پڑا اہلک ہا ہو شہر کی خلقت کو انگلی گھڑی کر تو سیکڑوں آدمی جمع ہو جائیں، ہزاروں آدمی اُمنڈ پڑے اور تبرکے طور پر چکی چُکی مٹی لینی شروع کی۔ کھودتے تھے قبر کی باؤلی کتنی عورتوں اور بچوں کے گلے میں تعویذ کی جگہ اُس مٹی کی بوتلیاں لٹک گئیں۔ پھر وہ دن اور آج کا دن کرامتوں کی فہرست ماشاء اللہ طبعی ہی جلی جاتی ہو۔ اللہ عز و قدر۔

سوال۔ واقع میں یہ کیا بات ہو کہ مرے پیچھے درویش لوگ زیادہ پُجنے لگتے ہیں؟

جواب۔ پیراں نمی پرند مریدان میرا نند۔ اور جیتے جی ایسے لمبے چوڑے دعوے کیے جائیں تو ابراہیم علیہ السلام کی سی تھدی ہو کر قلعی نہ کھل جائے۔

سوال۔ ابراہیم علیہ السلام کی تھدی کیسی؟

جواب۔ قرآن میں اس تھدی کا نہایت عمدہ مذکور ہو خدا سمجھ دے تو جتنے غلطی آدمی ذہن میں گزرتے ہیں صراحتاً یا لکنا تہ بھی کا جواب قرآن میں موجود ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی تھدی یہ تھی کہ ان وقتوں کا بادشاہ خدا کو نہیں مانتا تھا۔ اسی بات پر اس کو اور ابراہیم علیہ السلام سمجھت ہو پڑی بادشاہ نے کہا کہ تم جس خدا کی طرف سے پیغمبر بن کر آئے ہو اور چاہتے ہو کہ ساری دنیا اُسی کی پرستش کرے آخر یہ بتاؤ کہ وہ بندوں پر کس طرح کا اختیار رکھتا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کہا ایک اختیار تو اس کا یہی ہو کہ بندوں کا جینا مرنا اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ بادشاہ نے کہا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک جوانی کو چھوڑ دیا

اور ایک بے گناہ کو ناحق بیٹھے بٹھائے مروا ڈالا۔ ابراہیم نے کہا خیر یہ تو آپ نے کیا مگر آفتاب جو پورے نکل کر پچھم میں غروب ہوتا ہو یہ تو آپ کے حکم سے نہیں کیوں آپ سے پہلے بھی تھا آپ کا خدائی کے اختیارات رکھتے ہیں تو اس کو حکم دیجیے کہ پچھم سے نکلے اور پورب میں غروب ہو۔ اس بادشاہ لاجواب ہو گیا۔ تو اگر دنیا میں کوئی بھی ایسا دعویٰ کرے اس کا قائل کر دینا کیا مشکل ہو۔ آئے دن اس کی در ماندگی ظاہر ہو۔ یہ وجہ ہو کہ درویش اور شاخ مرے پیچھے زیادہ چُٹنے لگتے ہیں۔

سوال۔ کیوں صاحب جو لوگ توحید کے بھی قائل ہیں اور پھر اُس میں بننے بھی پیدا کئے ہیں جیسے مسلمان ہو کر ہمدوست کہنے والے یا مثلاً عیسائی۔ وہ اپنے معتقدات کی کیا تاویل کرتے ہیں؟

جواب۔ ہمدوست کہنے والوں اور عیسائیوں کی تنصیص کیوں کر وہ ایسا کوئی آدمی نہیں جو خدا کا قائل نہ ہو اور جو خدا کا قائل ہو وہ ضرور اُس کو وحدہ لا شریک بھی جانتا ہو اور جس قدر توحید سے بٹھکا ہوا ہو وہ اپنے زعم میں اس کی کچھ تاویل کرتا ہو تو اس کے معنی ہیں کہ وہ اصل میں توحید کا معتقد ہو اور توحید کے خلاف جو باتیں اُس سے سرزد ہوتی ہیں ان کی تاویل کرتا ہو تاکہ توحید میں خلل نہ آئے مسلمانوں کی توحید بھی ایسی کئی اور خالص توحید نہیں جیسا واقع میں ہو اور جیسا سلام چاہتا تھا کہ ہو مسلمانوں سے بھی ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جن سے ان کی توحید کا نر لڑا نظر ہوتا ہو۔ یہ لوگ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے دو سر لوگ کافر اور شرک اور بت پرست کہلاتے۔ تو جو تاویل مسلمان کرتے ہیں ہی یا ایسی ہی قسم کی دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں کہ جو تم سمجھتے ہو تم شریک خدائی گردانتے ہیں، خدا نہیں ہیں بلکہ خدائے اپنی خاص خاص صفوتوں کو ان کے رنگ میں ظاہر کیا ہو۔ یا یہ لوگ خدا کی سرکار میں ہمارے جیسے ہیں۔ یا ہم نے خیال چلانے کے لئے ایک جیل بنا رکھا ہو۔ یا جوں کہہ چیز میں خدا کی قدریں نمایاں ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ان ہی میں خدا ہو۔ غرض آدمی بات بنانے پر آئے تو اس کے بہتیرے سہ ہیں ایک بار دہی شہیت کی یہ تاویل کی تھی۔

ایسی بھی ذرا کم سمجھتی ہو۔ کھڑا ہوا و عظیم کہہ رہا تھا اور اسی تشکیث کا مذکور تھا اُس کی تمام تقریر کا اصل یہ تھا کہ تشکیث ایک رازِ ہر خدا کی ذات سے متعلق ہے ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے جیسا یہاں اس جگہ ویسا امر بھی ہے۔ ویسا زمین کے کونے کونے میں ویسا آسمان میں۔ وہ سوا نہیں تھا کہ انہیں دلوں کے منصوبے تک جانتا اور جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا ہو اور ہونے والا ہو اُس کو سب معلوم ہے لیکن یہ ایسی باتیں ہیں کہ مطلقاً ہماری سمجھ میں نہیں آتیں کہ کیوں کر کوئی شخص ان معقولات کا جامع ہو سکتا ہے اور شخص نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی کسی نے دیکھا اور نہ کوئی اُس کی طرف خیال دوڑا سکتا ہے غرض خدا خود بیدار اُس کی ہر ایک بات بیدار اور دنیا میں اور بھی بہت سے بیدار ہیں تو ایک تشکیث کے بھیدے لوگ کیوں اس قدر گھبرائے اور کیوں اس قدر اس کے پیچھے پڑے ہیں۔

سوال۔ بات تو معقول کہی۔

جواب۔ معقول نہ معقول کیا خاک معقول کہی! یہ بالکل سچ ہے کہ عقل انسانی خدا کی اتا اور صفات پر لحاظ نہیں کر سکتی ہم نہیں جانتے اور نہیں جان سکتے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ خدا کے بارے میں ہم عقل سے بالکل کلم نہیں عقل ہم کو اور زیادہ نہ بتا سکتے تاہم اتنا تو بتاتی ہے کہ خدا ہوا اور عقلی گواہی کے سوائے خدا کے ہونے کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو جب ہم نے خدا کو مانا عقل کا کسی قدر لحاظ تو سیدم کرنا پڑا اور جس طرح عقل گواہی دیتی ہے کہ خدا ہوا اسی طرح یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ ایک ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم عقل کی ایک بات کو مانیں اور ایک بات کو نہ مانیں۔ رو گئیں خدا کی صفاتیں ہماری عقل اتنا تو بتاتی ہے کہ خدا میں یہ صفاتیں ہیں اور انتظام دنیا کو اہی دے رہا ہے کہ اُس میں یہ صفاتیں ہونی چاہئیں۔ اس لئے کہ عقل گم ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دیکھتا اور زندہ ہے خدا سے دُنیا نہیں سنبھل سکتی مگر یہ کہ اُس کی آنکھیں میں یا نہیں اور میں تو کیسی ہیں اور نہیں تو کیسے دیکھتا ہے، یہاں ہم دم نہیں مار سکتے اور یہی حال ہو اُس کی دوسری صفات کا اگر عقل کہتی کہ خدا تو ہے

مگر نہیں معلوم ایک ہی باتیں ہیں یا ایسا ایک ہو کہ وہی تین ہیں اور ایسے تین ہیں کہ وہی ایک ہو تو پادری صاحب سچے تھے۔ مگر عقل تو صاف پکائے کہہ رہی ہو کہ ہو اور ایک ہو، تو با عقل کے خلاف کیسے ممکن ہے ایک کو تین اور تین کو ایک منوانا طلبِ محال ہے۔ اور میں نے مذہب کا اصول یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ جو مذہب طلبِ محال کرے وہ بچا اور خدائی مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے میری عسائی مذہب کے مذہب حق نہیں سمجھتا اور عیسائیوں کی کیا تخصیص ہے، میں نے توجہ میں تزلزل دیکھا اور ہٹنے سے لگھڑا اور اسی توحید کے کارن تو میں مشائخ کے پاس ہو کر نہیں پھٹکتا ورنہ اصلاحِ باطن کے سچے ناطے تو سرگروہ کا بہتر ایسا ادب میرے دل میں ہو اور میں اس گروہ کی بڑی ہی ضرورت سمجھتا ہوں مگر جیسی بڑی ضرورت ہو ویسی ہی مکر کی بڑی گنجائش ہے خصوصاً جس حالت میں کہ شریعت کی روک ٹھادی گئی ہو جیسے کہ لٹھا دی گئی ہو۔ بھلا ایک بات یہ ہو کہ مسلمانوں کے طرزِ عبادت سے، اُن کے تیمم و اُرس، اُن کی ظاہر و باطن سے جس سے مسلمان پہچان پڑتا ہو، اُن کے احکام و شریعت آخر اس کا تو پتہ لگتا ہو کہ اسلام کے خرافہ پر اترے پیچھے مسلمان کو کیا اور کیسا ہونا چاہیے۔ اُس کو ہونا چاہیے نمونہ پر اللہ کا نور یعنی نیچی ڈارھی، نہ چڑھی ہوئی نہ منڈی ہوئی اور نہ خنثی تاشی کتری ہوئی۔ بیس لی ہوئی سُنَد ہو نہیں سارے سر پر بال، پٹھے نہیں گروہ نہیں بھلے مانسوں کا لباس، نہ ایسا باریک اندر سے بدن بڑا جھلکے کہ اُس کو پیغمبر صاحب نے فاسقوں کا لباس فرمایا نہ تنگ اسٹاکٹ ظاہر ہو، اور نہ بے ضرورت ڈھیلا کہ وہ سرفروشی میں داخل ہو ریشمی نہیں، عورتوں کی طرح رنگین نہیں۔ سر سے پاؤں تک بناؤ سنگار کا کہیں نام نہیں کنیزِ زینت عورتوں کا شیوہ ہے۔ نیچی چولی، ٹخوٹ اوچھا پاجامہ۔ زیور کے نام بدن پر جھلکا تک کہیں کے پر نہ بنا نہ ہو گوتہ نہیں ٹھپے نہیں۔ یہ تو مسلمان کی وضع ہوئی اگر چلتا پھرتا کہیں نظر پڑ جائے تو نیچی ۲ نکمیں کیے بے پاؤں پنے سے لگا چلا جا رہا ہو لیٹھتا نہیں اترتا نہیں۔ جب دیکھو گھر میں کام کے سر بلا نیچو قوت مسجد میں گنجد چوہر تاش شطرنج جتنے کھیل ہیں ان میں اُس کو ایک بھی نہیں تاکہ کبھی کھیلے ہوں تو جانے۔

نہ پتنگ اڑاتا نہ مرغ یا بیسیر لڑاتا نہ جانوروں میں کشتی کرنا۔ برسوں کے محلے میں رہتا نہ کبھی کسی سے لڑتا نہ جھگڑا۔ گلی کی لڑکیاں دن رات اس گھر سے اُس گھر میں اور اُس گھر سے اس گھر میں دڑتی دڑتی بڑی بھرتی ہوئی تھیں، اُس نے کبھی کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھا ہو تو بچا نہ۔ باس پڑوس والوں کا کچھ کام ہو تو بے بلائے موجود بازار سے لوگوں کو سودے سلف یہ لاکر دے۔ کوئی بیار پڑے تو حکیم کے یہاں دونوں وقت بیجائے۔ نسخے عطار کے یہاں سے بندھوا کر لائے۔ اپنے گھر میں کبھی بڑوں کو جواب دیا نہ کبھی چھوٹوں پر سختی کی۔ کسی معاملہ پڑا تو نیت کا درست، بات کا پورا، وعدے کا سچا۔ شہر میں ایسا کون ہو جو اس کی ساکھ نہیں مانتا۔ نہ بچ رنگ کے جلسوں میں شریک ہونا تو درکنار نام لے دو تو پیسے پیسے ہو جائے غریب، مسکین، متواضع، منکسر، بھلا مانس، ہنس خلق، ملنسار، راست باز، دیانت دار، غیور، بردبار، حریف نہیں لایچی نہیں، سیدھا سادا، بے تکلف آنکھوں میں شرم کا نا، نیک شہ کا پابند۔ یہ ہر مسلمان کا مختصر سا حلیہ اور جو برہنہ گارہیں وہ تو ایسے ہندب اور شائستہ اور باوقار ہیں کہ بھول کر بھی ان کوئی سخیف اور ذہیف حرکت سر نہ نہیں ہوتی۔ ہم کو بھی ایسے دو چار بزرگوں کی زیارت کا اتفاق ہوا ہو تو ان کی ستائش کا کچھ ایسا عرب پڑتا تھا کہ ان کے سامنے بات نہیں کی جاتی تھی۔ دل میں تو یہ خیال میٹھے ہوئے تھے اور جانا ہوا ایک بزرگ کے عرس میں پہنچا مخلوق تھی مگر مجبوری کہنا پڑتا ہو کہ ایک بھی تو اپنی نگاہ میں نہ چھا۔ بازاری اور عوام درود و خدوے لوگوں کو چھوڑ کر تو ملی کا جو مقدس جلسہ تھا وہی خود کیا تھا۔ تقدس کے ٹوٹے دیے ہیں مجھ جیسے نالائق نابکار عالم اسلام گنہگار کو بھی تو اس مجمع میں بیٹھنے سے شرم آئی۔ یوں نا بچ کا جلسہ ہوتا تو میں ایسا پاک بے حیا ہوں کہ شاید کچھ بھی شرم نہ کرتا۔ جان لیتا کہ چند بے غیرت مسلمان سلام کو بدنام اور لہجے خستہ فصیح کرتے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور ان میں ایک میں بھی ہوں۔ لیکن ان مسرت تھا کہ اس جلسہ کے قوالی کو ایسے ادب سے دیکھا جاتا تھا کہ گویا مجلس عظمیٰ اور اس میں خدا رسول کا تذکرہ ہو رہا ہو تو ملی نہیں بلکہ ایک طرح کی

عبادت ہو کیوں کہ جتنے لوگ تھے سب رنگون دوزانو دہ بیٹھے ہوئے تھے، بلکہ اپنی مجالس میں تو گناہ کرتے بھی نہیں۔ عزا داری کی مجلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ مولود کی خصلوں میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے تو کہیں یہ ادب قاعدہ دیکھا نہیں۔ لوگ گانے کے مزے لے رہے اور کچھ نہ

تھیں بناتے، نعتیں گزروں کو پڑھتے، شب کو ان کیجی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں۔

خدا جلنے کیا سمجھ کر عجیب عجیب حرکات کرتے تھے کہ ہم جیسے بے ایمان کو حرکات مجنونانہ کے سوائے اور کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ ہاں آسمان میں فرشتے ذکر الہی کے وجد میں کر ایسے بے تال بے سُر ناچتے ہو تو فرشتے لیکن اگر بہشت میں جانا نصیب ہوا اور ظاہر میں کچھ سامان ہو نہیں لیکن اگر ہوا اور ابناچ ناچنا پڑا تو ہم سے کیا بن پڑے گا؟ ہر کیف لوگ تو اپنے اپنے خیال میں تھے اور میں بیٹھیا یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی یہ قبر ہو اور بڑے بزرگ ہی کی ہو مگر یہ تو قبر اور حدیثوں میں تو بغیر صاحب کل قبر کی نسبت ایسا حکم دیا ہو کہ زمین دوز کردی جائیں اور جن مصلحت سے یہ حکم دیا گیا ہو نہ ہو وہ ہی مصلحت تھی کہ جو معاملہ لوگ بیٹھے کر رہے ہیں کسی کی قبر کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونے پائے۔ کیونکہ خدا نے کل من علیہا فان کا فتویٰ جو جاری فرما دیا ہو وہ تو پورا ہو کر رہے گا گنبد بنائیں تو اور قبر بے بنا بنیں۔ علاوہ بریں زیارت قبور سے مقصود ہو عبرت، اور عبرت بھی ہوگی کہ قبر کو خستہ حال دیکھو اور اب تو شامیانہ اور روشنی اور ساز سامان اور زواروں کا ہجوم اور چلبے قولی دیکھ کر عبرت کی جگہ غفلت کا خیال پیدا ہوتا ہو اور قلب پر الٹی غفلت طاری ہوئی جاتی ہو۔ آخر شب کا وقت تھا اور میلے کے غل غبار سے کی وجہ سے آنکھ کچھ رات سے کھل گئی تھی۔ اس ارے سے چلا تھا کہ نور ظہور کا وقت ہو جلوں مٹے ہو تو ان بزرگ کے مزار پر اس بیٹھ کر کچھ قرآن پڑھوں گا۔ یہاں جو آیا تو قوالی کا مجمع دیکھا۔ قرآن پڑھا جائے کیا خاک جلسے میں رہا تو سہی مگر جب تک بیٹھا رہا یہی سوچتا رہا کہ یا تو مجھ کو اسلام سے تعلق نہیں یا اسلام کو ان باتوں سے تعلق نہیں۔

یہ خیالات ہیں جو مجھ کو ان باطن والوں کی طرف رخ نہیں کرنے دیتے۔ ورنہ میں تو ان کے پاؤں دھو دھو کر پیوں۔ اور میں تو اس کے اور بھی زیادہ برگشتہ ہوا کہ مجھ کو شبہ ہوتا ہو کہ میں ان لوگوں میں سے نہ تھا جی گویم تو مرا حاجی بگو کی طرح کی سازش نہ ہو اور ایک کام میں سب شنگے ایک دستر کی پرمداری نہ کرتے ہوں۔ ورنہ جیسے کسی کو اپنی لمبی چوڑی تعظیم کرتے دیکھتے تھے اس کے بڑا کر کہہ دیا ہوتا کہ کیا تم مجھ کو بنانا ہو اگر میں عبادت ریاضت حجابہ کچھ کرتا بھی ہوں تو مجھ کو کیا میری محنت تیرے کام نہیں آسکتی تو اپنی آپ کر۔ اور اگر تو نے مجھ کو خدا کا مقرب سمجھ رکھا ہو تو یہ تیری غلطی ہو۔ میں بھی ایک فیضیہ ساندہ ہوں اور اپنے عیب مجھی کو معلوم ہیں۔ میں اپنی نجات سے تو مطمئن نہیں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ یہ یہ خود در ماندہ کراشتافت کندر اثر شروع میں ایسا روکھاپن اختیار کر لیا جائے تو کوئی پاس بھی تو اگر نہ پھٹکے۔ اور ایک دم سے ان تمام خرابیوں کا انسداد ہو جائے جو اس گروہ کے سبب سے اسلام میں پھیل گئی ہیں۔ قرآن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا تَرْكُوا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تَتَّقُونَ اپنے آپ پاکیزہ و مقدس نہ بنو (اپنے منہمیاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلتا) خدا ہی کو خبر ہو کہ کون پاکیزہ و مقدس ہو۔ اگر ایسا سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو کوئی کیوں کسی سے بیعت لے، کیوں کسی کو مرید کرے، کیوں کسی سے ہاتھ چمولے، کیوں کسی پر دکن ہاتھ لگولے، کیوں لوگوں سے تعظیم و تکریم کا طلب گار ہو۔

سوال۔ کیوں صاحب ایک بات کا کئی دفع خیال آیا اور باتوں کے سلسلے میں پس آتا رہتا رہتا۔ جو لوگ توحید میں پورے نہیں ظاہر ہو کہ وہ اسلام میں تو آ ہی نہیں سکتے اور ہم ان کو بہت اعمال نیک کرتے دیکھتے ہیں۔ تو کیا ان کی یہ نیکیاں برباد اور کار تھیں؟

جواب۔ یہ پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔ میں نے تم کو بار بار منع نہیں کیا کہ تم دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہ کرو؟

سوال۔ لیکن طبیعت میں خود بخود ایک خدشہ پیدا ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب: طبیعت تمہارے بس کی ہو یا تم طبیعت کے بس میں ہو، اگر ایسی بے اختیار ہو تو ہم مذہب کی طرف سے مطمئن ہو چکے۔ طبیعت تم کو دنیا اور دین دونوں میں غوا کرے گی۔ اس طبیعت کا آدمی دنیا میں اس کے رہ نہیں سکتا۔ اور اس طبیعت کے نتیجے میں لوگ آئے دن آپس میں جوتی پیرا کر رہتے ہیں کوئی ایک مذہب دوسرے مذہب کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جو شخص دوسرے مذہب کا زیادہ تعصب رکھتا اور دوسرے کے ہر ایک فعل کو اس کی توہین کا موجب سمجھتا ہو وہ خود بھی اس الزام سے بھری نہیں مثلاً ایک ہندو ہماری مسجد کا ادب نہیں رکھتا تو وہ معذور ہے کہ سرے سے اس کو عبادت گاہی نہیں جانتا۔ اسیں ہم جو مسلمان ہو کر مسجد کا بڑا ادب کھتے ہیں اپنی کہ اس میں جو تباہی نہیں کرتے نہیں جاتے مگر اندر جا کر غیبت ہم کرتے جھوٹ ہم بولتے لڑتے جھگڑتے یہود ہ کو اس لگتے۔ دنیا کا وہ کون کام جو خواہ خدا میں نہیں ہوتا کیا اس مسجد کی توہین نہیں ہوتی؟ ہمارے نزدیک اس سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے مذہب کا آدمی جو تباہی نہیں کر اندر چلائے مگر لوگوں نے مذہب کا تو جیل بنا رکھا ہے۔ دلوں میں خباثتیں بھری ہیں۔ مذہب کی آڑ میں جانتوں سے کام لیا جاتا ہے اور دین کے اعتبار سے تو میں دوسرے مذہب سے متعرض ہونے ہی کو برا سمجھتا ہوں کہ ہم کو دوسرے کے دین و مذہب سے غرض نہیں تعلق نہیں۔ وہ جانے اس کا کام جانے ہر کسے مصلحت خویش نگوئی داند۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ لَمْ يَهْجُزْ سَلَامًا لَمْ يَتَوَكَّ مَا لَا يَغْنِيهِ اور میں دوسرے کے مذہب سے متعرض ہونے کو ہر گز لایعنی میں داخل سمجھتا ہوں۔ اور ایک پہلو تو اس کا بہت ہی بُرا ہے کہ دوسرے کے مذہب سے متعرض ہونا خدا کے اختیارات میں دخل دینا ہے۔ یہ خدا کا کام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی نیکی بدی کو تو لے اور اُن کو اُن کے کیئے کی جزایا سزا دے۔ ہم سے وہ لوگوں کے بالے میں پوچھتا نہیں تو ہمارا دخل در معقولات داخل سور ادب ہے۔ دنیا میں ہمارا لوگوں سے

لے آدمی کے ایمان کی خوبیوں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جو چیز اُسے درکار نہ ہو اُس سے سروکار نہ رکھے۔

اتنا ہی تعلق ہو کہ ہماری حاجتیں اُن سے اور اُن کی حاجتیں ہم سے متعلق ہوتی ہیں اور بس۔ اگر ہم سے مثلاً کسی نے قرض لیا ہو اور وہ ہم کو وقت پر ادا کر دیتا یا ہم کو کسی قرض دیا ہو اور ہم سے ناحق ناروا زیادہ نہیں لینا چاہتا تو ہم کو جیسا مسلمان دیا ہندو دیا عیسائی دیا بت پرست دیا مشترک دیا کافر۔ ہم مسلمان ہیں تو اپنے واسطے وہ مسلمان نہیں ہو تو اپنے واسطے نہ

آسائش دو گیتی تغیریں دو حرفت باد و ستاں تطف بلخمنان سدا رہ
دوست دشمن کا تفرقہ بھی شاعرنے کیا ہے۔ ہم کو تو سب دوست ہی دوست دکھائی دیتے ہیں۔ دشمن اگر ہو تو اپنا نفس ہو اُن النفس لا مآرۃ بالسوء۔

سوال۔ یہ سائے تو آپنے اب قرار دی لیکن جن دنوں آپ میری طرح دین کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کی فکر میں تھے اُس وقت کفار کے اعمال نیک کی نسبت آپ کیا خیال کرتے تھے۔
جواب۔ لگے مجھ سے بھی طالب العلمانہ داؤ چلنے ہ میں جو کچھ سائے رکھتا تھا اب میں نے اس کو بدل لیا ہے۔
سوال۔ تاہم اُس کے سُنے سے مجھ کو تسکین ہوگی۔

جواب۔ تسکین تو اس سے ہوگی کہ اپنی ہندیا کی خیر مناؤ مگر تم اصرار کرتے ہو تو ایک حکایت کے طور پر تم سے بیان کیے دیتا ہوں۔ مجھ کو ایک مثال سوچھ گئی تھی کہ جیسے ایک شخص کسی مرض سخت میں مبتلا تھا۔ وہ گیا ایک حکیم حاذق کے پاس اُس نے بڑی توجہ سے اُس کا علاج کیا اور مر لیا اچھا ہو گیا نہ ترسنا سیت یہ ہو کہ وہ حکیم کا شکریہ ادا کرے لیکن وہ حکیم کو چھوڑ عطار پاس دڈا گیا۔ اسی طرح خلع نے ہر ایک آدمی کو اتنی عقل دی ہو کہ خدا کو پہچانے۔ اگر وہ پہچانے کی کوشش نہیں کرتا تو جو اعمال نیک اس شخص سے کتا ہو کہ خدا سے اس کو تقرب ہو وہ ایسا ہی غلطی میں ہی جیسے وہ بیمار عطار کا شکریہ ادا کرتے کیا تھا مگر اس کے بعد جو تم نے اس طرح کی بات پوچھی تو مجھ سے زیادہ بڑا کوئی نہیں۔ کیوں کہ بحث منطقی ہو رہی ہے۔
لے آدمی کا نفس تو بد ہی ہی کے بڑے حکم چلاتا ہے۔

سوال۔ آپ ناخوش نہ ہو جیے میں نے بحث کے طور پر آپ سے کچھ نہیں پوچھا بلکہ استفادے کے طور پر۔ اور آپ کے بیان سے میری پوری تسلی ہو گئی ہے اور کسی طرح کا خدشہ میرے دل میں باقی نہیں۔ ہاں طبیعت ان خیالات سے آشنا نہیں۔ اب ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً غور و فکر کر کے میں ان خیالات کو سامنے لوں گا۔

نیچری فرقہ

لیکن میں ان نیچریوں کی نسبت بھی آپ کے خیالات معلوم کرنے چاہتا ہوں کہ آج کل ان لوگوں نے بھی بڑی اودھم مچا رکھی ہے۔

جواب۔ نیچری ابن الوقت ہیں یعنی اس زمانے کی پیداوار۔ زمانے کا رنگ دیکھو کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ تمام ہندوستان میں انگریزی علمداری جو طعن کلاب امن کبھی ہندوستان کو نصب نہیں ہوا۔ اسی امن کا دوسرا نام ہے آزادی۔ یہ شخص فاعل مختار ہے جو چاہے سو کرے بشرطیکہ دوسروں کی عافیت میں خلل انداز نہ ہو۔ سرکار ایک کو دوسرے کی آزادی میں کیوں خلل انداز ہونے دے گی جبکہ رعایا کی آزادی میں اپنا خلل انداز نہ کرنا بھی جائز نہیں رکھتی۔ آزادی کے کئی پیرائے ہیں ان میں سے بڑا ضروری پیرایہ آزادی رائے کا بھی ہے جس سے ہم کو بحث ہے۔ سرکار کسی کی رائے میں دخل نہیں دیتی۔ مگر جس چیز سے رائے کے قائم کرنے کی یاقوت پیدا ہوتی ہے یعنی تعلیم اس کے پیچھے ستوا باندھ کر پڑی ہے اس واسطے کہ دُنیا کے کام بے تعلیم کے چل نہیں سکتے۔ ہر چند تعلیم دنیاوی چیزوں میں دی جاتی ہے اور کسی مذہب کا نام زبان پر نہیں آنے پاتا مگر ہندوستانی تو مذہب کے بدون ٹکڑا نہیں توڑتے۔ ان کی عادت ہے کہ بوشاک ہو تو کھانا پینا ہو تو مین کر ہی ہو تو برتن بھانڈا ہو تو ہر چیز کو مذہب کے دورے میں تعلیم کو کیا بخشے۔ مدتوں لوگ اسی خط میں مبتلا رہے کہ تعلیم کا اصلی مقصود عیسائی بنانا ہے۔ مگر جھوٹے پاؤں کیا۔ اور ادھر پڑی بیٹ کی مار اور یہ بھی دیکھا کہ تعلیم کی بھٹی مٹی سوکھا اور گلیاں بھی جدا جدا جاتا ہے۔ ہندو مسلمان عیسائی یہودی کون ہے جو اس کی آغوش سے سچا مو۔ باسے وہ اگلی جیشت تو نہیں مگر اس بھی

نہیں۔ بہت سی دوائیں ہیں کہ فائدے کے اعتبار سے اکیس کا حکم رکھتی ہیں جیسے کوئین ہوئی کا ڈوڑا رائل ہوا۔ مگر کوئی تو اس بلا کی کڑوی ہو کہ زبان پر نہیں رکھی جاتی۔ کسی میں ہیک ہو کہ حلق سے نہیں اُترتی۔ اور جب طبیعت دوا کو قبول نہ کرے تو فائدہ کیا خاک ہو۔ اس لیے لوگوں کو نین کی تلخی دور کرنے کے لیے گوبیاں نکالیں۔ کوئین کے اوپر کوئی اور چیز خوش مزہ یا بدمزہ نہیں بے مزہ۔ کا ڈوڑا رائل میں جو کانتا سٹیا اور دوائیں ملا دیں کہ کا ڈوڑا رائل کی ہیک بھی دب گئی اور اُس کے اثر کو بھی تاید پئی۔ یہی حال تعلیم کا ہے کہ اس کے آگے اکیس کی کچھ حقیقت نہیں۔ مگر مذہبی خط و الوک بپختی بھی نہیں۔ یہی مشکل میں جان ہو کہ مفلسی جیسا تو ہلکا مرض اور دوائی یہ ایک تعلیم نہ پیتے بن پڑتی ہو اور نہ بے پیے رہ جاتا ہو۔ نیچر یوں نے تادیل کی ایک ترکیب نکالی ہو کہ اُس سے مذہبی مذاق کچھ ایسا بن جاتا ہو کہ پھر تعلیم کی دوا مطلق ناگوار نہیں معلوم ہوتی۔ بس ان کی دوا میں یہی ایک عیب ہو کہ مذہبی مذاق کو عطل کر دیتی ہو جیسے مخدر دوائیں کہ جہاں لگا دو تو ناکھڑا مَن پڑ جاتا ہو۔ ورنہ نیچر یوں کے مسلمان ہونے میں اور ان کی نیت کے بخیر پھرنے میں ذرا بھی شک نہیں۔

سوال۔ لیکن مذاق مذہبی جو بڑی ضروری اور بجا آمد قوت ہو وہ جو باطل ہوئی جاتی ہو؟

جواب۔ کیا کیا جائے۔ تمام مجبوری ہو؟

سوال۔ ایسی کاتبے کی مجبوری ہو؟

جواب۔ مجبوری یہ ہو کہ تعلیم بھی تو اپنی حالت پر قائم نہیں ہے۔ انگریزی علمدار سچی پہلے ہمارے یہاں کی تعلیم تھی کیا۔ لفظی اور منطق و فلسفہ خیالی کے ڈھکوسلے سودہ سارا دفر کا وغور ہو گیا۔ اب تو ہندو اور ریاضی اور طبیعیات ایسے علوم کی قدر جو جن کا مدار بدیہیات اور مشاہدات پر ہو اور ایسے علوم دُنیا میں کلام بھی آتے ہیں۔ ایسے ہی علوم سے پلین چل پڑیں، تمار دور نے لگے ہزار قسم کی

کلیں ایجاد ہو گئیں۔ ان علوم کو پڑھتے پڑھتے آدمی کی طبیعت کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ بے شاہدہ لوگ کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا۔ وہ ہر جگہ ڈھونڈتا رہتا ہے اور تقلید سے کٹا ہوا حساب و جبر و منطقی کا سا عمل۔ مذہب کے اعتبار سے یہ پہلا خصل ہے جس سے آج کل کا کوئی تعلیم یافتہ دل محفوظ نہیں۔ طبیعت تو واقع ہوئی ایسی اور مذہب کی جڑ دنیا و خدا کی شناخت ہے کہ نہ کسی دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے تو ایسی طبیعتوں میں اور مذہب میں کیوں کر التسیام ہو؟ اگر مذہب ہی مشاہدے کی چیز ہوتی تو جوتیوں میں دال ہی کیوں بنتی۔ سب کی ایک مت ہوتی نہ کوئی کسی کو کافر نہ کہ کوئی کسی کو جہنم میں حکمیت۔ اندھے کو پھر بھی صبر کرنے کی جگہ ہے کہ اُس کو کچھ نہیں سوچنا۔ ایسا دل حدیٰ لولجبتیں بڑی مصیبت تو اُس کی ہے جو اندھا بھی نہیں کہ صبر کرے اور اُس کو نور کی جھلک سی بھی دکھائی دیتی ہے۔ نہیں دیکھتا تو دل نہیں مانتا اور دیکھتا ہے تو صاف نظر نہیں آتا۔ بعینہ یہی حال ہے انسان کا مذہب کے بارے میں۔ اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا ہوا اس سلسلے کہ وہ اُس کی آواز سنتا اور اُس کی آہٹ پاتا ہے مگر کھلتی دیتا اور نہ کپڑائی دیتا۔ پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ گو میں دنیا سے کوچ کر جاؤں اور میری لاش کو جلا کر راکھ کر دیں اور راکھ کو دریا میں بہا دیں یا فیر کھود کر گاڑ دیں اور میرے بدن کو کٹرے کھا ڈالیں مگر میں کسی جون کی شکل میں رہوں، رہوں گا ضرور۔ پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ میں نیامی چمے کلام بھی کر سکتا ہوں اور بُرے بھی کر سکتا ہوں۔ اچھا کروں تو مجھ کو شاہنشاہ ملے گی اور برا کروں تو میری شامت آئے گی۔ بس مذہب کے بارے میں عقل ان کی پیروی ہو چکی گو وہ انسانِ فلاحیوں یا فلاحیوں کا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔ اور کوڑھ میں کھانج عقل کی نارسائی پر اشارہ کرید کہ سب کچھ جان لوں اور خدا ہو جاؤں اور یہ ساری آفت کا سہ کی ہے؟ اُسی گریڈ کی۔ کہ حضرت آدمؑ سے صبر نہ ہو سکا اور جس خنک کھانے کی منہا ہی تھی اُس کو کھایا پر کھایا۔ اُنھوں نے کھایا اور اُسی کے مزے ہم پڑے چکھ رہے ہیں طبیعت کی گریڈ دیکھ کر خدا نے پیغمبر بھیجے کہ جہاں تک انسان کا ظرف متل ہو سکے اس کے وہ بات نہادی جا جس کی

ٹوہ میں لگا ہی پیغمبرؐ کو بتایا سمجھایا۔ مگر صبح میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ وہ کرید نگئی پر نگئی کر دُنیا کی چیزوں کی طرح خدا کو دیکھوں اُس سے خود میری باتیں ہوں اُس کا منشاء معلوم کروں دُنیا سے جو جو کچھ پیش آنی ہو سب پر حاوی ہو جاؤں۔ یہ کرید تھوڑی بہت سمجھی ہیں اور آج کل کے تعلیم یافتہوں میں تو جنوں کی حد کو پہنچ گئی تھی۔ قریب تھا کہ یہ لوگ قیدِ اسلام سے آزاد ہو کر کہیں کو آوارہ چلیں۔ ان کی روک تھام کے لئے نیچری کھڑے ہوئے۔ سودہ شورش تو فرو ہو گئی اور رہی سہی اور فرد ہوئی جاتی ہو کہ اب کوئی انگریزی پڑھا ہوا مسلمان چاہے وہ ایم اے اور ایل ایل بی یا بارسٹر ہی کیوں نہ ہو احاطہٴ اسلام سے بھاگنے کا نام نہیں لیتا۔ مگر ہر گ تو جاتے ہی جاتے گئے۔

سوال۔ اگر یہ ہو تو نیچری ہم مسلمانوں کی بڑی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔

جواب۔ خیر اگر شکر گزاری کے مستحق نہ بھی ہوں تو لعنت اور گالیوں کی بوجھاڑ کے بھی سزاوار نہیں، جو ان پر چاروں طرف سے پڑی برس رہی ہیں۔ یہ تذل سے اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ ان کو خود بڑی مشکل پیش ہو، کیوں کہ مرض ہو سخت کہ اگر اس کو جنون سمجھا جائے تو وہ ایسا خطرناک جنون ہو کہ مجنون شاید اپنے تئیں یا کسی دوسرے کی طرح کا نقصان نہ پہنچا بیٹھے اور پھر جنون بھی ہو تو نئی قسم کا جنون ہو۔ اس کے لئے علاج بھی نیا تجویز کرنا پڑتا ہو اور نئے علاج میں کچھ غلطی بھی ہو تو چنداں کا خطا کے قابل نہیں۔

سوال۔ اپنے پیچروں کے اصول تو خوب دریافت کیئے مگر یہ فرمایئے کہ اسلام اور تعلیم میں المیام کا اُنھوں نے کیا طریق نکالا۔

جواب۔ اُنھوں نے طریق یہ نکالا کہ جہاں تک ہو سکا اسلام ہی کو دیا یا۔ اور بات بات میں تعلیم اور عقل کی جانب داری کی۔

سوال۔ یہ تو یک طرفہ فیصلہ ہوا۔

جواب۔ اس میں شک کیا ہے۔ اور اسی سبب تو میں اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا۔
سوال۔ اچھا اگر تعلیم اور عقل کی جانب اری نہ کرتے تو کرتے کیا؟ تعلیم یافتہ تو کسی طرح دینے والے تھے نہیں۔

جواب۔ بناؤں کیا کرتے عقل اور مذہب دونوں میں حد بندی کر دیتے جیسے ان دونوں ہماری سرکار روس اور افغانستان کے مقابلے میں کر رہی ہو۔ مگر عقل اور مذہب کے مقابلے میں حد بندی کی جاتی اُس میں الگ الگ تین طرح کی حد بندی ہوتی۔ ایک تو علاقہ جس میں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کو قطعی ممانعت کر دی جاتی کہ اپنے قدم نحوست لزوم اس علاقے میں نہ لائے۔ دوسرے خالص عقل کا علاقہ کہ حضرت مذہب ہاں جانے کی تکلیف نہ فرمائیں تیسرے علاقہ مشترک کہ اُس میں عقل و مذہب دونوں یکساں خیل ہوں۔ عام مسلمان تو سچا بے بھوڑ بھالے سیدھے سادے یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب و عقل دونوں جوڑواں بھائی بھائی ہیں، ان میں لڑائی کا بانٹیا لیکن جن کو عقل (اُس مانے کی عقل) ہو وہ جانتے ہیں کہ عقل اور مذہب میں سدا سے کھٹ پھٹ ہوتی چلی آئی ہو اور دونوں میں نہ کبھی بنی اور نہ کبھی بنے۔ عام مسلمانوں نے تو ایک کان کیا گونکا ایک کان کیا ہرا۔ ان کو عقل و مذہب کی لڑائی کی خبر ہی نہیں اور نہ ان کے لئے حد بندی کی ضرورت۔ جن کو عقل کے بڑے لیے چوٹے دعوے ہیں ان ہی کو حد بندی کی بڑی ضرورت بھی ہے۔ ہم انہیں کہتے کہ نیچروں نے مذہب اور عقل کے اختلاف کو یا حد بندی کی ضرورت کو نہیں سمجھا۔ سمجھا اور خوب سمجھا اگر علاقہ نمبر (۱) کو تو ذکر علاقہ نمبر (۲) میں شامل کر دیا اور یہ بڑی غلطی کی کہ ہمیشہ ہمیشہ کو جھگڑا قائم کا قائم رہا۔

سوال۔ ذرا علاقوں اور اُن کی حد بندی کی صراحت تو کیجئے۔

جواب۔ لو میں اکثر مذہبی باتوں کو علاقہ نمبر (۱) قرار دیتا ہوں کہ اُس میں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کا دخل نہ ہو میں تم سے بیان کر چکا ہوں کہ مذہب کا سارا دار و مدار خدا شناسی پر ہی خدا کو

ماتا، اپنے تئیں نیک بگاڑ دے اور سر اچھا اور سر اچھا رہنے باقی رہنے کا یقین کیا۔ تو ان سبھی لاکھ جمع ہونے سے مذہب پیدا ہوا۔ اور خدا شناسی میں جہاں تک ہم کو ملکہ ہو وہ بھی بیان کر چکا ہوں تو سرے سے مذہب کی بنیاد ہی نامفہوم چیز ہے تو ایسا علاقہ نکالنا نہ نکالنا جہاں مذہب ہی مذہب ہو اور عقل کا دخل نہیں۔ میں اکثر مذہبی باتوں کو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ ان میں عقل کو دخل دینا وضع انشی فی غیر محلہ ہے۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات میں عقل دورانی لاجمل ہونے کے علاوہ دخل حق ہے اسی طرح بعد مرگ جو جو حالتیں پیش آئیں گی ان میں سائے زنی کرنا دخل حق ہے۔ تمام جزئیات شرعیہ کی مصلحتوں معلوم کرنے کی کوشش کرنا دخل حق ہے۔ جبر و قدر کی پہیلی کے پیچھے پڑنا دخل حق ہے یا وضع کی سیسکے دپے ہونا دخل حق ہے۔ اور اسی طرح سیکڑوں باتیں نکلیں گی جہاں عقل کے پرچھے میں تو کیوں ایسا علاقہ قائم نہ کیا جائے جہاں عقل کا مطلق دخل نہ ہو۔ علاقہ نمبر ۲، دین کے دھندے میں کھیت میں چنے بویں یا مٹر۔ جو تلی سلیم شاہی بینیں یا گول پنچے کی یا اوٹ یا گر گانی کلاسی باتوں مذہب کے کچھ مٹر کا نہیں علاقہ نمبر ۳، میں تمام اخلاقی باتیں ہیں کہ عقل اور مذہب دونوں کا ان پر اجماع ہو۔

سوال - یہ آپ نے عقل اور مذہب میں حد بندی اور علاقوں کی تقسیم تو خوب نکالی ہے۔

جواب - جی ہاں۔ ایسا نہ کریں تو مذہب کی طرف سے اطمینان کیوں کر ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ سوسوں غور کے نتیجے میں اور برسوں ہی کے غور میں ذہن نشین بھی ہوتے ہیں۔

سوال - تو آپ کے نزدیک خچروں نے کیا غلطی کی ذرا پھر فرمائیے گا۔

جواب - اصل غلطی تو یہ ہے کہ عقل سے اس کی بساط اہمیت زیادہ کام لینا چاہتے ہیں۔ اور غلطی کا قاعدہ ہے کہ بڑی جلدی اٹھے بچے دیتی ہے جہاں ایک بڑی غلطی کی اور اس سے دوسری غلطیاں پیدا ہوئیں۔ اکثر تو ان لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں بہت وقت ضائع کرنا پڑتا ہے اور عقیدے کی نارسائی کے تسلیم کرنے کی تو کھائی ہو قسم، ایسی ایسی مکر وہ غلطیاں کرتے ہیں کہ تو یہی بھلی ہے یا وہ

اصل مطلب فوت ہونا ہی سوالگ۔ حدیث تفسیر فقہ کو تو بالائے طاق رکھ ہی دیا تھا صرف ایک قرآن بچا تھا وہ بھی اس لیے کہ اس پر لفظ لفظ کا پورا کھڑا تھا تو اُس کو بھی مائے تاویلوں کے ایسا اُتو کیا ہو کہ اس کی فصاحت بلاغت پر پانی پھرتا تو پھر ظاہر عبارت پرست بھی اعتماد اٹھ گیا۔

چلے گئے لوگوں کو مسلمان بنانے، ان کو اصل دین یعنی قرآن میں بھی شک پڑ گئے۔ میں ایسے جوڑو سے کان گانٹھنے پر آؤں اور قرآن اور پیدمات کو ایک ذکر دکھاؤں تبھی کہنا۔

سوال۔ مجھ کو تو کوئی خاص مثال دے کر ان خیر یوں کی غلطی سمجھائیے تب میری تسکین ہو۔

جواب۔ مثالوں کو لے کر کیا کر گئے؟ وہی کلیہ قاعدے کیوں نہیں یاد رکھتے جو میں نے تم کو بتا دیئے ہیں کہ عقل ان فی قاصر محدود ہے، اُس کو اُس کی حد سے باہر مت پہنچنے دو۔ اور دین میں سیکڑوں ہزاروں باتیں ہیں سب پر تمام اپنے نفس کی اصلاح۔ اور معلوم ہو کہ آدمی تا بمرگ اصلاح نفس سے فارغ نہیں ہو سکتا پس ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری باتوں میں مشغول ہونا وقت جیسی قیمتی چیز کا ضائع کرنا جو جس کی باز پرس ہونی ہے تو جب کوئی مذہبی بات تھکے سانسے پھرتا ہے سب سے پہلے دیکھو کہ اصلاح نفس سے متعلق ہو یا نہیں، اگر نہیں بغفل ان کی رسائی سے باہر ہو اور جھگڑے کی ساری باتیں قسمی قسم کی ہیں، تو اس کا ن سناو اور اس کا ن نکال دو شیطان کے بہکانے بھٹکانے کے ہزاروں ستے ہیں ان میں کثیر الوقوع یہ بھی ہو کہ آدمی دین سمجھ کر ایک کام میں لگا رہتا اور اُس محل کو کارنیک سمجھ کر اُس کے اجر اور ثواب کی توقع رکھتا حالانکہ وہ کام نیک ہی نہ ہو اُس کے نہ کرنے سے اس پر کسی طرح کا الزام نہیں درسیکڑوں ضروری کام ہیں جن کی باز پرس ہونی ہے وہ یہ جانتے ہیں و آدمی ان کے سر انجام میں غفلت کرتا ہے۔ یہ آفت اکثر پیچھے لکھی ہیں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ان کی بیادقت اور ذہانت کی تعریفیں کرتے ہیں اور یہ سن سن کر ہچکچاتے نہیں سماتے۔ شاید اتنی نیکی بھی کی ہو کہ دوسروں کو غلطی اور گمراہی سے بچایا مگر عجب دُخ و دُپسند سی

اپنے تئیں تو تباہ کر لیا دھم بھیسوں انہم مجسمنوں صنعا۔ دوسرے لوگوں کے جھگڑے تو
 بُرنے پڑ گئے ہیں اب کوئی ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور یہ قلعوں وغیرہ متقلدوں کی
 نثر اعلیٰ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ تمام سمجھ دار آدمی ان پر ہنستے ہیں۔ مگر باں خجری فرقہ بیکھڑا
 ہوا ہے۔ اور اس میں لوگ بھی بڑے بڑے ذہین اور لائق ہیں سو یہ بھی آخر کا کسٹر انکسار ہو کر اپنے ہی دن
 اپنے ٹھکانے سے لگے ہیں گے۔ ان کی کوئی خاص بات بیان کروں دعا و قدرت اور وحی
 اور معجزات اور ملائکہ اور شیطان اور جہنم اور دوزخ اور آسمان ایک چیز بھی اُنھوں نے
 نہیں چھوڑی جس میں عقلی نکتے نہ چلتے ہوں اُنھوں نے اپنا اصول ہی ٹھیرا رکھا ہو گا۔ بوا
 بہا المہ محیطوا العلمہ جو بات سمجھ میں آئی اُس سے انکار۔ اور میں ان سب کو غیر ضروری اور
 ادولک یا ن سے بالاتر سمجھتا ہوں۔

دُعا

سوال۔ اگر آپ دعا وغیرہ ان ہی چند باتوں کی نسبت اپنی سائے ظاہر فرمائیں تو میں نہایت دجو
 ممنوں ہوں گا۔ اور شاید میں اس سے زیادہ آپ کو تکلیف بھی فودوں۔

جواب۔ دعا کا حال یہ ہے کہ میرے نزدیک کوئی فرد بشر اس سے منکر نہیں یعنی کوئی بندہ بشر نہیں جو
 مصیبت میں عانہ مانگتا ہو۔ اور عا نہیں مانگتا دل کی خالی جوفی تسلی کے لیے، بلکہ اُس تسلی کے لیے جو
 حصول دعا سے ہوتی ہے۔ یعنی ہر فرد بشر کو کامل یقین ہے کہ کوئی اس کے دکھ درد دُسنے والا ہے اور ایسا
 دُسنے والا کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے اور اُس کو پورا بھروسہ ہو کہ کسے گا۔ تو یہ انسان کی ایک طبعی بات ہوتی
 اور دعا سے انکار کرنا اصولِ خیر کے خلاف ہوا۔ فلاسفہ میں ایک گروہ سوفسطائیوں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں
 کہ دنیا میں کچھ ہو دی نہیں۔ یہ سب ہم کا کارخانہ ہے۔ ایک چیز جس کو ہم آکھوس دیکھنے میں خارج ہیں کہیں
 لہذا ان کو خیال یہ ہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

اس کا وجود نہیں ہے اسے وہم نے اُس کو موجود مان لیا ہے۔ وہ لوگ خوشی اور رنج اور راحت اور درد کی قائل نہیں مگر بایں ہمہ دنیا بھی ہے اور اس میں بے شمار مخلوق بھی ہے، خوشی اور رنج بھی ہے، راحت اور درد بھی ہے کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم دیکھتے اور احساس کرتے ہیں۔ غرض ہمارا دیکھنا اور احساس کرنا ہی چیزوں کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور دلیل نہیں اور نہ کسی دلیل کی حاجت۔ اسی طرح دعا بھی ہے۔ کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم کو خود بخود اس کے معنی کا یقین ہے جو شخص دعا کا سنکر ہو اُس کو چاہیے کہ دعائے اسلام سے دست بردار ہو کر سفسطائیوں میں چلے۔ مگر یہ جڑی ہونا اور ان کے نیچے کونہ ماننا اور سفسطائیوں کی سی باتیں کرنا اور اسلام کا دعویٰ یہ تو کوئی معقول بات نہیں ہے یہی بات کہ کیوں ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور کیوں ہمیشہ قبول نہیں ہوتی، اسے تو دعا کو اور تقویت پہنچی ہو کہ باوجود اسے کہ ہر طرح کی دعا قبول نہیں ہوتی اور ہمیشہ قبول نہیں پھر بھی لوگ مانگتے ہی جاتے ہیں اس واسطے کہ دعا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ دعا کا تو نام ہے، اہل تندر اس بات کی ہے کہ خدا کی قدرت محدود ہے یا نامحدود۔ میرے روبرو یہ مسئلہ پیش کیا جائے تو میں فوراً اس بحث کو بند کر دوں کہ خدا کی ذات اور صفات میں زیادہ غور غوض کرنا ہماری عقل کی رسائی سے باہر بات ہے۔ لیکن لوگوں کے سروں میں میرا مانع نہیں، دماغوں میں میرے خیالات نہیں، نیچری خدا کو قادر مطلق تو مانتے ہیں مگر اس طرح پرکڑا اُس نے اپنی مرضی سے ایک قاعدے پر دنیا کے انتظام کو چلا دیا۔ اب وہ قاعدہ ٹوٹ نہیں سکتا نہ اس واسطے کہ خدا اس کو توڑ نہیں سکتا بلکہ اس واسطے کہ وہ اس کو توڑنا نہیں چاہتا۔

سوال۔ کج بحث بات تو مغز سے ایسی اُتار کر لاتے ہیں کہ کسی کے اُٹھائے نہ اُٹھے۔

جواب۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کا انتظام ایک نسق پر چل رہا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ نسق ناقابل تبدیل بھی معلوم ہوتا ہو مگر ہماری معلومات اس قدر ناقص ہے کہ اول تو ہم یقینی طور پر نہیں

جان سکتے کہ وہ نسق ہو کیا۔ ہم ایک واقعے کو دیکھتے ہیں اور اپنے نزدیک اُس کا ایک سبب ٹھہراتے ہیں
 ممکن ہو کہ جس کو ہم نے سبب سمجھا ہو وہ سبب کافى نہ ہو، اس میں کچھ شرائط ہوں یا اس کے ساتھ دوسرے
 اسباب ہوں اور وہ ہم کو معلوم نہ ہوئے ہوں۔ یہ ٹیس اور تار برقی اور ہزار ہا قسم کی کلیجی چلڑی ہیں
 ان کے معنی کیا ہیں کہ نئے نئے اسباب انسان کو دریافت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے زمانہ گزشتہ کے
 حالات بھی تو بہم ہیں۔ کوئی شخص ثوق کے ساتھ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ شروع دنیا سے فلاں واقعے کے
 خلاف کبھی نہیں ہوا اسباب یہ کہہ سکتا ہو کہ میرے علم میں اس کے خلاف نہیں ہوا لیکن کیا وہ کیا اُس کا علم!
 یہ حسرات الارض جو برسات کا پانی پڑنے سے زمین میں کودنے اُچھلنے اور رینگنے لگتے ہیں ان کو کیا خبر
 کہ دنیا میں گرمی اور جڑے کے موسم میں کیا ہوا کرتا ہے۔ رزلنے کے مسترد اور نظر کرو اور پھر ان کی ہستی کو
 دیکھو تو آدمی حسرات الارض سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہو کہ باوجود کے
 ہم دنیا کے انتظام کو ایک نسق پر چلتا ہوا دیکھتے ہیں ساتھ ہی ہم اس کو قابل تبدیل بھی سمجھتے ہیں درہ
 دعا ہی کیوں کرتے سہی یہ بات کہ دنیا کے انتظام کو ہم کیوں قابل تبدیل سمجھتے ہیں اس کا وہی جواب ہو کہ
 ہماری فطرت ہی اسی طرح کی واقع ہوئی ہے۔ مزہ تو اسی میں ہو کہ نیچری کو نیچر قابل کرے یا نیچریوں نے اپنی
 اس لئے کے نتائج پر انصر نہیں کی ورنہ ایسی بات ان کو منہ سے نکالنی بھی مناسب تھی سے

تو بڑے وصل کردن آدمی :۔ نے بڑے وصل کردن آدمی

میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگرچہ دنیا کے امن و انتظام میں حکام ظاہر کو دخل ہو مگر مذہب متنا
 آج دنیا کے تمام لوگوں کی صرف محدود چند خیر یوں کی نہیں اور منہ سے کہنے کی سند نہیں بلکہ
 واقع میں تدل سے یہ سنا ہونے دو کہ خدا نہیں یا ہو اور جو کچھ اُس کو کرنا تھا کر چکا۔ پھر دیکھو
 کہ دنیا ہا کیا رنگ ہوتا ہے۔ فرانس اور اٹلی نے حکم مذہب کو انتظام دنیا سے خارج کر کے کیا پھینکا یا۔
 مردم شہاری گھٹ گئی ماجر اٹم کی تعداد اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی، ملک سے برکت سلب ہو گئی

تو ہمارے بچہ جانتے ہیں کہ حسبِ ستور سابق مذہب کو رواج دیں۔ مذہبِ علیحدہ ہو کر دُنیا میں نیکی رہ ہی نہیں سکتی اور اس جگہ مذہبِ مراد ہی ہی خیال کہ خدا اپنی ذات سے دُنیا میں تصرف کرتا ہو اور وہ اسباب کا محکوم یا محتاج نہیں۔

وحی اور معجزات

سوال۔ اچھا اب چلیے وحی۔

جواب۔ یہ بحث جا پہنچتی ہو خدا کی صفات میں جب ہم نے ایک شخص کو پیغمبر مانا اور تسلیم کر لیا کہ اس بندے کو خدا سے خاص طرح کا تقرب ہو۔ تو اب اس تقرب کی کیفیت میں ہم کلام کر نہیں سکتے۔ وہ بندہ مقرب اپنے تقرب کی نسبت جو کچھ بیان کرے ہم کو مان لینا پڑے گا۔ اور اس کی زیادہ تفصیل کرنے سے ہم کو فائدہ ہی کیا ہو۔ تقرب ہو تو اس کو ہر نہ ہم کو۔ ہم کو اس کے تقرب کا ہم ہر نہ تقرب کی کیفیت سے۔

سوال۔ اچھا معجزات؟

جواب۔ یہ قدرت کی بحث کا ضمیمہ ہو۔ بات ایک ہوتی ہو اور اُس میں شلخ و شلخ ہوتی باتیں نکلتی چلی آتی ہیں، اس پر بھی ساری ہی قوموں کا اجماع ہو۔ وہ کون مذہب ہی گردہ ہو ذرا میرے سامنے تو آئے جو معجزات اور خوارقِ عادات اور کرامات اور تدایع کا قائل نہیں اعتقاد بھی ایسے ایسے لوگ ہیں کہ ایسے مقدس آدمی جموٹ بولنے لگیں تو جالو کہ مونیامیں کہیں سچ کا نام نہیں۔ خدا کی قدرت پر نظر کرو تو معجزہ کچھ تعجب کی چیز نہیں۔ دُنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہو۔ فسق اگر ہو تو اسی قدر ہو کہ ایک چیز آئے دن واقع ہوتی رہتی ہو ہم اُس سے خوگر ہو گئے، تعجب نہیں کرتے۔ ایک چیز جو شاید معمولی چیز ہو و قنعت میں کم بھی ہو۔ شاذ و نادر واقع ہوتی ہو ہم کو تعجب ہوتا ہو۔



اَللّٰہُ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَحْصَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْغُلَّکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْحِجَابِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاجْیَاہُ بِالْاَرْضِ یَعْدُوْہَا وَاُثْرِیْہَا فِیْہَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ تَصْرِیْفُ الْوَحْیَ وَالْحِیَاۃُ الْمُسَخَّرَ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا یَتَوَقَّہُ لِقَافِلُوْنَ۔ یہ بھی قرآنِ خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر کوئی واقعہ خلاف عادت واقع ہو تو گواہی کے سوائے اس کا اور کیا ثبوت دیا جاسکتا ہے اور گواہی کو لوگ ضرور اس جیسے متہم کریں کہ واقعہ خلاف عادت ہے تو یہ نری زبردستی اور ہٹ دھرمی نہیں کیا ہے؟ علاوہ بریں میں تو معجزات کی کچھ ایسی بڑی وقعت بھی نہیں کرتا۔ وہ کوئی اور ہو گے جن کو عزرائل تسکین دیتی ہوگی۔ ہم کو تو تسکین ہوتی ہے جو پیغمبر کی تعلیم سے پیغمبر کی طرزِ زندگی سے۔

سوال۔ اب ملائکہ کا نمبر ہے۔

جواب۔ ملائکہ سے جو انکار کیا جاتا ہے تو صرف اتنی بات پر کہ دکھائی نہیں دیتے۔ سو خدا کرے کہ ابھی نہ دکھائی دیں یوشہ یرون الملائکۃ لا بشریٰ یومئذ للنجوٰ میں دلیقو لون حجرا صیحا واما یلیرہ کرتے ہیں کہ ملائکہ سے مناسبت قائم کا بیسوں کی طرح کے قوی پہلے لوگ، یا اللہ کے نیک بندہ یا انسان کی وہ روحانی قوتیں جو نیک کام کرنے کی داعی ہوتی ہیں مراد ہیں لیکن ہم فرشتوں کو اسی طرح کا مخلوق مانیں جیسا کہ عام مسلمان مانتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کیا فلاح حاصل آجائے گی۔ یوں بھی خدا اپنے تصرفات دوسری چیزوں کے ذریعے سے نافذ کرتا ہے۔ وہ ذریعہ (مثلاً آگ پانی ہوا) نہ ہوتے فرشتے ہوتے ہی۔ اور فرشتوں کے دیکھ سکنے کی کیا شکایت کریں جب کہ اپنی روح جس کی ساری عمر نعل میں بالائیے دیدار کے دکھائے کی رودار نہیں۔ ملائکہ کے تعلق ایک قصہ قرآن میں ہے کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے زمین میں

لے بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے رویہ میں اور ہستی میں جو لوگوں کے کام کی چیزیں اور دنیا میں جتنی اور بیش میں جسے آسمان سے برسرِ کر زمین کو افتادہ ہوئے پیچھے بھر چلا اٹھایا اور ہر طرح کے چنے پھرنے کا نوراس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے الٹ پلٹ میں اور باول میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کھڑا تھا جو کچھ دلوں کے لیے بہتیب ہی قدرت کا نشان ہیں۔ ملکہ جس دن فرشتے نظر آئیں گے گن گاروں کے لیے کوئی خوشی (الغیب) نہ ہوگی اور (فرشتوں کو ازیکہ کہہ کر کہیں گے کہ دور و قاف۔

کو اپنا نائب بنانا چاہا تو فرشتے متعزز ہوئے۔ خدا نے آدم اور فرشتوں سب چیزوں کے نام چھپے۔ آدم اس امتحان میں پاس ہوا اور کل فرشتے قیل تب خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ کلمہ کہیں۔ شیطان نے نافرمانی کی اور رائدہ گیا۔ یہاں فرشتوں سے نیکی کا رجحان اور شیطان سے بدی کا میلان دیتے ہیں کہ خدا میں اور فرشتوں میں بحث کا ہونا سخت نامعقول بات ہو۔ لیکن اگر خدا میں اور متوں میں بحث کا ہونا نامعقول بات ہو تو خدا میں اور آدم کی نیکی کے رجحان اور بدی کے میلان میں بحث کا ہونا اس سے زیادہ تر نامعقول بات ہو۔ اور یوں ہنسی اڑانے پر آؤ تو ہر ایک بات کی ہنسی کی جاسکتی ہو دکان کا انسان اکثر شئی جھٹکا مجھ کو تو اس ہنسی اڑانے پر بے اختیار قرآن کی وہ آیت فی ان نقول نفس یا حسرتی علی ما فرطت فی جنبہ اللہ وان کنتم لمن الساخرین۔ اسی طرح ایک مان کی ایک تحریر نظر پڑی۔ وہ عیسائیوں کی اس عکاسی کے ساتھ مسخر کرتا ہو جو گرجاؤں میں مانگی جاتی ہو اے آسمانی باپ۔ تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہت آئے تیری مرضی جیسی آسمان میں ہو نا ہی زمین پر بھی ہو۔ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے۔ اس پر وہ سلمان صاحب فرماتے ہیں۔ بیٹ بھرنے کی دعا تو گورھا بھی ہر روز مانگتا ہو۔ یعنی یہ دعا خدا کی تعلیم کی ہوئی نہیں معلوم ہوتی تاکہ توجہ راں مضائقے کی بات نہیں کہ سلمان تورات و انجیل کو محرف سمجھیں۔ اتنی پرانی زبان کا ترجمہ در ترجمہ ہو کر تبدیل سے محفوظ رہنا قرین قیاس نہیں۔ کچھ بھی کر دو ترجمے میں پہچان کی شان تو باقی رہتی نہیں اور یہ آزمائی ہوئی بات ہو۔ اس پر وہ آفتیں جو یہودیوں اور ایہوں پر مخالف مذہب والوں کے ہاتھ سے نازل ہوتی رہیں جلا وطن کر دیئے گئے، ان کی جھپٹیں کر جلا دیں۔ اور اُس زمانے کی کتابیں ایسی تھیں ہی کتنی۔ پھر ہر مذہب میں ایسے نفس بھی ہوتے

انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑا لہو ہے۔ (آخر کار تم میں سے) کوئی کہنے لگے اے افسوس میری کوتاہی، بوجہ میں نے پاس خدا (لمحوظ رکھنے) میں کی اور میں تو (ان باتوں پر) ہنسنے لگا

ہے ہیں جو خدا یا لایح میں کر اور نہیں تو معنوں ہی میں لٹ پھر گئے کو موجود ہو جاتے ہیں لیکن یا اس ہمہ اسلام نے تورات اور انجیل کا برابر ادب قائم رکھا ہو۔ پیغمبر صاحبان ہی کتابوں سے استہلو کرتے تھے مصدقاً لما معکم انا انزلنا التوراة فیہا ہدی نور و تفسیرنا علی انارہم عیسیٰ بن مریم مصدقاً لما بین یدہ من التوراة و انیلنا الانجیل فیہ ہدی و نور مصدقاً لما بین یدہ من التوراة و ہدی و نور و تفسیرنا علی انارہم عیسیٰ بن مریم و تفسیرنا علی انارہم عیسیٰ بن مریم جن کتابوں کو خدا بُدی اور نور اور وعظ فرمائے مسلمان کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ ان کی توہین کرے اور خدا کی تعلیم کی ہوئی دعا کو گدھے کے ریٹنے سے بھی گئی گزری سمجھے۔ ہمارے خیال میں تو نہیں آتا کہ خدا کو رب العالمین کہنا اور اسے روزی مانگنا دونوں میں کیا فرق ہو سکتا ہو اگر لوگوں نے تورات اور انجیل میں تحریف کی اور ہم کہتے ہیں کہ کی تو پیشین گوئیوں میں کی ہوگی، احکام میں کی ہوگی دعاؤں میں تحریف کرنے کی ان کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اسی خیال سے ہم نے تم کو مباحثے اور مناظرے کی سخت مانعت کی کہ اب مباحثے اور مناظرے کا یہ رنگ رہ گیا ہو اور یہ تو بڑا ہلکا رنگ ہے لیکن کیا اسی طرز سے تم عیسائیوں کو مسلمان کرنا چاہتے ہو؟ یوں کہو کہ اس طرز کو دیکھ کر مسلمان بھی مسلمان رہتے ہیں یا نہیں۔

سوال۔ باب اس ذکر کو جانے دیجئے کہ طبیعت کو بڑا رنج ہوتا ہو۔ وہی خیر یوں کے خیالات بیان کیجئے کہ شیطان کے بابے میں ان لوگوں کی کیا رائے ہو۔

جواب۔ فرشتوں کے ذکر میں سن نہیں چکے؟ اب اس کے دہلنے کی کیا ضرورت ہو؟

سوال۔ ایک اعتراض تو خیر یوں کی طرف سے مجھ کو بھی کر لینے دیجئے۔

لہ (کتاب تورات) کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ ہم دہی نے تورات نازل کی جس میں (ہر طرح کی) اور نور (ایمان ہے)۔ اللہ اور بعد کو ان ہی (پیغمبروں) کے قدم قدم ہم نے ہم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا کہ وہ تورات کی جو ان کے وقت میں، اپنے سے موجود تھی تصدیق کرتے تھے اور ان کو ہم نے انجیل (یعنی) دی جس میں (ہر طرح کی) سوچہ اور نور (ہدایت) موجود ہو اور تورات جو اس کے (نزول کے زمانے میں) پہلے سے (موجود) تھی (انجیل) اس کی تصدیق بھی کرتی اور خود بھی (پرہیزگاروں کے بیٹے) ہدایت اور نصیحت ہو۔

جواب۔ بسم اللہ۔

سوال۔ بھلا یہ تو فریبیے کہ شیطان کو ہاں سے پیچھے لگا دینا کہ ہر وقت ہماری بدی ہذا کت کے دیرلے رہے اور ہم اُس کو دیکھ بھی نہ سکیں آپ کو بھی خدا کی شان اور اُس کے انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے یا نہیں اس سے تو وہ بدی کا میلان ہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ اب تم لگے اسرارِ مصلح خالقِ عالم میں دخل دینے اور یوں تو سر سے ان کا پیدا کرنا اور اُس کو مارنا ہی خدا کی شان اور اُس کے انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ شیطان پیدا کرنا انصاف سے بعید ہوتا تو ان میں بدی کا میلان پیدا کرنا کیوں انصاف سے بعید نہیں۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہے مگر ایک نکتہ بتانا ہوں، کیا یاد کرو گئے۔ بدی کو شیطان کی طرف منسوب کرنے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گو آدمؑ نے خدا کے حکم سے سرتابی کی اور جس رخت کی سنا ہی تھی کھایا اس سے بھی خدا نے اپنی مہربانی اُس پرستہ کم نہیں کی۔ کھایا آدمؑ نے اور تھو پائی شیطان کے سر۔ مجرم کو دودر لگھوینا کہ تیرا قصور ہو اور ایک آڑ رکھ کر اُس کو الزام دینا، دونوں میں بڑا فرق ہے شیطان کا پیدا کرنا جس کو ہم دیکھ بھی نہیں سکتے ظلم ہونا اگر ہم کو آگاہ نہ کر دیا گیا ہوتا اور یوں دنیا میں بہت ان کی جان کے دشمن موجود ہیں وہ بانی میں ڈوب جاتا، آگ اُس کو جلاتی، بجلی کرتی، سانپ کا تازہ سر سے مرنے اور پھرتے دشمنوں میں زندہ رہتا۔ اب کہیں سوالات کا سلسلہ ختم بھی کر گئے جی تو اُگتا گیا۔

سوال۔ بس اب ختم ہی سمجھیے دو چار باتیں اور رہ گئی ہیں۔ آپ کا جی تو بے شک اُگتا گیا۔ مگر میرے دل سے تو پوچھتیے کہ میرے حق میں آپ کا ایک ایک لفظ آبِ حیات کا سا کام کدہ لہاؤ اب جنت اور دوزخ کے بابے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب۔ میں کیا فرماؤں گا۔ نہ اس کو دیکھ لے اُس کو۔ ہاں اس سے جو پیغمبر صاحبِ سادق کا تو دیکھنا تک بھی گوارا نہیں، جنت کی تمنا ہے۔ سودا ہاں جانے کی جو شرطیں ہیں انہیں میں بغرض اتنی مکتوبات

جنت اور دوزخ کی نہ ہو اور نہ اس زندگی میں ہو سکتی ہو۔ مرسے پیچھے جو بات سو بات۔ ہمارے یہاں ایک مسلمان کا لڑکا خدمتگار تھا کچھ احمق اور خسرہ سا تو بچے اُس کو چھیڑتے اور پوچھتے۔ کیوں بے فلاں تو بہشت میں جانا چاہتا ہو یا دوزخ میں۔ وہ کہتا میاں ہاں چل کر دیکھو گلا اور ادھر یا ادھر ہو رہو گلا۔ میرے کان میں اس کی بات پڑتی تو کہتا ایسی بے خبری ہو تو یہ اب بھی بہشت ہی میں ہو۔ نیچری بچائے تو جب مجبور ہوتے ہیں اور جواب بن نہیں آتا تو ناجائز دلیل پر اُتر پڑتے ہیں اصل میں یہ اعتراض عیسائیوں کا ہے کہ مسلمانوں کے دنیا کے مزوں کو جمع کر کے ایک خیالی بہشت بنا رکھی ہو جو خدا کے تقدس کے بالکل خلاف ہو۔ میں کہتا ہوں دنیا میں جو خذلان یہ مزے پیدا کیے ہیں خدا کے تقدس میں ابھی کونسا فرق آگیا ہو کہ بہشت میں ان کے ہونے سے آجائے گا عیسائیوں کی تو بات بات میں رعبانیت ہو اور وہ نہ چلی ہو اور نہ چل سکتی ہو۔ اگر انسان کی ایک آہش کا پورا ہونا گناہ نہیں تو دوسری خواہش کا پورا ہونا کیوں گناہ ہو۔ خواہش ہونے میں سب خواہشیں برابر ہیں۔ ہاں کیفیتیں مختلف ہوں۔ اگر وہ کھانا کھا سکتا ہو تو پانی کیوں نہ پیے۔ اگر کھانا کھا سکتا اور پانی پی سکتا ہو تو سونے کو اُسے کس نے منع کیا۔ منہ حرم (نہی) خدا الہی اخراج عبادہ والطبیۃ من الزرق دنیا کے کسی مزے میں گناہ نہیں۔ گناہ ہو تو ان سے ناجائز طور پر فائدہ اُٹھانے میں ہو، ان مزوں میں پڑ کر خدا سے غافل ہو جانے میں ہو اور خدا کی ناشکری میں۔

سوال۔ اچھا پھر نیچری کیا کہتے ہیں ؟

جواب۔ نیچری کہتے ہیں لوگوں کے سمجھانے کو تمثیل کے طور پر جنت کے مزے اور دوزخ کی تلافیس بیان کر دی ہیں۔ سچ و راحت آخرت میں بھی ہو مگر ہم اُس کی کیفیت کے سمجھنے کے لائق نہیں ناک اُسی جگہ ہو سامنے سے بناؤ تو اور گدی کے پیچھے ہاتھ لپی کر بناؤ۔ ہم تو جھوٹے ہی ہیں

لے (لے پیٹیا) لوگوں سے (پوچھو کہ ان کے جو زینت کے ساز و سامان) اور کھانے (بہنے) کی تسخیری چیزیں اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں (ان کو) کس نے حرام کیا ہو۔

جواب دیتے کہ دفعہ ہو یا جنت یہ وہ چیزیں ہیں جن سے مے پیچھے واسطہ پڑے گا۔ وحی کے سوائے ہم کو کوئی ذریعہ ان کی حقیقت دریافت کرنے کا نہیں اور جو کچھ وحی میں ہے ہم اُستِ ذی ایک حرف کم کہہ سکتے ہیں اور نہ ایک حرف زیادہ اور تاویل کرتے ہیں بلکہ سکوت اور زیادہ تفتیش کرنے کو اپنے حق میں بالکل غیور دی سمجھتے ہیں۔

سوال۔ اب تو صرف ایک آسمان رہ گیا ہے اور بس۔

جواب۔ اچھا تم نے میرے لفظوں کو یاد رکھا۔ اُجی ان پر کیا موقوف ہو اُسی بیسیوں باتیں ہیں وہ جو گرتھیں نے تم کو سمجھا ہی دیا۔ آسمان کا بھی قرآن میں بہت ہی جگہ مذکور ہے۔ اولاً زمین میں اس کے تصرفات بکثرت ہیں۔ آسمان پانی پرستار، آسمان سے روشنی آتی، آسمان سے سینکڑی پہنچتا آسمان کے تعلق سے ہمارے موسم بدلتے، آسمان کے تعلق سے ہماری روزی پیدا ہوتی ہے۔ آسمان میں اجرام فلکی ہیں اور ان کی حالتوں میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے بھی ہمارے کام نکلے ہیں ان کے علاوہ آسمان خدا کی قدرت کا بڑا عظیم اثران نمونہ ہے۔ یوں دیکھو تو ایک نیلا سا سر پوش زمین پر ڈھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر دو رنگ کنکڑا بڑھائیں تو شاید آسمان کو جالگے۔ مگر جتنی دور آنکھ سے دکھائی دیتا ہو دنی ہی دور بڑے سے بڑے پلے کی دور میں غرض یوں کھلی دیتا ہے تو کیا ہوا کو بھی ایک اعتبار سے اُن ہی چیزوں میں سمجھو جو نظر نہیں آتیں، جیسے فرشتے جنات بہشت و فخر وغیرہ۔ آدمیوں کو اختلاف کرنے کے لئے اتنا بس کرتا ہے۔ یہ حضرت عقل دوڑے بدون ہنسنے کا نہیں جو جس کی سمجھ میں آتا ہو کہتا ہے۔ اصل حقیقت خدا کو معلوم ہے۔ اپنی نارسائی کا تو حال یہ ہو کہ اپنے ہی تئیں دجانا کہ کیا ہیں۔ آسمان کے پیچھے کیا سر کھپائیں۔ مذہب کی بے جو تعلق ہم کو آسمان سے ہو وہ یہی ہو کہ ہم اُس کو دیکھیں اور اپنی بے حقیقتی اور خدا کی عظمت کے خیال کو دل میں چھپائیں۔ اور جو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ وہ ہو بھی یا نہیں، اور ہر تو کتنی دور ہو اور کسے کا بنا ہو، دُنیا

اُن کی بیعت اور ذہانت کی صلح کرے اور وہ اپنے جی میں خوش ہوں۔ مگر مذہب کو علاؤ نمبر (۲) کی باتوں سے کچھ سروکار نہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُوَ عِشْرُونَ** ایسا تھا معروضوں جس نظر سے علم ہیئت والے اجرام فلکی کے حالات کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں ہم تو اُن کو اس آیت کے الزام سے بری سمجھتے ہیں۔ آسمان کے متعلق ان دنوں ایک نئی بحث چلی ہو کہ قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کو یعنی سارے جہان کو چھ دن میں بنایا۔ چھ دن نہ اس سے لگے کہ خدا اس سے کم میں بنا نہیں سکتا تھا۔ مگر اُس نے کسی مصلحت سے جو ہم پر کشف نہیں چھ دن لگائے۔ کہتے ہیں کہ اس دیر کے لگانے سے ہم لوگوں کو دکھانا سکھانا منظور تھا کہ کوئی کام ہوا، تنگی کے ساتھ کرنا چاہیے۔ خیر تو یہ واقعہ اُن وقتوں کا ہے کہ آدم خاکی کا وجود بھی نہ تھا اور دم کی نسل نے بھی پیدا ہوتے کے ساتھ ہی سب کمالات حاصل نہیں کر لیتے تھے۔ ہزاروں برس کے تجربے کے بعد تو ہم اس دینے کو پہنچے ہیں۔ سو جلتے والے اس کو بھی ترقی کی اسجد ہی بتاتے ہیں اور جو بھی یوں ہی۔ آدمی نہ صرف آنے والے واقعات کے جاننے سے عاجز ہو بلکہ ایک مدت کے بعد اس کو گزشتہ واقعات کا پتہ ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ منہ میں ہزار بار برس پہلے کے عجیب مینار موجود ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ آدمی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کہتے لگے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کس نے بنائے کب بنائے۔ کس غرض سے بنائے۔ کہتے پڑتے نہیں جاتے۔ وہ خط معدوم ہو گئے، ان کے لکھنے والے معدوم ہو گئے، پڑھنے سمجھنے والے معدوم ہو گئے۔ اور ایسی کتنی چیزیں دنیا میں ہیں جب ایسی ایسی مستحکم یادگاروں کا یہ حال ہے تو آدمی کیا جان سکتا ہے اور کیوں کر جان سکتا ہے اُن وقتوں کی باتیں جو اس کی ہستی سے پہلے کی ہیں یا کیفیت تو یہ ہے اور سائے زنی کی جاتی ہے اس میں آسمان اور زمین کب بنے اور کیوں کر بنے۔ اس کو جنوں نہ کہیں تو کیا کہیں ہاں اور عقل بھی کیا بری چیز ہے انسان کو لے ہم نے آسمان کو بنایا چھت بے جو کموں اور لوگ ہماری قدرت کی نشانیوں سے جو اس میں ہیں بے پروا ہیں۔

کیسے کیسے کوئے جھکا تھی ہوا زمین آسمان کے پیدا ہونے کی سب سے پہلی تحریری یادداشت بنی ہیں
تورات ہو کہ اس کے پہلے باب میں اسی قسم کا بیان ہے۔ یا اب لوگوں نے عقلی نتجے چلانے شروع کیے
ہیں ان ہمالا بخیرصون۔ انھوں نے دیکھے دنیا میں اس طرح کے تغیرات کہ جہاں پہاڑ ہیں وہاں کسی
زمانے میں سمندر بہتا ہوگا۔ کیوں کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیلیوں کی ہڈیاں پائی گئیں اور معلوم ہو
کہ طے سردی کے کوئی جان دار وہاں جا نہیں سکتا علاوہ بریں ہڈیاں نکلیں پتھروں کی ہوں ہیں پتھری
پھر دیکھا کہ صحرائے افریقہ کے رگستان کو کھودا جاتا ہے تو بہت نیچے جا کر ایسے درخت دیے ہوئے نکلے سوائے
سمندر کے دوسری جگہ پیدا ہو نہیں سکتے، ان کو چاہیے شور پانی۔ اس ثابت ہوا کہ یہاں پہلے سمندر ہوگا۔
پھر انھوں نے دیکھا کہ ہوا کے جھکلوٹ سمندر میں جھگا اٹھتے ہیں اور جھاک سوج کی گرمی پا کر کافی
بن جاتے ہیں۔ کافی کی مٹی مٹی کے کنکرا کنکر کے پتھر مگر یہ تغیرات کتنے ہزاروں برس میں جا کر واقع
ہوتے ہیں۔ تو انھوں نے قیاس دہرایا کہ ہونہ ہو دنیا اسی قاعدے سے بنی ہوگی۔ ذرا ہونگی کو حسین
میں رکھنا۔ اب انھوں نے فرض کر لیا کہ زمین آسمان سے پہلے خلا تھی اور خلا میں ایک قسم کے نہایت چھوٹے
چھوٹے ذرے تھے جیسے کواڑوں کی درز میں آفتاب کی شعاع سے نظر آیا کرتے ہیں۔ ان ذرات میں
تغیر و انقلاب ہو ہوا کر دنیا بن گئی۔ بس اب کیا انقلابات آئے آفرینش کا معیار عمدہ طور پر حل ہو گیا
کہ گویا آسمان اور زمین ان کے سامنے کے گود کھلائے پیتے ہیں۔ اب اس خیال کا مقابلہ ہو تورات کی کتاب
آفرینش سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے بننے میں کچھ لگے ہوں گے تو لاکھوں کروڑوں برس اور تورات بتاتی ہے
چھ دن صرف چھ دن۔ اگر کوئی شخص ہر یہ ہوا و رضا کو نہ مانتا ہوا اور وہ ایسا خیال کہے تو عجیب نہیں کہ دنیا
اسی طرح قدیم سے چلی آئی ہو اور آپسے آپ بن گئی ہو لیکن بیجا بے نیچریوں کی شکل ہو کہ ایک طرف تو
قرآن ہو تورات کا ہم زبان اُس کا مصدق اور دوسری طرف زمانہ حال کے محقق فلاسفہ کی رائے
ذہقرآن ہی کو غلط کہتے بن پڑتی ہے اور نہ فلسفیوں ہی کو جھٹلایا جاسکتا ہے اور یہ بھی نہیں دیکھا جاتا

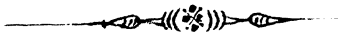
کہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ موجود ہو جائے اور خدا الگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تماشا دیکھے۔ آخر انھوں نے آب و آتش کے یک جا کرنے کی یہ تدبیر نکالی۔ اور اس کے سوائے نکالتے بھی کیا کہ وہ چھوٹے چھوٹے ذرے خدائے پیدا کیے اور ان ذروں کا اجتماع اس طرح ہر کہ ایک اجتماع سے پھر بنا اور دوسرے سے باقی۔ ایک سے آفتاب دوسرے سے ہوا۔ ایک سے زمین دوسرے سے پانی۔ یہ سب خدا کے حکم سے ہوا مگر ہوا وہی لاکھوں کروڑوں برس میں جیسا کہ فلاسفہ نے سمجھا۔ پھر ان، وہ تو کچھ بات نہیں زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں یہودیوں کا ایسا ہی خیال تھا کہ خدا نے ان کو چھ دن میں بنایا اور سو قرآن میں خدا کا یہ مقصود نہیں کہ ہم نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان جو کچھ دن میں بن جاتا تم کہتے ہو اس کے بنانے والے ہم (خدا) ہیں۔ تو رات جس میں پیدائش کا خاص پہلا باب قائم ہے ہم مسلمان اس ذمہ دار نہیں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ وحی الہی ہے یا یہودیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ تاویل کی توہمی مگر جس کی نظر قرآن پر ہو وہ کبھی اس بات کو تسلیم کر نہیں سکتا کہ قرآن میں چھ دن کی تعیین پر زور نہیں دیا گیا۔ بے شک کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جن کا مخاطب تکلف یہود کو بنایا جاسکتا ہے۔ مگر ایسی بھی آیتیں ہیں جن کا سیاق و سباق بڑا پکار رہا ہے کہ چھ دن پر زور ہو اور مخاطب بالاختصاص یہود کل افراد بشر ہیں جیسے سورہ ق میں وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسْنَاهُمُ لَغُوبٌ۔ وَمَا مَسْنَاهُمْ لَغُوبٌ کا اس کے سوائے اور کیا محل ہو سکتا ہے کہ قائل کا مطلب چھ دن پر زور دینا ہو۔ غرض اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہو۔ ہم کو تو اس تاویل کے تسلیم کرنے سے دنیا کا چھ دن میں پیدا ہونا مان لینا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور پھر جب خدا نے چھوٹے چھوٹے ذروں کو بنایا، اس کے حکم سے ان کے اجتماعات چھ ہی دن میں ہوئے اور آگے کو یہ قاعدہ ٹھہرا کہ

لے اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں ان کو (سب کو) چھ دن میں بنا کر رکھا اور آسمان نے ہم کو چھوڑا (نیک بھی تو) نہیں۔

ہوں تو ہزاروں لاکھوں برس میں ہوں ؟ اس سے خدا کی بڑی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ جو کام ہزاروں لاکھوں برس میں ہونے کے لئے اُس نے بے تکان چھ دن کے غھوڑے عرصے میں کر دکھائے۔ آدمی جواب ایک طور پر پیدا ہوتا ہے ضرور کہ سب سے پہلا آدمی اور طور سے بنا ہو تو اب ایک طور پر دنیا کا چلنا اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہی طور سدا سے چلا آیا ہے۔

اب تو تم نے خیر لوں کے اصول کو سمجھ لیا ہو گا۔ ان کا اصل مقصد ہے قرآن اور نائے حال کے فلسفہ کو ایک ذات کر دینا کہ دونوں میں کسی طرح کا تناقض اور اختلاف باقی نہ رہے نیت اچھی ہے اور بہت اچھی ہے ارادہ نیک ہے بہت نیک ہے۔ مگر وہی کام بھی مشکل ہے۔ اور کوئی آسان سمجھتا ہو تو کر کے دکھائے بے شک خیر لوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کو ان سافرقہ ہے جو ان سے بدتر غلطیاں نہیں کرتا ؟ مگر سچ پوچھو تو خیر لوں کی غلطی سے مسلمانوں کو عاید نقصان نہیں پہنچتا جب کہ دوسرے فرقوں کی غلطی سے مسلمانوں کی دنیا تباہ ہو رہی ہے اور دُنیا کے ساتھ دین بھی۔

سوال۔ میں نے آپ کے عقائد کو خوب سمجھا اور اب میرے دل میں کسی طرح کا خدشہ باقی نہیں اور مجھ کو ایسی تسلی اور خوشی ہے جو ساری عمر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور مجھ کو اُمید ہے کہ اگر مرتے وقت بھی میرے ایسے ہی خیالات رہے تو میں بڑے اطمینان سے مروں گا۔ ان شاء اللہ میرا خاتمہ خیر ہو گا اور آخر کار نجات۔



یوں صادقہ چاہتی تو وہ لکھنے میں تیز دست تھی کہ اپنے اس خواب کو بہت بہت ایک ہفتے میں لکھ کر صادق کے حوالے کر دیتی۔ مگر اس طرح کے لمبے لمبے خواب جن میں لفظوں اور عبارتوں کو دہرانا پڑتا تھا ان کے بیان کرنے میں اُس کے دماغ کو ایسا سخت فشار ہوتا تھا کہ وہ گھٹنے ٹیک کر سو گھنٹے سے زیادہ اس تکلیف کی تحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اُس کو یا تو ایک بار اپنے ماموں کے امتحان کے سوالات بتانے میں ایسی زحمت پیش آئی تھی مگر وہ بھی تھوڑی دیر کا کام تھا یا اب یہ ایک سالے کا رسالہ لکھنا پڑا۔ وہ تو صادق ہی ہری کا تھا جس کی خاطر اُس نے یہ محنت گوارا کی۔ ادھر اُس کو نادلی ادھر اس کی جلدی۔ اس پر بھی صادق کا ایک چلہ خچ ہوا۔ تب کہیں جاکر پورا خواب قلمبند ہوا۔ اکثر تو ابی ہی ہوتا تھا کہ صادق کہتی جاتی تھی اور صادق جھکا ہوا دیکھ رہا ہو اور کبھی کبھی صادق کہہ بھی بیٹھتی تھی کہ ہاں جھکنے سے مجھ پر بڑا بوجھ پڑتا ہو تو صادق ذرا کی ذرا برے ہٹ جاتا۔ پھر سر کتے سر کتے پاس کر دیکھنے لگتا۔ غرض ادھر صادق کے قلم سے نکلا اور ادھر صادق نے پڑھا۔ پھر ایک نوے کے پڑھنے سے اُس کو کیا سیری ہوئی۔ وہ بار بار پڑھتا اور سوچتا رہتا۔ خواب ختم ہونے کو آیا تو صادق کو اپنے خاص طرح کے حافظ کی وجہ سے یاد تھا اور صادق کو بار بار پڑھنے سے۔

صادق کا دیوان خانہ تو ایک مدت سے مذہبی کھاڑہ ہو رہا تھا اور ایسا کون دن تھا کہ دو ایک سے اس کی جھڑپ نہ ہوتی ہو۔ شرف شرف میں تو ہوتا تھا مناظرہ اور آخر آخر میں ہو جاتی تھی عداوت۔ کتنے آئے اور روٹھ روٹھ کر گھر بیٹھ رہے اور پھر کہیں سے میں مٹھ بھیر، بو بھگی گئی تو ایک نے ادھر کو منہ پھیر لیا دوسرا کتر کر نکل گیا۔ خواب کا مناظرہ بالکل اور یہی ڈھب کا تھا۔ اُس میں لفظوں پر بحث تھی نہ دوسرے کو چھیننے اور چڑانے سے مطلب نہ خواہ مخواہ کی ضد نہ سخن پروری۔ بلکہ جس طرح بیمار طبیعت اپنا حال بیان کرتا یا دوست دوست کو صلاح بنانا اسی طرح نرمی سے آہستگی سے بات نہایت ہو رہی تھی جیسے جیسے آدمی آپس میں ہنسنا بولا کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے صادق کی طبیعت گداز ہونے لگی۔ یہ کسی کسی وقت بونگی بے تکبی بھی کہہ بیٹھتا تھا مگر ادھر سے جب جواب ملا ایسا معقول اس کو الٹ کر کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ پس حقیقت میں اُس کا مناظرہ کہنا ہی ٹھیک نہیں وہ خاصہ ستوتا تھا کہ صادق پڑھتا تھا اور وہ مرد بزرگ پڑھتے جاتے تھے بیچ بیچ میں اس کو کہیں شہوا انصوں

تسلّی کرو۔ صادق اُن سے کیا جھگڑ سکتا تھا، اُنھوں نے جھگڑے کا ڈر باہی پھونک دیا۔ صادق نے جتنا خواب پہلے دن لکھ کر دیا صادق کی آنکھیں تو اُسی سے کھل گئیں کہ ہاں مذہب کی تحقیقات اور اس اطمینان حاصل کرنے کا یہ رستہ ہے۔ اس نے وہ لغو اور یہودہ لاحق حاصل مباحثے جو کئے دن اس کے یہاں مہتے تھے بیک قلم موقوف کر دیئے۔ بلکہ لوگوں کو تعجب بھی ہوا۔ کوئی کہتا تھا جو اس عاجز آگئے۔ کوئی سمجھتا تھا ان مدرسے والوں کی جمع پونجی ہی کیا خاص کر علی گڑھ کالج کے لڑکوں کی اور وہ بھی نیتائیں یہ بچاے گئی اور پہاڑوں کے سوائے کیا جانیں سُنی سنائی چند باتیں معلوم نہیں، ہو چکیں۔ اب کہیں تو کیا کہیں؟ ایک شخص جو صادق کے خانگی حالات سے بھی کسی قدر واقف تھا خدا جانے اس کو کیوں کر معلوم ہو گیا کہ کیا بی بی دونوں کوئی مذہبی کتاب لکھ رہے ہیں اس کے ذریعے سے سکر جلسے میں اس بات کا چرچا سا ہو گیا۔ تو لوگوں نے تعاضاً شروع کیا کہ صاحب کچھ لکھ رہے ہو تو میدان میں لاؤ۔ یہ کیا کہ بی بی نے لکھا میاں داودی میاں نے کہا بی بی نے تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں میں ایک صاحب تو وہ تھے جنھوں نے مقلدوں غیر مقلدوں کی لڑائی میں یہ تجویز نکالی تھی کہ مسجدیں تقسیم ہو جائیں، مقلدوں کی الگ غیر مقلدوں کی الگ۔ ہر مسجد کے دروازے پر ٹکٹ لگا دیا جائے تاکہ کوئی ان جہان دوسرے فرقہ کی مسجد میں نہ گھر جائے۔ ایک حضرت وہ تھے جنھوں نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے مقلد مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی کیوں کہ امام کی اطاعت مقتدیوں پر لازم ہے۔ مقتدی تو سجدے سے اُٹھ سیدھے کھڑے ہو گئے اور امام جلہ استراحت میں ہو تو اطاعت کہاں ہے۔ ایک اس دیر کے محتاط تھے جنھوں نے برسوس بی بی کو اس قصور پر اس کے میسے میں بٹھا رکھا تھا کہ وہ لوگ پھول والوں کی سیر میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک تھے جو تھپوری کے عین دھوانے کے سامنے یاد دیو کے مقابلے میں اربع ترک عذ فرماتے۔ مسجد میں نماز مغرب ہو رہی ہو اور ان کا دخل جاری ہے۔ کوئی جانا چاہتا تو اُس کو روکتے کہ جماعت پر وعظ کو فضیلت ہے۔ ایک ہتے تو شہر کے باہر ہاٹنگ اور بالائرم مغرب

اور فجر کی نماز کھجور والی مسجد میں پڑھتے کہ ہندوؤں کا محلہ ہو، نماز میں کسی کے بولنے کی آواز بھی کان میں پڑ جائے تو ثواب جہادِ ہاتھ سے نہ جانے دیں، اپنے اپنی زندگی اسی میں وقف کر رکھی تھی کہ کچھ دلی پر وقوف نہیں کہیں بھی نہ کسی تکرار میں پائیں عدالت میں یہ روی کرنے کو حاکم وجود ہوں۔ ایک اس تدبیر میں لگے رہتے تھے کہ کوئی سندر نہ پہنچے پائے جس کی بغل میں سجدہ ہو ایک تو باندھ کر خچروں کے پیچھے پڑے تھے آپ تو کچھ ریافت رکھتے نہ تھے مگر کچھ خچروں کی شان میں نہ یا نظم کسی اخبار بار سالے میں دیکھ یا سن پایا اس کو چھوڑا نہیں۔ چنانچہ ان کے پاس ریختی کا خاصا ایک کتابخانہ جمع ہو گیا تھا اور اس پر ان کو بڑا فخر تھا اور فخر کی بات ہی ہو غرض سب کی غرض مشترک یہ تھی کہ نہ آپ چین سے رہتے اور نہ دوسرے چین سے رہتے دیکھئے۔

یہ لوگ تقاضا نہ بھی کرتے تاہم صادق سے خواب کا ضبط ہونا مشکل تھا۔ لوگوں کے تقاضے نے تو خواب کا پورا لکھا جانا بھی دشوار کر دیا۔ شاید ابھی آدھا بھی نہ لکھا جا چکا ہو گا کہ صادق نے جلسے میں سنا تا شروع کر دیا۔ اگرچہ ایک ایک ایسے جھگڑا تو تھے کسی طرح ملتے ہی نہ تھے مگر ہم کو تو صداقت اور خلوص کی تاثیر کا مٹی سے یقین آیا کہ صادق بڑھتا جاتا تھا اور یہ سب سب ہم بخود بیٹھے سنتے تھے کسی نے کان تک بھی تو نہیں بلایا۔ ان کی عمروں میں یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ ان کو اس طرح کی دین داری اور نصیحت کی باتوں کے سُننے کا اتفاق ہوا۔ اب لوگوں کو خیال آیا کہ اہل میں دین داری ہو کیا چیز ہم کو کرنا چاہیے کیا اور ہم کر رہے ہیں کیا۔ اس سے پہلے یہ لوگ مسلمان تھے اس لیے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تھے، مسلمان کہلاتے تھے۔ اب نئے سرے مسلمان ہوئے اس لیے کہ اسلام کی حقیقت کو سمجھا، اُس کی غرض غایت کو سمجھا، اُس کی صداقت کو سمجھا۔ کوئی ایسا ہی سنگدل ہو گا جو خواب کو سن کر رونہ دیا ہو یا کہ قہر تو سب کے دل بیٹھ سے گئے۔ پھر جو ایمان سے تسلی ہوئی تو سب نے اپنی اپنی اصلاح پر مکرہت چست کر لی۔ یا تو جس وقت مباحثہ ہوتا تھا سلسلے محلے کو سر پر اٹھا لیتے تھے یا اب غل غبارے کی جگہ ہوا

سکون اور سکوت تو اہل محلہ کو امن ملا۔ اور خواب کی برکتوں کی بسم اللہ ہوئی۔ وہ صاحبِ جنوں نے مسجدوں کی تقسیم تجویز کی تھی اور اپنے محلے کی مسجد کے دروازے پر لکھوا بھی دیا تھا کہ غیر مقلد تھے پائے سب سے پہلے تو انھوں ہی نے اس تحریر کو چھیلا اور گھر چا۔ اور بن کو غیر مقلد امام کے اقدام سے انکار تھا وہ شیخ الحدیثین کی مسجد میں جا کر پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے لگے۔ اور جنھوں نے بنی کو بجا رکھا ڈولی لے جا کر گھر والی کو سوار کرا لائے۔ واعظ صاحب نے وعظ تو بند نہیں کیا مگر کوئی نماز کے پئے جانا چاہے تو اس کو روکتے ٹوکتے بھی نہیں۔ پہاڑ گنجی پہلو ان مدتوں سے دکھائی نہیں دیتے۔ نماز تو کیا چھوڑی ہوگی ہونہ ہوا اپنے محلے کی مسجد کا حق سمجھنے لگے۔ مقدمہ باز صاحب وعدہ کرتے ہیں کہ جو مقدمات دائر ہیں ان سے دست بردار ہونا تو بڑی مشکل کی بات ہو مگر آئندہ کوئی نیا مقدمہ نہیں لوں گا۔ جو اس کے دیلے تھے کہ ہر مندر کے پہلو میں مسجد مہواب کہنے لگے ہر مندروں کو دھابو جا کر روک ہم نہیں سکتے خواہ مخواہ ان کی بغل میں گھس کر اپنی عبادت میں بھی کیوں خلل ڈالا۔ روٹی بھر کھا کر تھکا ہو تو بدستور مگر نئے اخباروں اور رسالوں کا آنا بند اور لوگوں کا اگلا سا جھگڑا۔ اور جب لوگوں نے سمجھ لیا کہ ان کا ضروری اور مقدم فرض کیا ہو تو ان کو ایسی بیڑی پڑی تھی کہ دوسروں کے حالات سے تعرض کرتے پھریں۔

یوں امن اور صلح کاری نے رفتہ رفتہ ایک سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں اپنی تاثیر نیک کرنی شروع کر دی۔ لیکن ابھی دن ہی کئے ہوئے ہیں۔ تاہم جن تیوہاروں اور تقریبوں میں ابد اگر شاد ہوتے تھے ایسے چُپ چاپ تے گزر جاتے ہیں۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور خفا کو منظور ہو تو وہ دن بھی آیا سمجھو کہ ان تمام مذہبی مخالفتوں کا ایک فسانہ نہ جائے گا اور آنے والی نسلیں ان باتوں کو مٹ مٹ کر سنسا کریں گی۔ کہ ہمارے بزرگ بھی کس قماش کے لوگ تھے جو اختلاف رائے پر لڑتے تھے۔ مذہب، سادات، اور سدا کو بے کما اور اختلاف باہمی

سدا سے ہو اور سدا کو رہے گا۔ مگر مذہب میں جو ایک طرح کی کرواہٹ ہو، دیر ہو تو ہو یہی تسلیم اور آزادی آخر کار اس کو کھو کر رہے گی۔ لوگوں کے عقیدے جدا جدا ہوں گے مگر ایک جگہ اکٹائیگی ایک جگہ نہیں گے، ایک جگہ اٹھیں بیٹھیں گے، ایک جگہ رہیں نہیں گے، ایک طرح کا لباس ہوگا، ایک طرح کا مذاق، آپس میں دوستی اور اتحاد رکھیں گے۔ اُس وقت جاننا کہ آفتابِ اسلام طلع کرنے کو ہو اور ابھی تو ادھی رات ہو یا شاید کچھ ڈھلی ہو تو ڈھلی ہو۔ وہ جو کہتے ہیں اچھے نے کٹورا پایا پانی پی بی بی بیٹ بھلا یا۔ صادق کا تو کچھ اس طرح کا ساحال ہو گیا تھا وہ اس کو خوب تھوڑا ہی سمجھتا تھا، بلکہ اسی یا اہام۔ وہ سارے سارے دن خواب بڑھ بڑھ کر لوگوں کو مٹاتا اور ذرا نہ اُگتا تھا۔ جو شخص غیروں کے سر ہو ہو کر سُنائے وہ اپنے کالج کے دوستوں کو کیوں بھولنے لگا تھا۔ اُس نے خواب کی ایک بڑی عمدہ خوش خط نقل طیار کی اور اُسی خاص کمیٹی میں جس کا یہ سکریٹری تھا اور جس کا مذکورہ شروع کتاب میں آچکا ہو اُس کو اس تمہید سے پیش کیا۔

دوستو عزیزو ارشدکم اللہ تعالیٰ۔ آپ صاحبوں نے شروع سے اس کمیٹی، اس معزز کمیٹی کے سکریٹری ہونے کی عزتِ نجم کو فے رکھی جس کی میں بے انتہا قدر کرتا ہوں اور میں نے اگر سکریٹری ہونے کے فرض کو جیسا چاہیئے ادا نہیں کیا (سب طرف سے آواز آئی۔ نہیں یا نہیں) تو اس کی اور جو کچھ وجہ ہو مگر میں آپ سب صاحبوں کو یقین دلانا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہو کہ مجھ کو اس کمیٹی کے اغراض سے پوری دلچسپی نہیں یا میری توجہ اس کمیٹی کی طرف سے کچھ کم ہو گئی ہو۔ آپ اس بات کو باور کیجیے گا کہ جس شوق سے میں نے اس کمیٹی کے منعقد ہونے کی تحریک کی تھی وہ شوق اگر زیادہ نہیں ہوا تو گھٹا بھی نہیں (بے شک بے شک) میں نے شروع شروع میں نکاح کے خلاف اپنی رائے کے ظاہر کرنے پر جرات کی تھی۔ لیکن میں کُلمے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ جن صاحبوں نے میری اس رائے سے مخالفت کی اُن کی دلائل نہایت قوی تھیں۔ اور میں نے

اُن دلائل کے سننے کے بعد ایک منٹ کے لیے بھی اُس لئے کو اپنے سر میں نہیں پہنے دیا میری نظر میں صرف لئے کی کچھ بھی وقعت نہیں جب تک کہ صاحب لئے خود اُس پر عمل نہ کر کے دوسروں کے لیے نظیر نہ بنے۔ کیا آپ نے وہ اعتراضات نہیں سنے ہوں گے؟ ضرور سنے ہوں گے جو ایک بڑے ہندو و فارسی پرچاروں طرف سے کیے جا رہے تھے کہ وہ چھوٹی عمر کی شادی کے سخت مخالف تھے اور بوجہ مخالف تھے، مگر انھوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو جس کو بڑی عمدگی اور احتیاط کے ساتھ تعلیم دی جا رہی تھی بالکل چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیا اور وہ بیاہ اُس کی تعلیم کی گاڑی میں ایک روڑا تھا جس کو وہ ہٹا نہ سکے۔ مجھ کو اس کا تو خیال بھی نہیں آیا کہ اگر شادی نہ کروں گا تو لوگ مجھ پر خضر ہوں گے کیوں کے میری معرفت کا دائرہ بہت ہی محدود ہی نہ تو مجھ میں فاضل بننے کی صلاحیت ہی اور خدا کا شکر ہو کہ اُس نے مجھ کو شہرت کی آفتوں سے بھی بچایا ہو تو اگر مجھ پر اعتراض کرتے بھی تو شاید کہنے کہ اُن کو میں ایک بات تو کہی انگلیوں پر گن سکتا لیکن میں نے دنیا کے حال پر نظر کی اور دیکھا کہ خدا کی یہ مرضی ہو کہ ایک وقت پر دنیا جیسے تو اس سے اعراض کرنا قانونِ فطرت کو توڑنا ہو۔ اور تمام قوانین میں قانونِ فطرت ہی ایسا زبردست قانون ہو جس کا توڑنے والا سزا سے محفوظ رہ نہیں سکتا۔ اور اسی واسطے اُس قانون کے سبک بڑھ کر جانے اور سمجھنے والے نے یعنی ہمارے پیغمبر صاحبِ صلوات اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحابہ جمیعین نے فرما دیا النکاح سننے فتنہ و غلبہ علی سنٹی فلیس صنف۔ میں نے نہ صرف نکاح کی ضرورت کو سمجھا بلکہ اُس ذمہ داریوں کو بھی۔ اوجب میں نے نکاح کا قصد کیا ہو تو آپ کی اسی کیٹی کے طفیل سے اس تعلق کے اطراف و جوانب اور نتائج اور عواقب سے اس قدر واقف ہو چکا تھا کہ اتنی واقفیت کے بدون نکاح کا قصد کرنا میرے نزدیک داخلِ محق ہو۔ میں نے عموماً انسان کی اور خصوصاً اپنی رغبتوں کو جانچا اور اُن افعالِ بائدہ بھی پیشِ نظر رکھا جو یقیناً یا غالباً میری حالت میں واقع ہونے والے ہیں۔ مثلاً میں یقیناً جانتا ہوں

کہ اگر آفاتِ ناگہانی سے محفوظ رہا تو میری تو نائی ایک حد پر پہنچ کر ٹھہرے گی اور پھر گھٹتی شروع ہوگی۔ میں نے اس غرض سے انگریزی پڑھی ہے کہ مجھ کو آسودگی ہو اور میں اس کالج کا خدا کی بدلا تک قائم رکھے نہایت ممنون اور شکر گزار ہوں کہ میں معاش کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں باطل تو آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ کتنی دفعہ مجھ کو معقول نوکریاں ملتی رہیں اور میں نے اُن کو قبول نہیں کیا۔ میں معاش سے آزادی کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں اسی لئے میں نے قانون اور انجینیئر دو چیزیں اختیار کی ہیں جن کے ذریعے سے میں اُمید کرتا ہوں کہ نوکری پیشہ لوگوں سے زیادہ خوش حال ہوں گا۔ ایک چیز اور بھی ہے زبانِ انگریزی۔ سو میں اپنے مضامین پالیویر اور انگلش میں اور در اس میل اور ممبئی ٹائمز یعنی ہندوستان کے تمام نامی انگریزی اخباروں میں بھیج کر دیکھ چکا ہوں، سب نے میری تحریر کو پسند کیا ہے۔ جو شخص اتنے وسائل رکھتا ہو اُس کو معاش کی طرف سے بے لطمینانی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ میری خاص حالت ایسی تھی کہ بزرگوں کا پس خوردہ بھی میرے لئے کافی ہوتا۔ مگر وہ رنج جو اس کالج کی تعلیم نے میرے دل میں بھونکی ہے کسی طرح جائز نہیں کہتی کہ میں دوسروں کا بارِ خاطر ہو کر رہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اندھا انگڑا لولا پا ہج نہیں ہوں۔ اور جن چیزوں سے لوگوں نے عزتیں پیدا کیں، دولتیں کمائیں، وہ سب سامان میرے لئے بھی مہیا ہے اگر میں اُس سے کام لینا چاہوں، اور میں نے لیا ہے، اور لوں گا۔ سخت دون ہمتی کی بات ہوگی کہ میں دوسروں کا سہارا پکڑوں۔

حقاکہ باعقوبتِ دونخ برابر است رفتن بپائے مرئیے ہمایہ و بہشت

ایسی خیال سے میں نے سخنِ رجال و جمہ کو اپنا شعار قرار دے کر اس کی مہر نہ کرار کمی نہیں کی۔ آپ صاحبوں نے کبھی کبھی میرے خطوط اور لغاتوں پر بحث کیا ہوا دیکھا ہوگا۔ بہر کیف نکاح سے پہلے میں نے چار اور پیش بینیاں کیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھ کو زیادہ خرچ درکار ہوگا تو میں نے

دیکھا کہ میں اس کے لیے پورا پورا طیار ہوں جس بات میں مجھ کو زیادہ غور کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ میں نے اُن ذمہ داریوں پر نظر کی جو مجھ پر عائد ہوں گی اس لیے میں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کی خادہ داریوں کی طرف توجہ کی تو اُن کو ناگفتہ بہ حالت میں پایا کہ مردوں نے عورتوں کے حقوق یا مال کر دیے ہیں اور یوں کوئی عورت شوہر پر غالب لگتی ہو تو وہ اتفاقی صورت ہو، عام دستور کے مطابق عورت مرد کے مقابلے میں ہوں بھی تو نہیں کر سکتی۔ حال اُن کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو ایسی عمدگی کے ساتھ مقرر کر دیا تھا کہ اگر اُس قاعدے پر عمل ہوا ہوتا تو ہماری قوم کی ہر گز یہ ردی حالت نہ ہوتی۔ وہ قاعدہ کیا تھا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلِيَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلْجَمَالِ عَلَيْهِنَ ذِمَّةٌ - ذرا لفظ درجۃ کے اطلاق پر نظر کرو کہ وہ مردوں کی مطلق فضیلت ظاہر کرتا ہو اور بس۔ میں نے خیال کیا تو وہ فضیلت اسی کی ہو کہ مرد مکانات اور ربالبیت کہلاتا ہو۔ لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایک طرح پر اسی حیثیت میں وہ اہل عیال کا خادم ہو عجیب بنظام ہو کہ دنیا میں ہر ایک شخص محتاج اور محتاج الیہ، اور خادم و مخدوم دونوں ہو۔ پس مرد اور عورت میں فرق ہو تو ایسے بایں آنکھ یاد آئیں بایں ہاتھ کا سا۔ لیکن ہمارے طرز تمدن نے اس فرق کو حد سے زیادہ بڑھا رکھا ہو اور جو مسافت مرد اور عورت دونوں کی حالتوں میں واقع ہو اُس کے لم کرنے کو بڑی مدتیں چاہئیں۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ابھی سے عورتوں کی اصلاح حالت کی تدبیر کی جائے سوائے کہ تو ابھی ہم لوگوں میں مذکور بھی نہیں۔ ربالبیت ہونے کے اعتبار سے مرد کا نہ صرف یہ فرض ہو کہ وہ اہل عیال کے لیے معاش پیدا کرے کہ یہ تو ہر کس نے ناکس کرتا ہوا اور ناہید تھا صائے طبیعت بھی ہو بلکہ ایک مہذب خانہ دار کا یہ بھی فرض ہو کہ وہ بی بی کے ساتھ محبت لے اور جیسے (مردوں کا حق) عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا (حق مردوں پر) ہاں دونوں کو عورتوں پر فوقیت ہو۔

اور خاطر داری اور دل جوئی سے پیش آئے ہمیشہ اُس کی ہمدردی کرتا رہے اور جیسا اُس کو اپنی امانت دار سمجھتا ہو آپ بھی اُس کی امانت میں خیانت نہ کرے۔ یہی وہ فرائض ہیں جن کی تعمیل میں اکثر کوتاہی ہوتی اور یہی کوتاہی اکثر خانہ داریوں کو بد مزہ رکھتی ہو۔ مجھ کو اچھی طرح یقین ہو گیا تھا کہ خانہ داری سے بہتر کوئی چیز ان کو ادب نہیں سکھا سکتی۔ خانہ داری اس کے حق میں خستہ کی کام دیتی ہو کہ اس کے سانسے بل نکل جاتے ہیں۔ پہلے شوہر اور پھر باپ بنا ایسے بوجھ نہیں ہر کسی کے تلے آکر آدمی اُچھل کود کر سکے، بشرطیکہ آدمی آدمی ہو۔ اور اگر ظاہر کا آدمی اور باطن کا جانور ہو تو اس سے کچھ بحث نہیں۔ میں نے تو اپنے اصول یہ پھیر رکھے ہیں کہ کوئی شخص کتنے ہی سڑفنگٹ دکھائے مجھ کو اُس کی نیک چلتی کی طرف سے ایسا اطمینان نہیں ہوتا جیسا صاف ایکسانی بات کہ وہ خانہ داری ہو۔ کاہلی کے دور کرنے کو خانہ داری جیسا کوئی کاری تازیانہ نہیں۔ وہ حکایت آپ نے نہیں سنی کہ ایک شخص نے پیغمبر صاحب سے تنگ دستی کی شکایت کی اور وہ تھا مجرّم، نہ اُس کے اکاڑی نہ پیچھے بچھاڑی۔ فرمایا نکاح کر دیکھا، اور تنگ دستی زیادہ ہوئی پھر شکایت کی اور پھر ارشاد ہوا اور نکاح کرو۔ آخر خاندانے کشائش دی۔ بات کیا تھی کہ وہ شخص بے فکری کی وجہ سے کاہل ہو گیا تھا۔ وہ بھڑس پٹ پڑس تو لگانا چاہا پھر نے پھر تو وہ شخص جس کے بیٹھ کر اُٹھنا مشکل تھا دول سے خستہ کرنے پر آمادہ ہوا اور خدانے اُس کو ایسی توانائی دی کہ مگر کی جو رکی بنی اور رومالی ہاتھ خاصی طرح صفائی سے ہلانے لگا۔ غرض میں نے دوسروں کی طرح بے سوچے سمجھے اوائے رسم کے طور پر اس تعلق کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کوئی خواہش نفسانی اس کی متقاضی ہوئی کہ جلدی کرتا۔ مجھ کو اس تعلق کے لیے انتخاب کے کرنے میں بڑی مشکلیں پیش آئیں میں نے اپنی آزادی کو اس معاملے میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہ میرے اختیار کی بات تھی اور میرے ہی اختیار سے ہوئی یہی چاہیے تھی۔ لیکن رسم و رواج نے اُس اختیار کو حقدار سے چھین کر

دوسروں کو فے رکھا ہو۔ ایسی کارروائی کے نتیجے کبھی قباحت سے خالی ہونہیں سکتے کہ ذمہ داری کسی کی اور اختیار کسی کا۔ چنانچہ میں نے اپنے اختیار کو آپ نافذ کرنا چاہا، گو اُن لوگوں نے جو اُس پر غصباً قبضہ کیئے ہوئے تھے بُرا بھی مانا ہو۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوا اور اسی کا تجربہ مجھ کو پہلے پہل اسی معاملے میں ہوا۔ میرا ہی دل جانتا ہو کہ میں نے کس شکل سے اپنے اختیار کو منبھالا۔ بے شک مجھ کو کئی طرح کی تکلیفیں پہنچیں اور سب میں زیادہ اور زیادہ تھی ناحق کی بدگمانی۔ مگر جیسی بدگمانی کی تکلیف تھی ویسی ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ میں دوسروں کے لیے ایک نمونہ قائم کرتا ہوں اس صلاح کا جس کی ہماری سوسائٹی کو سخت ضرورت ہو۔ اگرچہ امید نہیں کہ میرا بے وقعت اور بے حقیقت نمونہ کوئی بڑی تحریک پیدا کرے گا، مگر تمام صلاحوں کا ہی حال ہے کہ شروع میں ضعیف ہوتی اور تدریجاً قوت پکڑتی جاتی ہیں۔ دوسری شکل اور میں کہوں گا کہ سخت تر شکل انتخاب کی تھی۔ ہمارا طرز تمدن ہم کو انتخاب کی اجازت دے نہیں سکتا۔ اس کو چاہیئے معاشرت اور اختلاط اور وہ ممکن نہیں۔ میں تو ایسا بے دل ہو چلا تھا کہ کئی بار میں نے آزادی سے دست برداری کرنی چاہی کہ بلاے دوسروں پر بوجھ تو رہے گا۔ اُن کو موقع بھی مل سکتے ہیں۔ گو میرا رجحان پورا پورا معلوم نہ ہو مگر عام طور کارِ رجحان تو سبھی کو معلوم ہے۔ اور جو لوگ میری طرف سے اور میرے لیے انتخاب کرینگے وہ یقیناً میرے خیر خواہ بھی ہیں۔ قریب تھا کہ میں بھی عام دستور کی لگ کے تلے سے ہو کر نکلوں کہ میری خوش قسمتی نے مجھ کو ایک موقع دیا اور میں اپنے اختیار اور انتخاب دونوں کو اچھی طرح سے لاسکا۔ مجھ کو ایک دوست سے ایک شریف زادی کے لیے تفصیلی حالات سننے کا اتفاق ہوا کہ وہ معاشرت اور اختلاط کے قریب قریب تھا۔ میں ایک دینسٹل فلاسفی (فلسفہ عقلی) کی ایک کتاب بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ دلی کے رہنے والے ایک آشنا میرے کمرے میں تشریف لائے اور پوچھا کہ ایسی تو جہ سے کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے کتاب کا نام بتایا انھوں نے

پوچھا کس فن میں ہے میں نے کہا فلسفہ عقلی۔ اُنہوں نے زیادہ تصریح چاہی تو میں خواب کا بیان پڑھ رہا تھا اس میں سے اُن کو کچھ سُنا یا۔ اُس پر اُنہوں نے کہا کہ ہمارے محلے میں ایک میخسرو صاحب ہیں۔ بڑے شریف اور معاش کی طرف سے بھی آسودہ۔ اُن کی ایک لڑکی ہے۔ خدانے اُس کا عجیب طبع کا دماغ بنایا ہے۔ کثرت سے خواب دیکھتی ہے۔ در اُس کا خواب کبھی غلط نہیں ہوتا اور تعبیر بھی ایسی دیتی ہے کہ اُس کے خلاف کبھی ہوا ہی نہیں۔ سارا شہر اُس کا معتقد ہے۔ میری والدہ کا تو یہ حال ہے کہ اباجان کے یا بڑے بھائی کے یا کسی کے خط کو ایک دن کی بھی دیر ہو جاتی ہے تو میر خسرو کے گھر دوڑی جاتی ہیں اور خدا کی قدرت جب کبھی کسی بات کے پوچھنے کو لگی ہیں ہینچوٹا ہوتا ہے ر آتی ہیں۔ حسن کی، بیاقت کی، پاک امنی کی، ہنراور سلیقہ کی، نیک بختی کی ہھاگ ہے مگر باوجودیکہ میں بائیس برس کی ہو گئی ہوں اور دو چھوٹی بہنیں بیاہی جا کر بچوں کی ماں ہیں۔ اس بے چاری سے کوئی بیاہ نہیں کرتا کہ اس کے سر پر کچھ ہوتا لاکہ خواب کے سنے کچھ بھی تو نہیں ناحق کا داہمہ ہی داہمہ ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑی بزرگ عورت ہے۔ عابدہ، بہنیزہ کا قرآن خوان تہجد گزار۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس تقریب سے اس دوست نے تذکرہ کیا۔ اس میں تصنیع یا سلف یا طرف داری کو دخل ہو نہیں سکتا۔ پس مجھ کو تو اُن کا کہنا پتھر کی لکیر ہو گئی۔ اجنبی بن کر میں نے دو چار باتیں ان سے اور بھی پوچھیں۔ اُدھر وہ اُٹھ کر گئے۔ ادھر میں نے بسم اللہ کر کے میر خسرو صاحب کو ایک بڑا لمبا خط لکھا۔ اُس کی نقل بھی میرے پاس محفوظ ہے اور کبھی موقع ہوا تو وہ خط بھی میں آپ صاحبوں کو سُناؤں گا۔ اگرچہ ہم لوگوں میں عورتوں کا تذکرہ کرنا آدابِ مجلس کے خلاف ہے مگر ایک تو یہ کمینی خاص طرح کی ہے ممکن نہیں کہ نکاح پر بحث ہو اور عورتوں کا تذکرہ نہ کیا جاسے۔ دوسرے در حالیکہ ہم بزرگانِ دین حتیٰ کہ پیغمبرِ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور صاحبزادیوں کے بے تکلف نام لینے بے مضائقہ ان کے

کُل حالات بیان کرتے ہیں تو ہماری عورتیں کیا حقیقت ہیں کہ ان کا نام لینا ان کے حالات کا بیان کرنا موجب بے عزتی سمجھا جائے؟ بس اسی ایک بات سے قیاس کر لینا چاہیے کہ ہم نے اپنی عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں۔ یہ سچ ہو کہ اسلام نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہو اور اس میں چند در چند مصلحتیں ہیں مگر ہم کو دیکھنا ہو کہ جن لوگوں کے گھر سے پردہ نکلا وہ خود کس طرح پردہ کرتے تھے۔ عورتیں لڑائیوں میں ساتھ ہوتیاں تھیں نہ اس لیے کہ خیموں میں بیٹھی پانوں کی گلو یا نانا کر رکھیں بلکہ اس لیے کہ سپاہیوں کی خدمت بجالائیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، پانی پلائیں، رسیاں بیٹیں، یا اسی قسم کے اور کام جو عورتوں کے ہوتے کے تھے۔ عورتوں کو نماز میں شریک ہونے کی اجازت تھی۔ عورتیں نا محرم مردوں سے باتیں کر سکتیاں تھیں، چنانچہ اس وقت تک وہ خطے لکھے ہوئے موجود ہیں جو عورتوں نے مردوں کی جماعت کو مخاطب کر کے بیان کیے۔ غرض پردہ تھا اور پردے کے ساتھ آزادی بھی تھی کہ فتنے کا بھی انداد ہو اور دنیا کے کاروبار میں بھی خلل نہ پڑے۔ ہم نے پردے میں اتنا انداد کر دیا کہ عورتوں کا نام تک زبان پر آنا موجب بے حرمتی ہو مگر یہ ادعائی حرمت دنیا کی فلاح دنیا کی ترقی کے ساتھ توجیع نہیں ہو سکتی۔ خیالات تو یہ ہیں اور اس پر بڑ بڑاتا ہو کہ اہل یورپ نے ہماری سلطنت چھین لی۔ اہل یورپ ہم کو بیٹ بھرا نہیں دیکھ سکتے۔ اہل یورپ ہماری ملکی دولت گھسیٹ لے چلے جاتے ہیں۔ اسلام حقیقت میں ہمارے حق میں میگنا چارٹا، فرمان آزادی، کا حکم رکھتا تھا اور کُل دنیاوی ترقیوں کے دروازے ہمارے لیے مفتوح تھے مگر ہم بختوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھا جانا۔ آپ اپنے اوپر قیدیں لگاتے گئے اور تھان پر بند ہے بند ہے

پانچویں عیب شرعی کل آئے۔ خیر مسلمانوں کی قسمت کا رونما تو ہمارے رس کا ہیجین ہوتا ہی رہتا ہو۔ لوگ اس کو کہتے ہیں گاج اور میں کہتا ہوں امام باڑہ۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورتوں کی تذکرہ ہم لوگوں میں خلاف آداب مجلس ہو مگر میں اس جھوٹی خلاف شرع خلاف مصلحت ادعائی عزت کو مسلمانوں کی بے عزتی کا موجب سمجھتا اور بے محابا آپ سب صاحبوں کے روبرو کہتا ہوں کہ میں نے نکاح سے پہلے جو تفتیش کی اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ عین باپ بننے کی صلاحیت ہو تو فریق ثانی میں ماں بننے کی بھی صلاحیت ہو یا نہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس امر کی تحقیقات محال سے زیادہ مشکل تھی۔ مگر میں نے خیال کیا کہ جو امور جسمانی شناخت سے متعلق ہیں وہ ایک خاندان کے لوگوں میں اکثر یکساں ہوتے ہیں چنانچہ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان کی کل عورتیں کیا دودھیال کی اور کیا نھیال کی سب کثیر الاولاد میں۔

یہ باتیں میں نے اس غرض سے بیان کی ہیں کہ گو بر دے نے تحقیقات کے سب رستے بند کر رکھے ہیں مگر آدمی درپے تفتیش ہو تو بہت کچھ کر سکتا ہو۔ میں نے کیا اور میں افسوس کرتا ہوں کہ دوسرے کیوں نہیں کرتے۔ اُدھر میرے خسر و صاحب بھی روشن خیال آدمی ہیں۔ اُنھوں نے بھی میرے حالات کیوں نہ دریافت کیئے ہوں گے۔ بااے میری خوش نصیبیوں میں سب سے بڑی خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ اُنھوں نے مجھ کو اپنی فرزندگی میں لینا قبول کیا۔ اور میں نے اپنے تعلق کو اُس سے جو سنا تھا اور اپنی توقع بلکہ تمنا سے بہت زیادہ پایا دلکھدا اللہ علی ذلک۔

اس تعلق کی وجہ سے جو دلی میں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا تو مجھ کو افسوس کے ساتھ کہہ پڑتا ہو کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت ہی خراب ہو وہ غفل اور کاہل ہیں

خود پسند اور معزور ہیں۔ پُرانی لکیروں کے فقیر ہیں۔ ان پر ناز کرتے اور ترقی کے رستے میں نہ ایک اپنچ آگے کو سر نہ اچا ہتے ہیں۔ وہ بڑے تیرہ خیال اور متعصب ہیں۔ ان میں اصلاح پانے کی مطلق صلاحیت نہیں۔ وہ جلی ہوئی رستیاں ہیں مگر اُن کے بل جیسے کے تیسے موجود ہیں۔ وہ قومی خیالات بالکل نا آشنا ہیں شروع سے آخر تک اَلَا مَاشَاءَ اللہ میں جو پہنچا تو لوگوں نے شاید دوسرے ہی دن سے از خود بلا تعریب میرے پاس آنا شروع کیا۔ اور آئے تو ایسے جیسے کہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے معلوم ہوا کہ ہزاروں آدمی اسی طرح ٹکے پڑے پھرتے ہیں۔ بعض تو ایسے یہودہ خیالات کے تھے کہ اُن سے مجھ کو دلی نفرت تھی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ میں ان کے ڈھب پر چڑھنے والا نہیں تو بے دل ہو کر بیٹھ رہے ساری بادی چھٹ چھٹا کر آخر وہ لوگ رہے جو مولوی یا طالب علم یا پڑھے لکھے کہلاتے تھے۔ مگر پڑھنا لکھنا وہی اپنے پُرانے طور کار لوگوں کی ملاقات کے حالات میں روز نامے میں لکھتا گیا ہوں اور کبھی نہ کبھی آپ صاحبوں کو سناؤں گا بھی کیوں کہ دل چسپی سے خالی نہیں۔ اس وقت تو مجھ کو اسی قدر کہنا ہو کہ دلی والوں میں بلا کا مذہبی تعصب ہو۔ اور مسلمانوں ہی میں باخود ہا اس قدر اختلاف کہ پولیس فوجداری دیوانی کوئی کچھری نہیں جس میں ان کے مقدمات دائر نہ ہوں۔ ان کے آپس میں تو اتنا اختلاف ہو مگر میرے مسلمان نہ ہونے میں سب کو اتفاق تھا۔ میں حیران کہ اتنی میرے منہ سے کفر کا کون کلمہ نکلا کہ یہ لوگ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ آخر معلوم ہوا تو صرف علی گڑھ کالج کا سبب ہو۔ میرا تو جی اُچھتا تھا مگر یہ لوگ مجھ کو بخشتے ہی نہ تھے اور میری مذہبی معلومات جو تھی سو تھی۔ میں اپنے کو سمجھاتا یا مذہب کے

گورکھ دھندے کو بیٹھا بٹھاتا ہ تو میں بعض اوقات لاجواب ہو جاتا تھا مگر میں بھی بس خیال میں غلطیاں پیچاں رہنے لگا۔ بیسیوں مذہبی رسالے دیکھ ڈالے اور شوق ہو کہ بڑھتا چلا جاتا ہو پر تسلی نہیں ہوتی۔ خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا ہوں تو دوڑ نہیں ہوتا اور طبیعت ہو کہ کسی طرف سے نہیں تھکتی۔ اقلیدس کی نئی ٹیکلیں اور جبر و مقابلہ کی مساواتیں حل کرنے میں جو الجھن پیدا ہوتی ہو، جس نے طالب علمی کی ہو وہی اُس کی قدر خوب جانتا ہو۔ مگر میں آپ صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مذہبی الجھن کے آگے میں ساری الجھنوں کو بھول گیا۔ ہر وقت کی سوچ سے نیند اُچاٹ ہو گئی۔ کھانا کم کھانے لگا۔ قریب تھا کہ میری تندرستی میں خلل آ جائے کہ اتنے میں میری بی بی نے جن کی نسبت آپ سُن چکے ہیں کہ وہ یحیٰی سے بہت خواب دیکھا کرتی تھیں اور کبھی اُن کا خواب جھوٹا ہوا ہی نہیں میرے باسے میں ایک بڑا لمبا خواب دیکھا جیسے میں کسی بزرگ کے ساتھ مذہبی مباحثہ کر رہا ہوں اور ان بزرگ نے میرے سارے شکوک رفع کر کے میرا پورا اطمینان کر دیا ہو۔ یوں تو اُنھوں نے ہزاروں خواب دیکھا اور سارا شہر اس بات سے واقف ہو مگر ان کے دو خواب بڑے عجیب ہیں۔ ایک تو اُنھوں نے وقت سے پہلے اپنے ماموں کو امتحان تحصیلداری کے سوالات خواب کے ذریعے سے بتا دیئے تھے۔ ماموں کہیں الہ آباد کے علاقے میں تحصیلدار تھے اور یہ دلی میں۔ خواب میں سوالات معصوم ہوئے۔ اُنھوں نے صبح اُن سوالات قلمبند کر رکھڑی کر ا ماموں پاس بھیج دیئے۔ کئی دن بعد امتحان ہوا تو ایک لفظ کا فرق نہ تھا۔ وہ خط رکھڑی کے لفافے سمیت اس وقت تک تحصیلدار صاحب کے پاس موجود ہی رہا خواب جو میرے چارے میں دیکھا اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہی۔ میں نے اس خواب کو نہ بانی نہیں

سُننا چاہا۔ بلکہ اُن سے کہا کہ لکھ دو۔ وہ لکھتی جاتی تھیں اور میں برابر بیٹھا ہوا دیکھتا جاتا تھا۔ میرے جتنے سوالات ہیں جو بات میرے دل میں تھی وہی اُن کے قلم سے نکلتی تھی یہ رسالہ جو آپ میرے ہاتھ میں دیکھتے ہیں وہی خواب ہو۔ اور جنہوں نے دیکھا ہو اُن ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی ہو۔ اس کچھ ضامین ہی میں اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ خواب دل سے نہیں بنایا گیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جنہوں نے یہ خواب دیکھا ہو اس کی بعض باتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتیں اگرچہ اس خواب کو میں اُن فوائد میں شمار کرتا ہوں جو نکاح کی وجہ سے مجھ کو حاصل ہوئے مگر چونکہ یہ ہر ایک کے نکاح کا نتیجہ لازمی نہیں ہو اس لیے میں اس کو کیٹی میں پیش کرتے ہوئے تامل کرتا تھا کہ نہیں معلوم اس کو اغراض کیٹی میں داخل بھی سمجھیں یا نہیں مگر مجھ کو اس خواب میں ایسی حسرت ہوئی ہو کہ آپ سب صاحبوں کو شریک کیے بدون مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور مطلب بھی ایسا اہم ہو کہ اس سے زیادہ ضروری کوئی مطلب ہو نہیں سکتا۔ غرض میں یہ رسالہ بڑی خوشی سے کیٹی کی نذر کرتا ہوں اور اگر کیٹی کی نظر میں بکار آمد ثابت ہو اور اس کے چھپولنے کی صلاح ٹھہرے تو اس کا اپنی رائٹ بھی کیٹی کی نذر ہو گا۔

صادق کا بیان سُن کر لوگوں کے شوق تو اس نذر شتعل ہو رہے تھے کہ چاہے ساری رات ہی کیوں نہ میٹھنا پڑے مگر خواب ابھی سنایا جائے۔ لیکن گفت و شنود کے بعد آخر یہ رائے قرار پائی کہ نہیں خواب کو بڑے اطمینان سے سُننا ہو گا اور عجیب نہیں کسی کسی موقع پر کچھ بحث بھی پیش آ جائے ختم ہونے تک کیٹی کے آئینہ اجلاس اسی خواب کے لیے وقف رہیں۔ لوگوں نے بہتیرا چاہا کہ ان کو کتاب استعارہ دی جائے اور کیٹی سے خارج ان کو اس کے پڑھنے اور دیکھنے کی اجازت ہو مگر پریزیڈنٹ نے اس کو منظور نہ کیا اور وہ کتاب قفل میں بند کی گئی۔ جب کیٹی کا اجلاس ہوتا نکالی جاتی۔ لوگ

نہیں تھے اور سر دھنتے۔ اس پر بحث بھی اتنی ہوئی کہ کسی مضمون پر نہ ہوئی ہوگی۔ انجام
یہ ہوا کہ کمیٹی نے بالاتفاق رزلویشن پاس کیا کہ۔

جو اس کتاب جتنی باتیں بھی جانتا ہو اس کا اسلام کیا

پھر تو کالج کا کوئی طالب العلم نہ تھا جس کے پاس اس کی ایک چھپی ہوئی کاپی نہ ہو سنا ہو کہ
اس کتاب کے کاپی رائٹ سے کالج میں ہر سال دو تین فری بورڈنگ ہوس تعمیر تھے بہتے ہیں
طالب علموں نے بڑا زور مارا کہ یہ کتاب کالج کے مذہبی کورس میں داخل ہو مگر مسلمانوں کے
تعلیمی اگے کسی کی پیش نہ گئی، لیکن کب تک ہر کیف اس وقت تو کالج کے ہاتھی کے
مذہبی دانت دکھانے کے ان کی پُرانی کتابیں ہیں اور کھانے کے یہ کتاب، اس خواب کے
متعلق ایک عجیب بات اور جو کہ اس کے بعد سے صادقہ کے خوابوں کا سلسلہ آپ سے
آپ بالکل منقطع ہو گیا۔ وہ اور اس کے لواحق بہتیرا جاتے تھے کہ وہ کوئی خواب دیکھے
مگر دکھائی دے تو دیکھے۔ جس غرض سے اس کو یہ نعمت دی گئی تھی کہ اس کے آخری
خواب اس کے شوہر کو خصوصاً اور مسلمانوں کو عموماً فائدہ پہنچے، سو پہنچا۔ اب اس کو
خواب نظر آئیں کہیں اور لوگ منتظر ہیں کس لینے؟



اعلان

یہ کتاب بموجب کاپی رائٹ ایکٹ ۱۳۹۷ء رجسٹری شدہ ہے
اور جملہ حقوق بنام مندر احمد محفوظ ہیں؛

